بزنس سے پہلے

جلد دوم

مؤلف

ندیم ایاز

مکتبہ دارالرحیل

تالیف:بزنس سے پہلے جلد دوم

مولف:ندیم ایاز

قیمت:500

مکتبہ:دارالرحیل

سال اشاعت:2022

Peaceofmindna.com website

Peaceofmind.na facebook page

مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب کاروبار چھوڑنا بھی ہے کہ سب مزدوری پہ لگ گئے اور جو تھوڑے بہت لوگ جو کاروبار کر بھی رہے تھے تو اسلامی تعلیمات سے ناواقف تھے الاماشاءاللہ۔

آج بھی ضرورت ہے کہ مہاجرین وانصار کی طرح قرآن وسنت کی روشنی میں زراعت اور کاروباری معاملات کئے جائیں۔

مختصر تعارف

میں نے قرآن کریم قاری نورالامین صاحب کے پاس حفظ کیا آخری 4 پارے بنوری ٹاون میں ۱۱ دن میں حفظ کئے۔
حفظ دور قاری ظاہر صاحب کے پاس کیا، درس نظامی کی کتابیں شیخ عبدالوکیل صاحب، عنایت اللہ صاحب، شیر عالم صاحب، روح الامین صاحب، عبدالروف صاحب، ھاشم صاحب اور صدرالشھید صاحب اور بھی علماء سے کتابیں پڑھیں میں ان سب کے لئے دعا گو ہوں۔
دورہ تفسیر القرآن شیخ عبدالسلام رحمہ اللہ، شیخ امین اللہ صاحب، شیخ افضل خان شاہ پور شیخ، شیخ طیب صاحب، شیخ امیر حسین باچا صاحب، اور شیخ روح الامین صاحب سے کئے۔
اتحاد المدارس مردان اور وفاق المدارس السلفیہ فیصل آباد سے درس نظامی کے امتحانات دیئے۔ تجوید اور حفظ کی بھی وفاق سے امتحان دیئے اور سب کے سند حاصل کئے۔ ادیب عربی کا امتحان دیا اور سند حاصل کی۔
تقابل ادیان کے تمام کورسز کئے۔ اور اس کے علاوہ علم نفسیات میں بی ایس کیا، پاکستان انسٹیٹیوٹ آف منیجمنٹ سے انڈسٹریل اینڈ ارگنائزیشنل سائکالوجی میں ڈپلومہ کیا، ہیپی لائف سائکولوجیکل سروسز سے چھ مہینے کا کورس کلینیکل سائکالوجی میں کیا۔ کمپلیمینٹری تھراپیز میں ڈپلومہ سری لنکا سے، این ایل پی اور ہپناسز کورسز سر ارسلان لاڑیک اور سر سدید مرزا کے ذریعے امریکن بورڈ آف نیورولنگویسٹک پروگرامنگ سے کیا، پریسٹن یونیورسٹی سے ڈاکٹر عمران

صاحب سے این ایل پی کے ایک سالہ کورس میں داخلہ لیا لیکن ایک سیمیسٹر کے بعد مکمل نہیں کر سکا اور اسی طرح کئی آن لائن کورسز مکمل کئے اور ایک خاصی تعداد میں سیمینارز اور ورکشاپس اٹینڈ کئے۔

عمرہ کے سفر میں جدہ، مکہ۔ مدینہ، طائف اور خیبر کے علاقوں کی زیارت نصیب ہوئی الحمدللہ۔ دبئ کے سفر میں ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کے تین روزہ پیس کانفرنس میں شرکت کی اور مختلف خوبصورت مقامات اور خصوصا ابو ظہبی کی مشہور شیخ زید مسجد جانا ہوا۔

13 مرتبہ خود دورہ تفسیر القرآن کے درس دئے مختلف مقامات پر۔ اس کے علاوہ روزانہ کے دروس اور جمعہ کے خطبات اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بے شمار ہیں۔

بہت سے طلباء اور طالبات نے مجھ سے قرآن و حدیث سیکھا میں ان سب کے لئے دعا گو ہوں یہ سب میرے اور میرے اساتذہ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

تالیفات

(1)قرآنی دعائیں

(2)اللہ کے بندے مادہ پرست نہیں ہوتے

(3)اصلاح النساء

(4)طرق التفسیر

(5)قرآن مجید کی تفسیر کے اقسام

(6)المناھج المختلفۃ للمفسرین

(7)الکبائر التي ذکرھا الإمام الذھبي

(8)اسلام سائنس اور الحاد

(9)ملحدین کے پچاس اعتراضات کے جوابات

(10)ملحدین کی اصلاح

(11)خدا کے بارے میں ملحدین کی پریشانی کا علاج

(12)پاکستان میں اسلامی دستور کے لیے علماء کے 22 متفقہ نکات

(13)أسھل طریقۃ لحفظ القرآن الکریم

(14)صحیفہ ہمام بن منبہ

(15)المعجم الصغیر للطبرانی

(16)پیغام مدینہ جلد اول

(17)پیغام مدینہ جلد دوم

(18)پیغام مدینہ جلد سوم

(19)پیغام مدینہ جلد چہارم

(20)پیغام مدینہ جلد پنجم

(21)پیغام مدینہ جلد ششم

(22)پیغام مکہ جلد اول

(23)مقالات حصن المسلم جلد اول

(24)مقالات سیرت جلد اول

(25)مقالات سیرت جلد دوم

(26)مقالات سیرت جلد سوم

(27)مقالات حصن المسلم جلد دوم

(28)مقالات حصن المسلم جلد سوم

(29)مقالات حصن المسلم جلد چھارم

(30)مقالات حصن المسلم جلد پنجم

(31)مقالات حصن المسلم جلد ششم

(32)مقالات حصن المسلم جلد ھفتم

(33)مقالات حصن المسلم جلد ھشتم

(34)بے قرار دل کا قرار

(35)گھر کا ماحول پر سکون اور خوشگوار کیسے بنائیں؟

(36)گناہوں سے کیسے بچیں؟

(37)محبت، دیوالی اور ویلنٹائن

(38)بزنس سے پہلے جلد اول

(39)بزنس سے پہلے جلد دوم

(40)

(1) مروّجہ اسلامی بینکاری اورمرابحہ(Murabaha)

الشیخ حافظ ذوالفقاراحمد حفظہ اللہ

مروجہ اسلامی بینکوں نے فنانسنگ کے جو مختلف طریقے متعارف کرائے ہیں ان میں سر فہرست مرابحہ ہے۔جس کو اسلامی بینکنگ کے نام پر وسیع پیمانے پر فروغ حاصل ہوا ہے۔

بیع مرابحہ کا مفہوم یہ ہے:

’’فروخت کنندہ کوئی چیز اس وضاحت کے ساتھ بیچے کہ میں نے یہ اتنے میں خریدی ہے اور اتنے منافع کے ساتھ فلاں قیمت پر تمہیں فروخت کرتا ہوں‘‘۔

چنانچہ علامہ موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہ حنبلی مقدسی فرماتے ہیں:

معنی بیع المرابحۃ،ھو البیع براس المال وربح معلوم،ویشترط علمھما براس المال فیقول راس مالی فیہ اوھو علی بمائۃ بعتک بھا،وربح عشرۃ

المغنی-6:ص/266

’’مرابحہ کا معنی ہے اصل لاگت اور متعین نفع کے ساتھ فروخت کرنا اس میں ضروری ہے کہ فروخت کنندہ اور مشتری کو اصل لاگت معلوم ہو، چنانچہ بیچنے والا یہ کہے کہ اس میں میرا اصل سرمایہ سو ہے یا یہ مجھے ایک سو کی پڑی ہے میں آپ کو دس نفع لے کراتنے میں بیچتا ہوں‘‘۔

لغت کی مشہور کتا ب’’المعجم الوسیط‘‘ میں ہے:

ھو بیع براس المال مع زیادۃ معلومۃ

اصل قیمت پر متعین نفع کے ساتھ فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے۔

عام بیع اور مرابحہ میں یہ فرق ہے کہ عام بیع میں چیز کی اصل قیمت اور اپنا نفع بتانا ضروری نہیں ہوتا جبکہ مرابحہ میں مشتری کو اصل قیمت سے آگاہ کرنا لازمی شرط ہے۔

مرابحہ کی ضرورت اور اس کے بنیادی اصول:

مرابحہ ایک تمدنی اور معاشرتی ضرورت ہے کیونکہ ہر آدمی میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ کسی چیز کو اس کی اصل قیمت پر مناسب نفع کے بدلے خرید سکے بعض دفعہ فروخت کنندہ اصل قیمت سے بھی کئی گنا زیادہ نفع مانگ لیتا ہے۔اس بناء پر انسان سوچتا ہے کہ کوئی ایسا شخص مل جائے جو اپنی لاگت پر معقول نفع لے کر بیچنے پر تیار ہو۔اس لحاظ سے بیع مرابحہ کی بنیاد امانت داری پر ہے لہذا اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی خیانت اور غلط بیانی سے مبرا ہوا اور مشتری کو اصل قیمت کا علم ہو جیسا کہ ''الموسوعۃ الفقیۃ الکویتیۃ'' میں ہے۔

یشترط ان یکون الثمن الاول معلوما للمشتری الثانی لان العلم بالثمن شرط فی صحۃ البیوع فاذا لم یعلم الثمن الاول فسد العقد

' 'اس میں یہ شرط ہے کہ مشتری ثانی کو پہلی قیمت کا علم ہو۔کیونکہ بیوع کے صحیح ہونے کے لیے قیمت کا علم شرط ہے۔جب پہلی قیمت کا علم نہیں ہوگا تو عقد فاسد ہو جائے گا''۔

مرابحہ کی مختلف قسمیں اور ان کا شرعی حکم:

نفع کے تعین کے اعتبار سے مرابحہ کی دو صورتیں ہیں:ا۔پوری قیمت پر نفع کی ایک مخصوص مقدار مقرر کر لی جائے۔مثلا یوں کہا جائے کہ اس قیمت سے اتنے روپے زائد میں بیچتا ہوں یہ صورت سب کے نزدیک جائز ہے۔چنانچہ علامہ موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہ حنبلی مقدسی رقم طراز ہیں:

فھذا جائز لا خلاف فی صحتہ، ولا نعلم فیہ عند احد کراھۃ

المغنی – 6: ص/266

’’یہ جائز اس کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہمیں نہیں علم کہ اس کے متعلق کسی سے کراہت منقول ہو‘‘۔

۲۔دوسری صورت یہ ہے کہ نفع کا ایک خاص تناسب طے کر لیا جائے۔مثلا یوں کہا جائے کہ اصل قیمت پر اتنے فیصد زائد نفع وصول کروں گا۔صحابہ اور فقہاء کے ہاں یہ صورت بیع ’’دہ یاز دہ‘‘یا’’ دہ دواز دہ‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔اس کا مطلب ہے کہ اس چیز میں میرا اصل سرمایہ اتنے روپے ہے اور میں ہر دس کے بدلے ایک روپیہ یا ہر دس کے بدلے دو روپے نفع لوں گا اس کے جواز میں اختلاف ہے۔

قاضی شریح سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی ا سکے جائز ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

عن شریح و سعید بن السیب و ابراھیم النخعی انھم کانو ایجیزون بیع دہ دوازدہ

السنن الکبریٰ: کتاب البیوع، باب المرابحة

’’شریح سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی بیع دہ دواز دہ جائز قرار دیتے ہیں‘‘۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے:

لا بأس ببیع دہ دوازدہ

مصنف عبدالرزاق: کتاب البیوع، باب بیع دہ دوازدہ

’’بیع دہ دوازدہ میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔چنانچہ انہوں نے امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

لا بأس العشرة باحد عشر، ویاخذ للنفقة ربحا

صحیح البخاری: کتاب البیوع، باب من اجری الأمصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع الإجازة

’’اس میں کوئی حرج نہیں کہ دس کو گیارہ کے بدلے بیچے اور اخراجات پر بھی نفع وصول کریں۔‘‘

شیخ الاسلام حافظ ابن حجررحمہ اللہاس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ای لاباس ان یبیع ما اشتراہ بمائۃ دینار مثلا کل عشرۃ منہ باحد عشر فیکون راس المال عشرۃ والربح دینارا
فتح الباری

’ ’یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو چیز سو دینار کی خریدی ہے وہ اس طرح بیچے کہ ہر دس کے بدلے گیارہ دینار لوں گا تو اصل مال دس دینار ہوئے اور ایک دینار نفع۔‘‘

امام ثوری رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ اہل الرائے اور ابن منذر کی رائے میں بھی یہ جائز ہے۔[المغنی: ٦ ص ٢٦٦]

اس کے برعکس سیدنا عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے میں مرابحہ کی یہ صورت ناجائز ہے۔چنانچہ سیدناعبداللہ بن عمررضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

بیع دہ دوازدہ ربا

مصنف عبد الرزاق: کتاب البیوع، باب بیع دہ دوازدہ

’ ’بیع دہ دوازدہ سود ہے۔‘‘

اور عبداللہ بن ابی یزید کہتے ہیں:

سمعت ابن عباس یکرہ بیع دہ دوازدہ قال و ذلک بیع الاعاجم
السنن الکبریٰ للبیھقی و مصنف عبدالرزاق: کتاب البیوع، باب المرابحۃ

’ ’میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے سنا کہ وہ بیع دہ دوازدہ کو مکروہ سمجھتے تھے فرماتے تھے یہ عجمیوں کی بیع ہے۔‘‘ امام احمد نے بھی اس کو مکروہ کہا ہے اور امام اسحاق بن راہویہ کے خیال میں بھی یہ ناجائز ہے۔

راجح رائے:

اگر فریقین کے دلائل کا موازنہ کیا جائے تو حسب ذیل وجوہ کے باعث ان بزرگوں کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے جو اس کے حق میں ہیں۔

☆قرآن و حدیث میں کوئی ایسی نص نہیں جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہو۔نیز اس سے کسی شرعی ضابطے کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی۔

☆پہلی قسم کی طرح اس میں بھی ہر چیز واضح ہے اصل لاگت بھی معلوم ہوتی ہے اور نفع بھی متعین ہے۔

☆جہاں تک سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہ کے آثار کا تعلق ہے ان کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وھذا یحتمل ان یکون انما نھی عنہ اذا قال ھو لک بدہ یازدہ او قال بدہ دوازدہ لم یسم راس المال ثم سماہ عند النقد و کذلک ماروی عن ابن عمر فی ذلک

السنن الکبریٰ، کتاب البیوع، باب المرابحۃ

’ ’اس کا مطلب ہے کہ یہ ممانعت تب ہے جب یہ کہے کہ یہ چیز میں تجھے اس طرح فروخت کرتا ہوں کہ ہر دس کے بدلے ایک یا ہر دس کے بدلے دو نفع لوں گا۔اصل لاگت کا تذکرہ نہ کرے پھر ادائیگی کے وقت اس کی وضاحت کرے۔‘‘

سیدنا عبداللہ عمررضی اللہ عنہ کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے۔یاد رہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر سنداً بھی ثابت نہیں کیونکہ اس کو سفیان بن عیینہ صیغہ عن سے بیان کر رہے ہیں اور مدلس ہیں۔

مرابحہ میں ضمنی اخراجات کا حکم:

یہاں یہ امر بھی قابل ملاحظہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز پر جو اخراجات آتے ہیں فروخت کنندہ ان کو بھی اصل لاگت میں شامل کر کے مجموعی لاگت پر نفع حاصل کر سکتا ہے۔اوپر صحیح بخاری کے حوالے سے امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ فروخت کنندہ اخراجات پر بھی نفع لے سکتا ہے۔شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

للبائع ان یحسب فی المرابحۃ جمیع ما صرفہ ویقول قام علی بکذا

فتح الباری

’ ’مرابحہ میں بائع کو یہ بھی حق ہے کہ وہ تمام اخراجات کو شمار کر کے یہ کہے کہ مجھے یہ چیز اتنی رقم (قیمت) میں پڑی ہے۔

بیع مرابحہ اور بینکاری:

مذکورہ بالا تفصیل سے مرابحہ کا شرعی تصور اور اس کے اصول و مبادی نکھر کر سامنے آگئے ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ اس کا بینکاری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔چنانچہ اسلامی بینکاری کے حامی مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

’ ’آج کل معاشی حلقوں میں ایک بینکاری کا طریقے کے طور پر مروج ہے۔ جبکہ مرابحہ کا اصل تصور اس خیال سے مختلف ہے۔مرابحہ اصل میں اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد ایک قسم کی بیع ہوتی ہے۔جس کا اپنے اصل تصور کے اعتبار سے تمویل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے‘‘۔[اسلامی بینکاری کی بنیادیں:ص ۹۶]

دوسری وجہ لکھتے ہیں:

’ ’بنیادی طور پر مرابحہ طریقہ تمویل نہیں بلکہ بیع کی ایک خاص قسم ہے۔شریعت کی رو سے تمویل کے مثالی طریقے ’’مشارکہ‘‘ اور ’’مضاربہ‘‘ ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

’ ’یہ بات کسی صورت نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ مرابحہ اصل کے اعتبار سے طریقہ تمویل نہیں۔یہ تو صرف سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے۔ایسا مثالی ذریعہ تمویل نہیں جو اسلام کے معاشی مقصد کی تکمیل کرتا ہو۔‘‘[اسلامی بینکاری کی بنیادیں:۱۰۸]

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ:

المرابحۃاللآمربالشراءیاالمرابحۃللواعدبالشراء

یعنی خریدار کا آرڈر دینے یا خریدار کا وعدہ کرنے والے کے ساتھ مرابحہ کا معاملہ کرنا ہے۔اس کو مرابحہ مرکبہ بھی کہتے ہیں۔

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کلائنٹ بینک سے درخواست کرتاہے کہ آپ میرے لیے اس کو الٹی کی فلاں فلاں چیز خرید لیں میں وہ مرابحہ کی بنیاد پر آپ سے خرید لوں گا۔شرح منافع کا تعین پہلے ہی ہو جاتا ہے۔اور اس کا تعین شرح سود سے کیا جاتاہے۔عام طور پر بینک کلائنٹ کی دلچسپی جانچنے کے لیے ٹوکن منی (الحامش الجدی) بھی وصول کرتا ہے پھر جب بینک حسب وعدہ مطلوبہ سامان خرید لیتا ہے تو باقاعدہ بیع کے ذریعے کلائنٹ کو فروخت کرتا ہے اور کلائنٹ عموما اپنے وعدے کے مطابق خریدنے کا پابند ہوتا ہے۔بعض دفعہ بینک پر بھی وعدے کی پابندی لازم ہوتی ہے لیکن عموما بینک آزادہی ہوتاہے۔اگر بینک کے سامان خریدنے کے بعد کلائنٹ حسب وعدہ خریدنے سے انکار کر دے تو بینک وہ سامان کسی دوسرے کو بیچ دیتا ہے اور اصل لاگت سے جتنا خسارہ ہوتا ہے وہ وعدہ کرنے والے سے وصول کرتا ہے۔بینک چونکہ تجارتی ادارہ نہیں اس لیے وہ خود سامان خریدنے کے بجائے اس کلائنٹ کو ہی خریداری کے لیے وکیل مقرر کر دیتا ہے کہ آپ یہ سامان خود خرید لیں۔اور اکثر کلائنٹ اپنا سپلائر بھی خود متعین کرتا ہے اور اس کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بینک اسی سے مطلوبہ سامان خرید کر اسے فروخت کرے۔کلائنٹ کا بینک کے ساتھ یہ معاہدہ بھی ہوتا ہے کہ بیع کے بعد اگر اس نے وعدے کے مطابق ادائیگی نہ کی تو وہ اتنی رقم بینک کے زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائیگا۔

اس سے واضح ہوتاہے کہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ قطعا وہ نہیں جس کو ہمارے اسلام نے جائز قرار دیا ہے بلکہ اس میں اور شرعی مرابحہ میں کئ ایک اعتبار سے فرق ہے۔مثلًا:

☆شرعی مرابحہ میں بیچا جانے والا سامان تاجر کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں مطلوبہ سامان بینک کے پاس موجود نہیں ہوتا۔

☆شرعی مرابحہ میں چونکہ تاجر نے سامان خریداری کے آرڈر یا وعدے کے بغیر خریدا ہوتا ہے اس لیے وہ حالات کے رحم و کرم پر ہوتا ہے ممکن ہے گاہک فورا آجائے اور یہ فروخت ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑے اور یہ بھی خدشہ ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں بازار میں اس چیز کی قیمت کم ہو جائے اور یہ نقصان اٹھا کر بیچنے پر مجبور ہو۔اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں بینک کو یہ خطرات در پیش نہیں ہوتے۔

☆شرعی مرابحہ ایک ہی مرحلہ میں مکمل ہو جاتا ہے۔اس کے برخلاف اسلامی بینکوں میں مروجہ مرابحہ دومختلف مرحلوں میں انجام پاتا ہے۔پہلے مرحلہ میں وعدہ ہوتا ہے اور دوسرے مرحلہ میں عقد کی رسم ادا ہوتی ہے۔

☆شرعی مرابحہ میں ادائیگی نقد بھی ہو سکتی ہے اور ادھار بھی لیکن بینکاری مرابحہ موجل ہی ہوتا ہے۔کیونکہ لوگ بینکوں میں جاتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کے پاس رقوم نہیں ہوتیں۔

☆شرعی مرابحہ کا معاملہ کرتے وقت سود فریقین کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا جبکہ اسلامی بینکوں میں نفع کا تعین ہی شرح سود سے ہوتا ہے۔

☆شرعی مرابحہ میں صرف دو فریق ہوتے ہیں: (۱)بیچنے والا(۲)خریدنے والا۔

اس کے برعکس یہاں ایک تیسرا فریق بینک بھی ہوتا ہے۔

مروجہ مرابحہ کا شرعی حکم:

یہ صورت چونکہ شرعی مرابحہ سے بالکل مختلف ہے اس لیے اس کو شرعی مرابحہ کی بنیاد پر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ یہ پوری طرح شرعی اصول سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہوا کہ مرابحہ کی بنیاد پر بیچی جانے والی چیز نہ تو پہلے سے بینک کے پاس موجود ہوتی ہے اور نہ ہی بینک براہ راست خریدتا ہے بلکہ وہ کلائنٹ سے کہتا ہے کہ آپ میرے ایجنٹ کی حیثیت سے یہ چیز خود خرید لیں۔

لہذا مناسب ہوگا کہ مرابحہ کی مختلف صورتوں کا الگ الگ حکم بیان کرنے سے قبل کلائنٹ کو وکیل بنانے کی شرعی حیثیت واضح کردی جائے۔

کلائنٹ کے ذریعے خریداری کی شرعی حیثیت:

اس امر پر سب متفق ہیں کہ مرابحہ ایک جائز طریقہ تجارت تو ہے مگر یہ طریقہ تمویل نہیں ہے۔لہذا اسے اس طرح انجام دینا کہ یہ عام بیع کی بجائے سودی لین دین کا معاملہ نظر آئے درست نہیں۔کلائنٹ کو خریداری کا ایجنٹ بنانے میں سودی لین دین کے ساتھ مشابہت بالکل واضح ہے اس لیے موجودہ اسلامی بینکوں کے حامی بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔چنانچہ ''المعاییر الشرعیۃ'' میں ہے:

الاصل ان تشتری المئوسسۃ السلعۃ بنفسھا مباشرۃ من البائع ویجوز لھا تنفیذ ذلک عن طریق وکیل غیر الآمر بالشراء ولا تجعل لتوکیل العمیل (الآمر بالشراء) الا عند الحاجۃ الملحۃ

ص : 112

''اصل یہ ہے کہ بینک فروخت کنندہ سے براہ راست خود سامان خریدے۔اور بینک ایجنٹ کے ذریعے بھی خرید سکتا ہے مگر وہ ایجنٹ کلائنٹ کے علاوہ کوئی دوسرا ہونا چاہیے ناگزیر صورت کے علاوہ کلائنٹ کو ایجنٹ نہیں بنانا چاہیے۔''

اسلامی بینکاری کے لیے سر گرم عمل مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''کلائنٹ کو وکیل بنادینا تاکہ وہ تمویل کار کی طرف سے اس چیز کو خرید لے مرابحہ کو مشتبہ بنا دیتا ہے اس وجہ سے بعض شریعہ بورڈز نے اس تکنیک کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔'' [اسلامی بینکاری کی بنیادیں:ص 164]

طرفہ تماشا یہ ہے کہ تقریبا تمام اسلامی بینک اسی تکنیک کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اب ذیل میں شرعی اصول کی روشنی میں اس کی مختلف صورتوں کا الگ الگ حکم بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت:

اس معاملہ کی پہلی صورت یہ ہے کہ بینک کیساتھ کیے ہوئے وعدہ کی پابندی فریقین کے لیے لازم ہو کہ بینک ہرصورت سامان دینے اور کلائنٹ خریدنے کا پابند ہو۔یہ صورت عملًا بیع ہی کی ہے جو شرعی اصول سے متصادم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر محمد سلیمان الاشقر لکھتے ہیں:

"واذاتم هذا فان الاتفاق فی الحقیقة هو عقد لان مافیه من اتفاق ارادتین علی انشاء حق فهو عقد بلاریب ولو سمی وعدا فهو عقد ایضا فاذا جری الاتفاق علی هذه الطریقة فهو عقد باطل و حرام لاسباب"

بحوث الفقهیة فی قضاء الإقتصادیة معاصرة: ج/1، ص/82

' 'جب یہ معاملہ پورا ہو جائے تو یقینا یہ ایگریمنٹ در حقیقت عقد ہے۔کیونکہ دو ارادوں کا ایک حق کو وجود میں لانے پر اتفاق بلاشبہ عقد ہے اگرچہ اسے وعدے کا نام بھی دیا جائے پھر بھی یہ عقد ہے جب ایگریمنٹ اس طریقے کے مطابق پورا ہو تو وہ چند اسباب کی بناء پر باطل اور حرام ہے۔"

وہ کون سے شرعی اسباب ہیں جن کی بنیاد پر یہ عقد حرام قرار پاتا ہے اس کی وضاحت میں شیخ اشقر فرماتے ہیں:

☆اس کے حرام ہونے کا پہلا سبب یہ ہے کہ بینک کلائنٹ کو ایک ایسی چیز بیچ رہا ہے جو ابھی تک اس کی ملکیت نہیں حالانکہ نبیﷺ نے اس چیز کی بیع کی ممانعت فرمائی ہے جو قبضے میں نہ ہو۔اور آپﷺ نے اس بیع سے بھی منع فرمایا ہے کہ ایسی چیز آگے بیچی جائے جو انسان کے پاس موجود نہ ہو۔

☆بینک نے معلق (contingent) بیع کی ہے کیوں کہ کلائنٹ بینک سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم اس کو خرید لو تو میں تم سے لے لوں گا جبکہ شرعی طور پر بیع معلق صحیح نہیں ہے۔

☆اس کی حرمت کا تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ سود پر قرض دینے کا حیلہ ہے۔

☆اگر بیچی جانے والی چیز کا تعلق غذائی اشیاء سے ہو تو اس میں ممانعت کا چوتھا سبب بھی شامل ہو جاتا ہے۔جس کی طرف امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ نبیﷺ نے طعام کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ تاجر اسے اٹھا کر اپنے ٹھکانوں پر لے جائیں۔[بحوث فقیھة فی قضایا اقتصادیة معاصرة: ج١]

علاوہ ازیں یہ آنحضرتﷺ کے اس ارشاد کے بھی مخالف ہے۔

البيعان بالخيار مالم يتفرقا

صحيح بخاری: کتاب البيوع، باب کم يجوز الخيار

’ ’الگ ہونے تک بائع و مشتری دونوں کو (فسخ بیع) اختیار ہوتا ہے۔‘‘

لیکن بینک میں مروجہ مرابحہ میں یہ اختیار سلب کر لیا جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واذا أری الرجل الرجل السلعة فقال اشتر هذه واربحک فيها کذا فاشتراها الرجل فالشراء جائز والذی قال اربحک فيها بالخيار ان شاء أحدث فيها بيعا وان شاء ترکه وهکذا ان قال اشتر لی متاعا ووصفه له او متاعا ای متاع شئت وانا اربحک فيه فکل هذا سواء يجوز البيع الاول ويکون هذا فيما اعطی من نفسه بالخيار

کتاب الام: ج/3، ص/39

’ ’ جب ایک شخص دوسرے کو کوئی چیز دکھا کر یہ کہے کہ یہ خرید لیں میں آپ کو اتنا منافع دوں گا اس پر وہ شخص وہ چیز خرید لے تو پھر یہ خریداری جائز ہوگی۔تاہم جس نے یہ کہا تھا کہ میں اتنا نفع دے دوں گا اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع کرے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔اور اسی طرح اگر یہ کہے کہ میرے لیے فلاں قسم کا سامان خرید لو یا یہ کہے کہ جو سامان تم چاہو وہ خرید لو میں آپ کو اس میں اتنا نفع دوں گا تو پہلی بیع جائز ہو گی اور آرڈر دینے والے کو اختیار ہوگا۔‘‘

مزید لکھتے ہیں:

وان تبايعابه على ان الزما انفسهما الامر الاول فهو مفسوخ من قبل شيئين احدهما انه تبايعاه قبل يملكه البائع والثانی انه علی مخاطرةاِن اشتریته علی هذا اربحک فیه کذا

''اگر دونوں اس چیز کی اس طرح بیع کریں کہ وہ دونوں پہلے آڈر کو لازم سمجھیں تو یہ دو وجہ سے فسخ ہو گی۔

۱ (دونوں نے چیز ملکیت میں آنے سے پہلے بیع کی ہے۔

۲(اس میں غرر ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اگر آپ اتنے کی خرید لیں تو میں آپ کو اتنا نفع دوں گا۔'' [حوالہ مذکورہ[

نیز یہ بیع الکالی بالکالی کی قبیل سے ہے۔کیونکہ بینک نے سامان بعد میں دینا ہے اور کلائنٹ نے قیمت بعد میں ادا کرنی ہے۔شرعی طور پر یہ بھی ممنوع ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نھی عن بیع الکالی ءبالکالیء

سنن دار قطنی: ج/5، ص31

''بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادھا ر کے بدل ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ ادھار کی ادھار کے بدلے بیع جائز نہیں۔[نیل الاوطار: ج ۸، ص ۲۱۳]

مالکی فقہاء نے مکروہ بیع کی ایک صورت یہ بھی ذکر کی ہے کہ آدمی کسی دوسرے سے یہ کہے

''کیا آپ کے پاس فلاں فلاں چیز ہے جو آپ مجھے ادھار بیچ دیں۔'' [الموسوعة الفقهية الكويتية بحوالہ مواهب الجليل للحطاب البيان والتحصيل لابن رشد]

اسلامی بینک کاری کے ماہر ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

فاذالم یکن ھنالک خیار فانھا لاتجوز لان المواعدة الملزمة فی بیع المرابحة تشبه البیع نفسه حیث یشترط عندئذ ان یکون البائع مالکا للمبیع حتی لاتکون ھنالک مخالفة لنھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یبیع الانسان مالیس عنده فالمرابحة ظاھرھا البیع وباطنھا التمویل فانھا لاتجوز

المصارف الإسلامية: ص/33

’ ’جب اختیار نہ ہو تو معاملہ جائز نہیں کیونکہ بیع مرابحہ میں لازمی وعدہ نفس بیع کے مشابہہ ہے۔جب بیع میں یہ شرط ہے کہ فروخت کنندہ بیچی جانے والی چیز کا مالک ہو تو نبیﷺ کے اس فرمان کہ ”جو انسان کے پاس نہیں وہ بیچنا منع ہے۔“ کا ظاہری مطلب بیع ہو اور حقیقت میں فنانسنگ ہوتو یہ جائز نہیں۔“

شیخ بکر بن عبداللہ ابو زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فکیف یجوز للمصرف ان یبیع مالم یملک اصلا و یصافق و یربح فیه فملکه تقدیری لا حقیقی استیلائه علیه تقدیری لا حقیقی فالمنع من هذا یکون وصف باب الاولی“

فقه النوازل: ج/2، ص/93

’ ’بینک کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ ایک ایسی چیز بیچے کہ جس کا وہ بالکل ہی مالک نہیں ہے وہ سودا حاصل کر کے نفع حاصل کرتا ہے حالانکہ وہ چیز اسکی تقدیری ملکیت میں ہے نہ کہ حقیقی۔چنانچہ اس کی ممانعت بدرجہ اولی ہونی چاہیے۔“

ڈاکٹر احمد ریان لکھتے ہیں:”**هذا العقد تکتفه مجموعة من المحاذیر الفقهیة التی من اهمها: ان الوعد من العمیل بالشراء، و موافقة المصرف علی ذلک، هو عقد حتی و ان کتب فی الاوراق انه وعد، لان العبرة بالمعانی و لیست بالمبانی کما یقول الفقهاء، و بما انه عقد فیشترط له توفر کافة شروط عقد البیع، و اکثرها غیر متوفرة فیة“**

فقهة البیوع المنهی عنها مع تطبیقاتها الحدیثة فی المصارف الاسلامیة

’ ’اس معاملہ کو متعدد فقہی خرابیوں نے گھیرا ہوا ہے ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ کلائنٹ کی طرف سے خریداری کا وعدہ اور بینک کی اس پر موافقت معاہدہاگرچہ کاغذات میں اس کو وعدہ لکھا جاتا ہے۔کیونکہ فقہاء کے قول کے مطابق حقائق کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔اور جب یہ معاہدہ ہے تو اسمیں معاہدہ بیع کی تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اور ان میں سے اکثر یہاں نہیں پائی جاتیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اس میں منافع کے لیے شرح سود کو معیار بنانے سے یہ معاملہ مزید مشکوک ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیتے چنانچہ مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

’ ’اس میں کوئی شک نہیں کہ حلال منافع کے تعین کے لیے سود کی شرح کا استعمال پسندیدہ نہیں اور اس سے یہ معاملہ کم از کم ظاہری طور پر سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے اور سود کی شدید حرمت کے پیش نظر اس ظاہری مشابہت سے بھی جہاں تک ہو سکے بچنا چاہیے۔‘‘ [اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص ۱۲۴]

مزید لکھتے ہیں:

’ ’البتہ یہ بات درست ہے کہ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو جتنا جلدی ممکن ہو اس طریقہ کار سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔اس طرح کہ اول تو اس میں شرح سود کو حلال کاروبار کے لیے مثالی اور معیاری سمجھ لیا جاتا ہے جو کہ پسندیدہ بات نہیں دوسرا اس لیے کہ اس سے اسلامی معیشت کے بنیادی فلسفے کو فروغ نہیں ملتا۔ اس لیے کہ اس سے تقسیم دولت کے نظام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔‘‘ [اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص:۱۲۵]

دوسری صورت: اس معاملے کی دوسری صورت یہ ہے کہ وعدہ یک طرفہ ہو یعنی گاہک اپنے وعدے کا پابند ہو لیکن بینک آزاد ہو یہ صورت بھی درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے ارشاد ’’البیعان باالخیار‘‘ میں بیچنے والے خریدنے والے دونوں کو اختیار دیا گیا ہے ایک کو پابند اور دوسرے کو مستثنی رکھنا اس تفریق کی کوئی اصل نہیں چنانچہ ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

انی اری ضرورۃ الخیار لکلا المتواعدین اما الخیار لاحدھما فقط فھو تحکم

تعلیق المصارف الاسلامیۃ: ص ۳۲

’ ’میری رائے میں دونوں کو اختیار ضروری ہے فقط ایک کو اختیار سینہ زوری ہے۔‘‘

تیسری صورت:

اس معاملے کی تیسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ اور بینک دونوں پابند نہ ہوں۔ بینک کے چیز خریدنے کے بعد کلائنٹ کو بیع کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہو۔اس طرح بینک بھی اپنے فیصلے میں آزاد ہو تو یہ صورت جائز ہوگی بشرطیکہ بینک نے وہ چیز کلائنٹ کے ذریعے نہ خریدی ہو اور نفع کے لیے شرح سود کو معیار بھی نہ بنایا گیا ہو کیونکہ اس طرح یہ معاملہ سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے۔

اس موقع پر ڈاکٹر سلیمان الأشقر کے فتوی کا ذکر بھی مفید رہے گا۔

"نظام البیع المرابحة کما تجریه بعض البنوک الاسلامیة فی الوقت الرهن نظام غیر جائز وهو تحایل علی الربا او هو بیع السلعة من البنک قبل امتلاکها و کلاهما ممنوع شرعا و السنة النبویة تمنع هذا البیع و ان المذاهب الاربعة کلها تقول بانه محرم و خاصة مذهب المالکیه الذی ینص نصا صریحا علی منعه و الذین قالوا فی مئوتمر البنک الاسلامی بدبی بجوازه غلطوا علی الفقه الاسلامی غلطا کبیرا و انه لا مستند لهم فی ماقالوا"۔

بحوث فقیهة فی قضایا اقتصادیة معاصرة: ج ا ص ۱۱۳، ۱۱۵

"بیع مرابحہ کا نظم جس کو دور حاضر میں بعض اسلامی بینک جاری کیے ہوئے ہیں ناجائز ہے اور یہ سود کے حاصل کرنے کا حیلہ ہے یا یہ بینک کی طر ف سے ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی اس کی ملکیت میں نہیں آئی اور دونوں شرعا ممنوع ہیں اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ و سلم اس بیع کی اجازت نہیں دیتی بلاشبہ مذاہب اربعہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں خاص طور پر مالکیوں کا مذہب جس نے اس ممانعت کی واضح طور پر صراحت کی ہے اور جنھوں نے دوبئ میں اسلامی بینک کی کانفرنس میں اس کو جائز قرار دیا۔انہوں نے فقہ اسلامی کے ذمے بہت بڑی غلطی لگائی اور ان کے پاس اپنی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے۔"

(2) اسلامی اقتصادی نظام

کچھ ماہرین اقتصاد، اخلاقیات سے اقتصادات کا ربط مشکل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علم الاقتصادایک غیر جانبدارانہ فن ہے جس کا اخلاقی مباحث سے کوئی تعلق نہیں لیکن اسلامی اقتصاد میں اخلاقیات کو اسلامی عقیدے کا ایک جزء سمجھا جاتاہے اس لیے تجارتی اور اقتصادی معاملات کو شریعت اسلامی کے عام دائرے سے الگ نہیں کیا جاسکتاہے کیونکہ مسلمان دوسروں کے ساتھ اپنے دیگر تعامل کی طرح ایسے معاملے میں بھی اللہ کی نگرانی کا خیال رکھتاہے۔اقتصادی اخلاقیات کے کئی اسلامی اصول وضابطے ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

ا۔اسلامی اقتصاد ایمان وتقویٰ کا داعی ہے۔

تقویٰ اسلامی اقتصاد کے اصول وضوابط میں سے ایک اہم بنیادی ضابطہ ہے۔بلکہ جملہ شعبہ حیات میں ہی وہ ایک بنیادی ضابطہ ہے کیونکہ زندگی بجائے خود اللہ کی امانت ، رضائے مولیٰ کی مشتاق اور اس کے عذاب سے خائف ہے۔طریقہ ہائے تقویٰ میں سے چند ایک یہ ہیں۔

امانت:

عام لوگ امانت کو اس کے سب سے تنگ معنیٰ ومفہوم سونپے گئے سامان کی حفاظت میں ہی محصورکرتے ہیں جبکہ اس کے اور بھی دیگر معنیٰ مفہوم ہیں جیسے آدمی (فیکٹری ہو یا کھیت کھلیان یا پھر دوکان ،بازار کہیں بھی) کام میں اپنی مکمل ذمہ داری ادا کرنے کا خواہاں وکوشاں رہے اور لوگوں کے ان سبھی حقوق کا خیال رکھے جو اس پر عائد ہیں ، اسلامی اقتصاد میں امانت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اپنے کسی ذاتی فائدے یا رشتہ دارکے مفاد کی خاطر اپنے منصب کا ناجائز استعمال نہ کرے۔

امانت کے ان معانی ومفاہیم کی کئی احادیث دلیل بھی ہیں ، جیسے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان:

"لكل غادر لواء يرفع له بقدر غدرته إلا ولا غادر أعظم من أمير عامة"

ہر فریبی کیلئے (قیامت کے دن) ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے دھوکہ وفریب کے حساب سے بلند رہے گا۔سنو! امیر عام کے بدعہدی کرنے والے سے بڑھ کر کوئی فریبی نہیں۔"

اور یہ ارشاد:

"من استعملناه على عمل فرزقناه رزقاً فما أخذ بعد ذلک فهو غلول"

' 'یعنی ہم نے کسی کو کسی کام کیلئے مزدوری پہ رکھا اور اسے اجرت بھی دے دی پھر اس کے بعد بھی وہ کچھ لے لیتا ہے تو یہ خیانت ہے بعثت سے قبل آپ کی سب سے ممتاز صفت یہی امانت تھی یہاں تک کہ آپ کو امین (امانت دار) کے لقب سے پکارا جاتاتھا۔

وفا:

اسلامی اقتصاد میں عقد اور عہد وپیمان کی بڑی اہمیت ہے اسی وجہ سے انسان کی وعدہ وفائی دنیا وآخرت میں اس کی عزت وسعادت کی بنیاد ہے اور اسلامی اقتصاد اسی عہد وعقد پر مبنی ہےجس کےاندرمالی معاملات ملحوظ ہوتےہیں بشرطیکہ وہ کتا ب وسنت کےمطابق شریعت کے مقاصد بروئے کار لانے والے ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ

المائدة – 1

' 'اے ایمان والو! عہد وپیمان پورے کرو"۔

اور فرماتاہے:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا

الاسراء-34

' 'اور وعدے پورے کرو ، کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہوگی"۔

۲۔اسلامی اقتصاد خیر کی آفاقیت کا پیغام دیتاہے۔

اسلامی اقتصاد بذل وانفاق پر مبنی ہے اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو ایثار وسخاوت وعطیہ وبخشش کی دعوت دی ہے اور نیکی واحسان کی طرف بڑھنے کی نصیحت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ

البقرۃ – 219

’ ’اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ تو آپ فرما دیجئے کہ حاجت سے زائد چیز ‘‘۔

اور فرماتاہے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

البقرۃ-215

’ ’لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں تو آپ فرما دیں کہ جو مال تم خرچ کرو، وہ ماں باپ کیلئے ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔

اور فرماتاہے:

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ

البقرۃ-177

’ ’بلکہ حقیقتاً اچھا شخص وہ ہے جو اللہ پر ، قیامت کے دن پر ، فرشتوں پر ، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو ، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود

قرابت داروں ، یتیموں ، مسکینوں ، مسافروں ،سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرانے میں دے۔

اسلامی اقتصاد میں" بِر(نیکی)" کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ اس میں آپ ہر صحیح ودرست کی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔

۳۔اسلامی اقتصاد اعتدال ومیانہ روی کی دعوت دیتاہے۔

اسلامی اقتصاد لوگوں کے انفرادی ومعاشرتی اور اقتصادی مسائل منظم کرتاہے تاکہ مسلمان مہلک رہبانیت اور تباہ کن مادیت کی طرف مائل نہ ہو، وہ توسط ومیانہ روی ، صحیح راستہ کی پیروی اور اعتدال وتوازن کی بات کرتاہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

القصص-77

' 'اور جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول"۔

اس لیے اسلامی اقتصاد کی اولین بات یہ ہے مسلمان شکم پرور نہیں ہو ، جس کی صرف یہی فکر ہوکہ اس کے دستر خوان پر قسم قسم کے کھانے رہیں، اسراف وتبذیر اور عیشی کوشی کی ممانعت تواسی وجہ سے ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

الاعراف-31

' 'اے آدم کے بیٹو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو، کھاؤ، پیو اور فضول خرچی مت کرو، بلاشبہ وہ فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتاہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ

الاسراء-27/26

’ ’اور اسراف وبے جا خرچ سے بچو بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں‘‘۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا

اسراء-16

’ ’اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں او روہ اس بستی میں کھلے عام نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

اسراء-29

’ ’اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا مت رکھ‘‘۔

اور فرمایا:

فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ

محمد-38

’ ’تم میں سے کچھ بخیلی کرتے ہیں اور جو بخل کرتاہے وہ دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتاہے‘‘۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

’’ایّاکم والشح‘‘

سنن الترمذی

(بخل سے بچو)۔

اسراف وفضول خرچی اور بخالت وکنجوسی کی ممانعت اعتدال ومیانہ روی کی ہی دعوت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا

الفرقان-67

' 'اور جو خرچ کرتے وقت اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخیلی ، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں"۔

اقتصادی نقطۂ نظر سے بخالت لوگوں کو بربادی کی طرف بڑھنے کی راہ بتاتی ہے جبکہ اسراف وعیش کوشی تبذیر وغیر ضروری خرچ کی اور یہ دونوں ہی ناپسندیدہ ہیں اس لیے اعتدال ومیانہ روی کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ فرد اور معاشرے پر اس کے مثبت معاشرتی ، اخلاقی اور اقتصادی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اقتصادی عمل کے قرآنی طریقے

قرآنی آیات ، انسان اور حیات وکائنات سے متعلق بحث کرتی ہیں سبب ومسبب ، علت ومعلول کے مطابق مختلف واقعات کے مابین پائے جانے والے تعلقات کو بھی یقینی بتاتی ہیں۔

قرآنی آیات کا استقراء بتاتاہے کہ قرآن جن طریقوں کی وضاحت کرتاہے ، ان کے مختلف رنگ اور خاص مقاصد ہیں۔اس لیے انسان کو بحث وتحقیق اور سنن واحکام کے جائزہ کی دعوت دی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

آل عمران-137

' 'تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزرچکے ہیں سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو"۔

مختلف قرآنی آیات ایسے کچھ طریقوں کی وضاحت کرتی ہیں جو تاریکی کے بیچ راہ یابی کے بنیادی ضابطے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ

نور-34

’ ’ہم نے تمہاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتاردی ہیں اور ان لوگوں کی کہاوتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیز گاروں کیلئے نصیحت ہے‘‘۔

آئندہ سطور میں ہم بہ اختصار کچھ ایسے قرآنی طریقے پیش کررہے ہیں، جن کا اقتصادی تقاضوں سے گہرا رشتہ ہے:

امت کی اصلاح اور اس کی اقتصادی حالت کے مابین ربط

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ

المائدۃ-66

’ ’اور اگر یہ لوگ تورات انجیل اور ان کی طرف اللہ کے پاس سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے ان کے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر اور نیچے سے بھی روزی پاتے اور کھاتے‘‘۔

اور فرماتاہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

الاعراف-96

’ ’اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے۔

نیز فرماتاہے:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

الطلاق-3/2

’ ’اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کیلئے سبیل نکالے گا اور اسے اس طرح روزی دے گا کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلے گا او جوشخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔‘‘

ان آیات میں اس بات کا اشارہ ہے کہ تقوی اور توکل علی اللہ کے فوراً یا بعد میں ایسے آثار ضرورنمایا ں ہوتے ہیں جو ربانی عنایت ، الٰہی حکمت اور اقتصادی ومعاشرتی زندگی میں مدد واصلاح کی تصویر ہوتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

الرعد-11

’ ’اللہ کسی قوم کی حالت تب تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل لیں‘‘۔

یہ آیت ہمارے سامنے فرد ومعاشرے کے بیچ کے گہرے رشتے کا معیار بتاتی ہے جو دونوں کی داخلی وخارجی حقیقت کے درمیان قائم رہتاہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

الانفال-53

’ ’یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے، جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل لیں‘‘۔

مذکورہ آیات ایسے حقیقی مضامین وتفاہیم بیان کرتی ہیں جن کو مروج وفروغ کا راز سمجھا جاتاہے یا پھر زوال وانحطاط کی تصویر۔اور یہ بھی کا انجماد وانحطاط کے سلبی دور سے تب ہی نکلاجا سکتاہے جب کہ بنیادی مسائل معلوم ہوں۔علل واسباب کا پتہ چلے اور فرد وجماعت کی داخلی حالت سے پیدا ہم باتوں کو سنجیدگی سے لیا جائے۔مذکورہ بحث سے یہ بھی واضح ہوتاہے کہ اسلام تاریخی واجتماعی اور اقتصادی واقعات وحقائق کے

طریقے وتفصیلی اصول بیان کرنے میں سب سے کامیاب ہے اس لیے کہ وہ سب الٰہی احکام وقوانین پر مبنی ہیں۔

۔ عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ فِی تَوَدِهِم وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلَ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تُدَاعَى لَهُ سَائِرَ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّى۔

’ ’سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا؛ کہ باہمی محبت ، رحمت اور شفقت کے اعتبار سے مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بیداری اور بخار سے بے قرار ہو جاتا ہے‘‘

۱۰۔عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُومِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا۔

جامع الترمذی: رقم 6687

’ ’سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حکیمانہ بات مومن کی گمشدہ متاع ہے ، وہ اسے جہاں بھی پائے ، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے ‘‘ (امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیاہے)

(3) اسلامی بینکاری ایک تاریخی اورشرعی جائزہ

الشیخ خالد حسین گورایہ حفظہ اللہ

بینک ایک ایسا ادارہ ہے جو آج کے معاشی نظام میں اعصاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور عصرِ حاضر میں جبکہ دنیا گلوبل ویلیج کی صورت اختیار کر چکی ہے اس ادارہ کے بغیر بڑی بڑی تجارتی منڈیاں چلانا تقریباً ناممکن ہوچکاہے۔مغربی بینکوں کے وجود میں آنے کے بعد اہل ِاسلام نے بھی اس میدان میں کوششیں شروع کردیں کہ

بینکاری سسٹم کو شرعی خطوط پر استوار کیا جائے اور پوری دنیا میں کمرشل اور سودی بینکوں کے مقابلے میں اسلامی بینک بنائے جائیں۔ابتدا میں انفرادی سطح پر یہ سوچ پیدا ہوئی اور بالآخر اس نے اجتماعی شکل اختیار کرلی اور ایک اسلامی بینکاری سسٹم عملی طور پر متعارف کرادیا گیا اس سسٹم کے قیام کے لئے متعدد پلیٹ فارموں سے کاوشیں کی گئی جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

آغاز وارتقاء:

اسلامی نظام بینکاری کوئی ساٹھ ستر دہائیوں پر محیط نظام ہے جس کا آغاز مصر سے1963ء میں میت عمر کے اسلامک بینک کے قیام کی صورت میں ہوا تھا۔اس سے قبل اس حوالے سے چند کاوشیں اور تجربے جنوبی ہند کی مسلم ریاست حیدرآباد میں بھی ہوچکے تھے۔حیدرآباد دکن کے اس تجربے کے بعد 1950ء، 1951 ء میں اس طرح کی ایک ہلکی سی کاوش پاکستان میں بھی ہوئی۔جس میں شیخ احمد رشاد نے کلیدی کردار ادا کیا۔

1969ء میں ملائیشیا میں تبونگ حاجی " حجاج کا انتظامی فنڈ اور بورڈ " کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیاجس کا کام حجاج کرام کو مالیاتی سہولیات فراہم کرنا تھا۔بالعموم یہ تصور پایا جاتا ہے کہ مصر کے میت عمراور ملائیشیا کے تبونگ حاجی بورڈ اسلامی بینکاری کی عملی صورت تھی ،مگر اسلامی بینکاری کے قیام کی اولین عملی اور تطبیقی صورتوں میں اگر ان دو اداروں کا جائزہ لیا جائے تو انہیں اسلامی بینکاری کی ایک ابتدائی نامکمل صورت تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس پر مکمل اسلامی بینک کا اطلاق کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں ادارے انتہائی محدود مقاصد کیلئے قائم کئے گئے تھے۔ میت عمر پراجیکٹ کا دائرہ عمل دیہی کاشتکاروں اور ملائیشیا کے تبونگ حاجی کے پیش نظر حاجیوں کو مالیاتی سہولیات فراہم کرنا تھا جو مکمل بینکاری نہیں بلکہ اس کی ابتدائی شکل ہے۔

1971ء میں مصری وزارت خزانہ نے ناصر سوشل بینک کے نام سے ایک بینک قائم کیا۔یہ ایک باقاعدہ طور پر سرکاری بینک تھا جو سرکاری وسائل سے وجود میں آیا تھا ۔اس کے بعد 1975ء میں پرنس محمد الفیصل کی کاوشوں سے اسلامی ترقیاتی بینک (Islamic Development Bank)قائم ہوا۔1975ء میں ہی دبئ اسلامی بینک قائم ہوا۔دبئ اسلامی بینک کے بعد جس ادارے نے اس میدان میں نمایاں کردار ادا کیا وہ کویت فنانس ہاؤس کے نام سے 1977ء میں وجود میں آیا۔

اسلامی بینکاری کے ماہرین نے 70 کے عشرہ کو اسلامی بینکاری کے جنم لینے کے عشرہ سے تعبیر کیا ہے معروف ماہر معیشت ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:

’ ’ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سنہ 70 کا عشرہ اسلامی بینکاری کے جنم لینے کا عشرہ ہے۔اس عشرے میں دبئ ، سوڈان ، مصر ، کویت ، اور بحرین میں متعدد اسلامی بینک وجود میں آئے۔ان ممالک میں ان بینکوں کو بعض مراعات بھی دی گئیں۔بعض ممالک میں ان بینکوں کو قواعد اور احکام کے مطابق بعض قوانین سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ‘‘۔] 1[

اسلامی بینکاری کو ممکناتی عملی صورت میں لانے کیلئے کی جانے والی کاوشوں کو چارمراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا مرحلہ: شخصی اور انفرادی اقدامات

1963ء میں ڈاکٹر احمد نجار رحمہ اللہ کی کاوشوں اور محنتوں سے ایسی امید قائم ہونے لگی کہ مصر کی سرزمین پر اسلامی بینکوں کے قیام کا اولین تجربہ سامنے آیا جوکہ شرعی مضاربہ پر قائم تھا۔

اس کے علاوہ حیدرآباد دکن ، ملائشیا اور پاکستان میں بھی اس طرح کے انفرادی اور شخصی تجربات کئے گئے۔جن کی طرف گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا جا چکاہے۔

دوسرا مرحلہ: حکومتوں کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات

اسلامی بینکاری جب اپنے ابتدائی مراحل میں تھی تو مختلف اسلامی ممالک میں سرکاری رویہ آغاز میں سرد مہری اور غیر جانبداری کا تھا۔اور صورت حال یہ تھی حکمرانوں نے یہ طرز اپنایا ہوا تھا کہ بھائی دور سے جائزہ لو اگر کامیاب ہوگیا تواس کا سہرا اپنے سر لے لو ، اور اگر ناکام ہوجائے تو کہہ دوکہ ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ نظام نہیں چل سکے گا۔بعد ازاں اسلامی حکومتوں نے اس نظام کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے اس پر توجہ دی ، اس طرح رفتہ رفتہ یہ کام بڑے پیمانے پر ہونے لگا۔جس کے نتیجے میں دو اہم بینک وجود میں آئے۔

(1)1975ء میں سعودی عرب کے شہر جدہ میں اسلامی ترقیاتی بینک کا قیام۔

(2)1977ء میں مکۃ المکرمہ میں اسلامی بینکوں کی بین الاقوامی یونین کا قیام عمل میں آیا۔

تیسرا مرحلہ : بین الاقوامی نوعیت کے اقدامات

یہ مرحلہ اپنی نوعیت اور ماہیت کے اعتبار سے انتہائی اہم مرحلہ ہے کہ جب عالم اسلام کی دیرینہ خواہش تخیلات وتصورات سے نکل کر صفحہ عمل پر منتقل ہوئی اور پوری دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامی بینکوں کی برانچیں قائم کردی گئیں۔جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

♦دبئی اسلامک بینک : جس کا قیام 1975ء ، میں متحدہ عرب امارات میں عملمیں آیا۔یہ بینک پہلا مکمل اسلامی بینک ہے۔

♦ فیصل بینک (سعودی عرب) 1977ء

♦کویت فنانس ہاؤس (کویت) 1977ء

♦بحرین اسلامک بینک 1979ء

♦ابو ظہبی اسلامک بینک 1997ء] 2[

نیز اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسلامی بینک وجود میں آئے اور عالم اسلام میں بالخصوص اور اقوام عالم میں بالعموم اپنا لوہا منوایا۔

چوتھا مرحلہ : جامع اقدامات:

ان اقدامات میں تمام کے تمام بینکاری سسٹم کی اسلامائیزیشن کی عملی جدوجہد تھی۔تاکہ عالمِ مغرب پر یہ عیاں ہو کہ اسلامی اقتصادی نظام ہر جگہ ومقام اور ہر وقت کیلئے موزوں ہے۔اور اپنے واجبات کی ادائیگی کسی بھی دوسرے نظام کے مقابلے میں بہتر سے بہتر انداز میں کرسکتا ہے۔اس کاوش کے نتیجے میں بہت سے اسلامی ملکوں نے روایتی بینکاری نظام سے جان چھڑانےاور مالیاتی اداروں میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر خواہ کوشش کی۔جن میں پاکستان ، سوڈان ، وغیرہ شامل ہیں۔بہت سے مغربی ممالک کے بینکوں نے بھی اسلامی شاخیں کھولنے کا اعلان کردیا۔انہی اقدامات کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا میں سن2008ء میں ان بینکوں کی تعداد 396 تک جا پہنچی جو دنیا کے 53 ممالک میں قائم ہوئیں۔اور ان بینکوں کےاثاثہ جات (Assets) 442بلین ڈالر تھے۔جبکہ وہ کمرشل بینک اور روایتی بینک جنہوں نے اسلامی شاخیں کھولی ہوئیں تھیں اور اسلامی پروڈکٹس فراہم کرتے تھے ان کی تعداد 320 بینک تھی۔ اور ان کےاثاثہ جات 200 (Assets)بلین ڈالر تھے۔] 3[

ارض پاکستان میں بلاسود بینکاری کے قیام کی کاوشیں

اسلامی بینکاری کے قیام اور استحکام کے لئے پاکستان بھی پیش پیش رہا ہے۔اور مختلف محاذوں پر سودی لعنت پر مبنی نظام سے خلاصی اور قرآن وسنت کے پیش کردہ معاشی اصولوں کی روشنی میں ایسے طریقہ کار کیلئے کاوشیں کی گئی ہیں کہ کسی طرح سود کی لعنت سے اس ملک کو پاک کیا جاسکے۔اس حوالے سے انفرادی اور اجتماعی کاوشیں لائق تحسین ہیں مگر ہم یہاں محض سرکاری سطح پر ہونے والی چند کاوشوں کا تذکرہ کریں گے ، جس سے یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ ہمارے اربابِ اختیار اسلامی معیشت کے اصولوں کو اپنانے میں کتنے مخلص ہیں ؟

جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اسلامی معیشت کے اصولوں سے ہم آہنگ ایسا طریقہ کار وضع کرے جس سے سود ی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے ماہرین معاشیات اور بینکاری کے تعاون سے ایک عبوری رپورٹ نومبر1978ء میں اور حتمی رپورٹ جون 1980ء میں پیش کی۔

10فروری 1979ء کو ملک کے تین مالیاتی اداروں ، نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ ، آئی سی پی میوچل فنڈ اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے سود کے خاتمے کا اعلان کیا گیا جس پر یکم جولائی 1979ء کو عمل درآمد ہوا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کا لب لباب یہ تھا کہ : بلاسود بینکاری نفع ونقصان کی بنیاد پر قائم ہوگی ،بینکوں کا بیشتر کاروبار مشارکت ومضاربت پر مبنی ہوگا اور اجارہ ، مرابحہ ، وغیرہ محض وقتی متبادل کے طور پر استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

1980ء کے آخر میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے تمام تجارتی بینکوں کو یہ حکم جاری کیا کہ وہ 1981ء سے اپنے تمام معاملات غیر سودی بنیادوں پر قائم کرنے کے پابند ہوں گے۔اسٹیٹ بینک کے اس حکم نامے کے پیش نظر حکومتی تحویل میں موجود تجارتی بینکوں نے پی ایل ایس اکاؤنٹ کے نام سے غیر سودی کھاتے کھولنے کی اسکیم شروع کی اور عندیہ دیا کہ رفتہ رفتہ پورے بینکاری نظام کو غیر سودی نظام میں تبدیل کردیا جائے گا۔

بلا سود بینکاری کے قیام کی ابتدا سے لیکر اسٹیٹ بینک کا حکم نامہ جاری ہونے اور تجارتی بینکوں کی عملداری تک جو جملہ پیش رفت ہوئی وہ محض اتنی تھی کہ مارک اپ کے نام پر سود کو ایک نئی شناخت دے دی گئی اس کے علاوہ اس میں کوئی کام نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی بینک اسلامی نظام معیشت پر چلنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہوا۔اہل علم نے اس تمام عمل کو ایک ڈھونگ اور اسلام کے نام پر شرمناک فریب ، اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کاوش قرار دیا۔

’ ’اسلامی نظریاتی کونسل نے جسٹس تنزیل الرحمٰن کی سربراہی میں ہونے والے اجلاس منعقدہ 1983ء میں حکومت کو یاد دلایا کہ ملکی معیشت سے سود کے خاتمے کے لئے حکومت نے 1979ء میں تین سال کی جو مدت مقرر کی تھی وہ دسمبر 1981ء میں ختم ہوگئی ہے۔لیکن ابھی تک سودی نظام کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس گزشتہ پانچ سال کے دوران حکومت نے جو اقدامات کئے ہیں وہ موجودہ سودی استحکام کا سبب بن رہے ہیں۔اسلامی نظریاتی کونسل نے اس بارے میں جن حقائق کی نشاندہی کی ان میں سے چند یہ تھے:

(1)تجارتی بینکوں میں پی ایل ایس کھاتوں کے ساتھ ساتھ سودی لین دین بھی ہورہاہے۔

(2) نفع ونقصان میں شرکت کے نظام کے تحت جو رقوم وصول کی جارہی ہیں انہیں مارک اپ نظام کے تحت استعمال میں لایا جا رہاہے۔مشارکت کے معاہدوں کی بہت سی شرائط شرعی احکام سے متصادم ہیں۔

(3)سودی بنیاد پر جاری بچت اسکیموں کو سود سے پاک سرمایہ کاری کے مقابلے میں زیادہ پر کشش بنادیاگیاہے ، مثلاً خاص ڈیپازٹس پر شرح سود پندرہ فیصد سے بڑھا کر سترہ فیصد کردی گئی ہے۔

(4) حکومت اور حکومت کے زیر انتظام اداروں نے سود کا نام بدل کر اسے منافع کہنا شروع کردیا ہے۔

(5)ایسے میعادی کھاتوں پر جن کا لین دین سود کی بنیاد پر ہے۔زکوٰۃ وضع کی جارہی ہے جس سے زکوٰۃ کا تقدس مجروح ہو رہاہے۔

(6)نفع ونقصان میں شراکتی کھاتوں میں جمع ہونے والی رقم کس کاروبار میں لگائی جارہی ہے اس کاکوئی ذکر نہیں ہے نہ ہی منافع کے حساب کا طریقہ بتایا گیا ہے‘‘۔] 4[

اس کے بعد بھی سود کے خاتمے کے بہت سے وعدے کئے گئے لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

1984ء میں ملک کے وزیر خزانہ غلام اسحاق خان نے قومی بجٹ کے موقع پر اعلان کیاکہ 1985ء میں ملک سود سے پاک ہوجائے گا اور یکم جولائی 1985ء کے بعد کوئی بینک سود کی بنیاد پر لین دین نہیں کرے گا۔اس حکم کے موجب اسٹیٹ بینک نے ایک اعلان تو جاری کردیا لیکن نہ اس میں بینکوں نے دلچسپی لی نہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے احکامات پر عملدرآمد کا جائزہ لیا اور نہ خلاف ورزی پر کسی کی گرفت کی۔کسی واضح طریقہ کار اور ڈائریکشن کے نہ ہونے اور باز پرس میں مجرمانہ غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارتی بینکوں نے مضاربہ مشارکہ ترک کرکے مارک اپ کا طریقہ اپنالیا۔

تئیس چوبیس سال کی اس جدوجہد ، اجلاسوں ، سیمینارز ، قراردادوں ، وفاقی حکومت کے اعلانات کا نتیجہ محض یہ نکلا کہ

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے ترا حسن کرشمہ ساز کرے

سالوں پر محیط جدوجہدکو محض حیلہ سازی اور چور دروازوں کے ذریعے پانی میں بہا دیاگیا۔

2002ء میں پاکستان میں اسلامی بینکوں جنہیں دوسرے لفظوں میں بلا سودی بینک کہا جاسکتا ہے کو لائسنس دئے گئے جن میں سب سے پہلا لائسنس میزان بینک اور اس کے بعد البرکہ بینک کو دیا گیا۔اس کے ساتھ ساتھ سودی بینکوں کو بھی اسلامی بینکاری کے نام پر علیحدہ شاخیں کھولنے کی اجازت مرحمت فرمادی گئی۔الغرض رطب و یابس کو یکجا کردیا گیا۔جس کا مقصد اسلام کے نام پر صارفین کی دولت کو سمیٹنا تھا۔ پاکستان میں اسلامی بینکوں کی ترقی کا تناسب دیکھا جائے تو روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق دسمبر 2004ء کے اختتام تک اسلامی بینکوں

کے اثاثے 44 بلین سے تجاوز کرچکے تھے ، اور ان میں ڈپازٹ کی مالیت 5.30بلین تھی۔جولائی 2005ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں جو ایک نجی اکاؤنٹنسی فرم کے اسلامک بینکنگ ڈویژن کی مرتب کردہ تھی ، کہا گیا تھا کہ 2014ء کے اختتام تک پاکستان کے اسلامی بینکوں کے ڈپازٹس کی مالیت 780 بلین تک پہنچ جائے گی اور اس کی وسعت میں بحرین ، قطر اور کویت وغیرہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ اضافہ ہوجائے گا۔تاہم پاکستان میں اسلامی بینکاري کا تناسب اس روایتی بینکاری کے مقابلے میں آٹھ فیصد ہے۔اسٹیٹ بینک کے تخمینے کے مطابق 2020 ء تک یہ تناسب دس فیصد تک بڑھ جائے گا۔] " 5[

الغرض اسلامی بینکاری سسٹم کا آغاز جس جوش وجذبے سے ہوا تھا جس کے پیچھے یقیناً ان افراد کا اخلاص اور جذبہ کار فرما تھا جنہوں نے دن رات کی انتھک محنت کے بعد اس کی داغ بیل ڈالی تھی اتنی ہی تیزی سے یہ پروگرام رول بیک ہوگیا۔ اسلامی بینکوں کی مقبولیت میں انتہا درجے کی تیزی سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بہت جلد انشاء اللہ یہ نظام اسلامی دنیا کو بالخصوص اور عالمی دنیا کو بالعموم روایتی بینکاری کے چنگل سے آزاد کرالے گا لیکن صد افسوس کہ بہت جلد یہ نظام انہی مغرب کے کارندوں کے ہاتھوں ہائی جیک ہوگیا اور جس ظلم اور استحصال سے جان چھڑا نے کیلئے اس نظام کا آغاز کیا گیا تھا وہی ظلم واستحصال مزعومہ اسلامی بینکوں کا خاصہ بن گیا۔

صحیح اسلامی بینکاری نظام کا قیام بہت ضروری ہے:

بعض ارباب علم ودانش مروجہ اسلامی بینکوں کے طرز عمل کو دیکھ کر ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ اسلام میں بینکاری سسٹم کی کوئی گنجائش نہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ رائے مبنی بر حقیقت نہیں ،بلکہ فرائض سے پہلو تہی اختیار کرنے اور حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

صحیح اسلامی بینکاری نظام کیوں ضروری ہے ؟

اس لئے کہ آج کے معاشی نظام میں بینکوں کی اہمیت روز افزوں ہے۔بینکوں کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں :" بینکوں کی حیثیت موجودہ معاشی نظام میں نظام اعصاب کی ہے۔بینکوں ہی کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت چل رہی ہے۔بینکوں ہی کے ذریعے تجارتی سرگرمیاں فروغ پارہی ہیں۔بین الاقوامی تجارت کو جو ادارے کنٹرول کر رہے ہیں وہ بڑے بڑے بینک ہیں۔سرمایہ کار اور کاروبار کرنے والے فریق عامل کے درمیان رابطے کا سب سے مؤثر اور آسان ذریعہ بینکاری کا نظام ہے۔اگر بینک یہ کام نہ کریں تو نہ صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں کے لیے ، بلکہ چھوٹی چھوٹی بچتیں رکھنے والوں کے لیے بھی ممکنہ فریق عامل تک پہنچنا اور فریق عامل کا انتخاب کرکے اپنا سرمایہ یا بچت اس کے کام یا منصوبہ میں لگانا تقریبا ناممکن ہے۔قابل اعتماد مضارب یا قابل اعتماد شریک کا حصول ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔بینکوں کے ذریعے یہ کام بہت آسانی سے ہوجاتا ہے۔

پھر عالمی سطح پر جو تجارتی اور اقتصادی سرگرمیاں ہیں مثلادرآمد وبرآمد کا نظام ہے ، مختلف ممالک کے آپس میں معاشی روابط ہیں ، تجارتی لین دین ہے ، ان سب کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا ادارہ موجود ہو جو اس پورے عمل میں رابطے کا فریضہ انجام دے۔رابطے کا یہ فریضہ بڑی حد تک بینک انجام دیتے ہیں اور بینکوں کے ذریعے یہ کام بہت آسانی سے ہوجاتا ہے۔پھر جو لوگ بین الاقوامی سطح پر لین دین کرنا چاہتے ہیں یا جن کا درآمد وبرآمد کا کاروبار ہوتا ہے ، ان کو مختلف ممالک کے قوانین سے واقفیت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ہر ملک کے ٹیکسوں کا نظام جاننا پڑتا ہے۔یہ مہارتیں حاصل کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔نہ ہر شخص یہ مہارتیں حاصل کرسکتا ہے۔پاکستان کے کسی شہر میں مثال کے طور پر سیالکوٹ یا گوجرانوالہ میں بیٹھا ہوا ایک تاجر جب جرمنی اور کینیڈا سے کوئی سامان منگوانا چاہتا ہے یا جاپان اور سنگاپور کا کوئی تاجر گوجرانولہ اور سیالکوٹ کا بنا ہوا سامان خریدتا ہے تو نہ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے تاجر کے لیے ممکن ہے کہ جرمنی ، جاپان اور دوسرے

ممالک کے قوانین سے کما حقہ واقفیت حاصل کرے اور نہ یہاں بیٹھے بیٹھے وہاں کے ٹیکسوں کے نظام سے واقفیت حاصل کرنا آسان کام ہے۔بینکوں کے پاس یہ مہارتیں پہلے سے دستیاب ہوتی ہیں اور ان کی مدد سے یہ کام بہت آسانی کے ساتھ ہوجاتا ہے۔بینکوں کے کردار کو اگر ختم کردیا جائے اور یہ ذمہ داری کسی اور ادارے یا اداروں کے سپرد نہ کی جائے ، تو بین الاقوامی تجارت کا نظام چشم زدن میں درہم برہم ہو سکتا ہے۔بین الاقوامی تجارت کا نظام درہم برہم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پوری دنیا کا نظام معیشت ، درآمد وبرآمد کا سارا سلسلہ چشم زدن میں زمین بوس ہوجائے۔] 6[

مروجہ اسلامی بینکوں کا کردار ایک سوالیہ نشان ؟

صحیح اسلامی بینکاری کا قیام از حد ضروی ہے لیکن مروجہ اسلامی بینکاری پر تکیہ کرنا اور لوگوں کو یہ طفل تسلیاں دینا کہ یہ تو ایک نوزائیدہ نظام ہے اور رفتہ رفتہ بہتری کی طرف بڑھے گا یہ بات مبنی بر انصاف نہیں۔بلکہ یہ نظام اب بہتری نہیں ابتری کی طرف بڑھ رہا ہے۔عجب نوزائیدہ ہے کہ ستر اسی سال میں جواں ہی نہیں ہوا !!!مروجہ اسلامی بینکاری کی حیثیت ایک پروڈیکٹ کی مانند ہے جو مارکیٹ کی طلب کے مطابق کام کر رہی ہے۔ابتدا میں اس نظام میں اتنی پیچیدگیاں نہیں تھیں مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔جیسے یہ نظام پھیلتا پھولتارہا ویسے ویسے اس کی اسلامیت بھی مشکوک ہونے لگی۔

جن احباب نے اسلامی بینکوں کے سسٹم کو پڑھا ، ان کے طرز عمل وطریقہ تعامل کا گہرائی سے مطالعہ کیا ، اور اس نظام کے ارتقائی مراحل کا بغور مطالعہ کیاوہ یہ بات انتہائی وثوق سے کہتے ہیں کہ اسلامی بینک بجائے اس کے کہ بہتر اور اچھانظام تشکیل دیں اور اپنی خامیاں دور کریں وہ کمرشل بینکوں کے ساتھ مداہنت اور میلان کی پالیسی پر قائم ہیں۔

اسلامی بینکاری کی موجودہ صورت حال:

اسلامی بینکاری سسٹم سے واقفیت کے بعد ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اسلامی بینک مکمل طور پر شرعی احکامات کی پاس داری نہیں کرتے اور نہ ہی یہ خود کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس میدان میں کئی دہائیوں کا تجربہ اس امر کا عینی شاہد ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ مروجہ اسلامی بینک قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ کے متعین کردہ تین بنیادی مبادی کے حصول میں مکمل طور پر ناکا م ہوچکے ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا۔کیونکہ صحیح اسلامی بینکاری کے قیام کے لئے ان تین بنیادی مبادی کا ہونا ضروری ہے۔

(1)مال لوگوں کے گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنے اور بے وقوفوں اور کم عقل لوگوں کی شاہ خرچیوں اور فضول خرچیوں کا سبب نہ بنے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا

النساء-5

بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ، پہناؤ، اوڑھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو۔

(2) مال صرف دولت مندوں کے ہاتھوں میں گردش کرتا نہ رہ جائے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ

الحشر-7

تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے۔

(3)معاشی نظام اور اس کی پالیسیاں عدل پر قائم ہوں ان میں ظلم کا شائبہ نہ پایا جائے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ

البقرۃ-279

ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اگر بعینِ انصاف دیکھا جائے تو اسلامی بینکوں کے پاس ان تینوں مبادی کا فقدان ہے۔بینکوں کی شرائط ، کاروباری پالیسی ، اور پیکیجزدیکھنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ غریب کو یہاں سے کچھ نہیں مل سکتا۔پھر رقوم کے تناسب سے ویٹ دینا، بینک کا خود کو کسی بھی متوقع خسارے سے بچانے کیلئے من مرضی کے ضوابط متعین کرنا ، صارفین کی رقوم میں اپنی صوابدید پر تصرف کرنا اور صارفین کو تما م معاملے سے بالکل بےخبررکھنا ،اپنے حصے کو زیادہ ویٹ دینا ، تاخیر پر بلا امتیاز محتاج وغیر محتاج کے صدقہ واجب کرنا یہ سب وہ معاملات ہیں جن کا شریعت سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں اور تجربہ بھی اس امر کا شاہد ہے کہ محض نام بدل دئے گئے ہیں کام وہی ہیں۔موجودہ صورت حال میں اگر اسلامی بینکوں کے ماہرین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حقیقی اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں تو یہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

آج کی دنیا میں معیشت کا جو بنیادی مسئلہ ہے وہ غریب اور ضرورت مند کا استحصال ، بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی شرح ، اقتصادی نظام معیشت میں عدم توازن اور کساد بازاری ہے۔ان تمام کی بنیادی وجہ معاشرےمیں مستقل بنیادوں پر ایک عادلانہ معاشی نظام کی عدم بحالی ہے ، لہذا معاشرے کی ترقی ایک مصنفانہ عادلانہ اور اخلاقی تقسیم کے بغیر ممکن نہیں ہے جوکہ محض شریعت اسلامی سے ہی ممکن ہے۔ اسلامی بینکوں میں جو اسلامی پروڈکٹس پیش کی جارہی ہیں وہ بنیادی طور پر چھ ہیں۔

۱ :مضاربہ ۲: مشارکہ : ۳ : مرابحہ ۴ : اجارہ ۵ : سلم
۶ : استصناع

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر نے بفضل اللہ وتوفیقہ" اسلامی بینکاری شرعی میزان میں " کے عنوان پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس میں اکابر علماء کرام نے حاضر ہوکر مروجہ اسلامی بینکاری میں موجود سقم کی بخوبی نشاندہی فرمائی قارئین اس سیمینار کے تمام مقالہ جات المدینہ سینٹر کی ویب سائٹ (www.islamfort.com) سے ڈاؤن لوڈ کرسکتے ہیں نیز البیان کی اس خصوصی اشاعت میں بھی مروجہ اسلامی بینکاری کی ان چھ کی چھ پروڈکٹس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس کی جملہ خامیوں کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی بینک جس طرز پر ان پروڈیکٹس کو استعمال کر رہے ہیں وہ ظلم واستحصال سے محفوظ نہیں۔

ایک غلط فہمی:

لوگوں میں بالعموم یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اسلامی بینک کیلئے صرف سود سے پاک ہونا ہی کافی ہے۔لیکن یہ غلط فہمی ہے اسلامی بینک کہلانے کے لیے اس کا صرف غیر سودی ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں شرعی احکام کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔چنانچہ ماہرین اسلامی بینکاری کی تعریف یوں کرتے ہیں:

المصرف الإسلامي هو: مؤسسة مالية مصرفية تزاول أعمالها وفق أحكام الشريعة الإسلامية.

' 'اسلامی بینک سے مراد بینکنگ سے متعلق ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو اپنے معاملات شرعی احکام کے مطابق انجام دے "۔][7

عرب دنیا کے معروف ماہر معاشیات ڈاکٹر عبد الرحمٰن یسری بینک کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: اسلامی بینک سے مراد بینکاری کا وہ ادارہ ہے جو اپنے تمام معاملات میں ، سرمایہ کاری کی تمام سرگرمیوں میں، اپنے انتظامی امور میں اسلامی شرعیت کے احکام کا مکمل التزام کرے ، شریعت کے مقاصد کی تکمیل کو اپنا ہدف سمجھے اور

ایک مسلم معاشرے کی مالی اور مصرفی ضروریات کا اندرون ملک اور بیرون ملک اہتمام کرے۔] 8[

ڈاکٹررفیق یونس مصری اسلامی بینکاری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں : " بینک فقط حرام امور کے عدم ارتکاب سے مکمل اسلامی نہیں بن جاتا بلکہ اس کے مکمل اسلامی بننے کےلیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے معاملات اپنی شرائط ، ارکان اور اختیارات کے لحاظ سے بھی شریعت کے احکام کے موافق ہوں۔خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی بینک وہ نہیں ہے جو صرف سود اور حرام امور سے اجتناب کرے بلکہ اسلامی بینک وہ ہے جو ممنوعہ امور کے ساتھ شرعی احکام کی بھی پابندی کرے۔]" 9[

خلاصہ کلام یہ کہ : اسلامی بینکاری سسٹم کے قیام میں اہل علم ماہرین ِفن کی کاوشیں قابل ستائش ہیں ، جن کے پیچھے یقیناً للہیت اور جذبہ اخلاص کا بہت بڑا عمل دخل تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ نظام ایسے افراد کے ہاتھ چڑھ گیا جنہوں نے اس کے اسلامی تشخص کو محض اپنی دکان چمکانے اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کیلئے استعمال کیا ۔اور کئی دہائیاں بیتنے کے بعد بھی اگر مروجہ اسلامی بینکوں کے کردار پر نظر ڈالی جائے کہ انہوں نے معاشرے سے ظلم، غربت، افلاس ، استحصال کے خاتمے کیلئے کیا کردار ادا کیا ہے تو جواب ندارد!

اس لئے اسلامی بینکاری کے ماہرین کیلئے بالعموم اور ان بینکوں ہیں‌متعین کردہ شرعی ایڈوائزروں پر بالخصوص یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس سسٹم کو مکمل طور پر شرعی خطوط پر استوار کریں، اور عبوری دور کے لئے کئے جانے والے اقدامات سے باہر آکر معاشرے اور ملت کی بہتری کیلئے پالیسیاں ترتیب دیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان علماء کرام اور مفکرین ملت اسلامیہ کے کاندھوں پربھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھ کر امت مسلمہ کی معاشی میدان میں رہنمائی کریں۔اور ایک صحیح اسلامی بینکاری نظام متعارف کرائیں جس کی آبیاری شریعت مطہرہ کے رہنما اصولوں سے ہو۔نیز محض معاشی نظام کو اسلامی بنانے کی نہیں بلکہ اس

میدان میں کام کرنے والے عملے کی بھی اسلامی تربیت اور اسلامی مالیاتی اداروں میں اسلامی ماحول دینا بھی ضروری ہے۔آج کے اسلامی بینک دعویٰ تو اسلامی ہونے کا کرتے ہیں لیکن بینک کی عمارت میں داخل ہوتے ہی اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ غالب عملہ شرعی تعلیم وتربیت سے کورا ہوتا ہے خواتین ومردوں کا اختلاط اور بے پردگی سر عام ہے۔نمازوں کے اوقات میں بھی اسلامی بینک کا عملہ مصروف عمل ہوتا ہے جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو جب کسی فرد کو کوئی ادارتی یا ریاستی ذمہ داری سونپتے تو سب سے پہلے اس کی نماز چیک کرتے اور فرماتے کہ:

" **إن أهم أموركم عندي الصلاة فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه ومن ضيعها فهو لما سواها أضيع**"۔

ترجمہ: تمہارے معاملات میں میرے نزدیک سب سے اہم چیز نماز ہے جس نے اس کی پابندی کی اس نے اپنا دین محفوظ کرلیا اور جس نے اسے ضائع کردیا تو وہ دیگر چیزوں کا سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

الغرض محض نظام کی نہیں بلکہ تہذیب وتطہیر نفس کی بھی ضرورت ہے مقصد صرف اسلامی مالیاتی نظام تشکیل دینا نہیں بلکہ پورے ادارے کی اسلامائزیشن ضروری ہے۔

أعاننا الله على ذلك انه ولي التوفيق

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

[1]حاضرات معیشت وتجارت ، ص/ 376

[2] www.alukah.net

[3] www.biltagi.com

[4]روزنامہ جنگ کراچی اشاعت جمعرات15 نومبر 2012ء

[5]روزنامہ جنگ کراچی اشاعت جمعرات 15نومبر 2012ء

[6]محاضرات معیشت وتجارت ، ص 363، 364

[7]المصارف الإسلامية بين النظرية والتطبيق : ص 174للدکتور عبد الرزاق رحیم جدي

[8]بحوالہ : محاضرات معیشت وتجارت ص 374-375

[9] المصارف الاسلامیۃ : ص 8بحوالہ دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم ص 116

(4) معاشی استحصا ل کا خاتمہ تعلیمات نبویﷺکی روشنی میں

آقا علیہ الصلوٰۃوالسلام کی سیرت طیبہ ہر مسلمان کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے نمونہ اور راہنما ہے۔دین حق قیامت تک کے آنے والے لوگوں کے لئے دین اور سیدنامحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے راہ ہدایت ہے۔ زندگی کا پہلو چاہے معاشی ہو یا معاشرتی دین حق میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ انسان کی فطرت میں قدرت کی طرف سے جو تقاضے رکھے گئے ہیں ان میں سے ایک لازمی اور بنیادی تقاضا معاش یعنی کھانے پینے اور سکونت کا بھی ہے، اس کے بغیر عام حالات میں کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔اس لئے رب العالمین نے اس دنیا میں قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کی معاش کا وافر انتظام اور وسائل پیدا فرمادیئے ہیں۔البتہ ان وسائل کی تحصیل اور تقسیم چند شرعی حدود وقیود کے ساتھ انسانوں کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے"۔

دنیا میں اگر کہیں معاشی ظلم اور نا انصافی نظر آتی ہے تو وہ وسائل معاش میں کمی کے باعث نہیں بلکہ انسانوں کی طرف سے ان وسائل کی غلط اور غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے ہے۔اللہ تبارک و تعالٰی نے بنی نو انسان کے لئے راہ ہدایت کا سرچشمہ آقا علیہ الصلوٰۃوالسلام کو بنا یا اور قانون کے لئے اپنی آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمائی۔اسلام دین فطرت ہے اور اس میں انسان کو ہر نقصان دہ شے سے منع کیا گیا ہے۔

معیشت جو کہ انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے اس کے بارے میں دین حمید کے اندرمکمل راہنمائی موجود ہے تاکہ عوام الناس کے اندر وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کو روکا جاسکے۔اس مضمون میں آقا علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی میں جو حکمت عملی رائج تھی اس کا ذکر کیا جائے گا اور موجودہ دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔بنیادی طور پر بنی نو انسان کی

معیشت میں جو استحصال کی باعث بننے والی چیزیں آقا علیہ السلام نے منع فرمائیں ان کی دو اقسام ہیں ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی جو کہ بالترتیب پیش کی جائیں گی۔

انفرادی استحصال کا خاتمہ

انفرادی استحصال سے مراد استحصال کی وہ تمام قسمیں ہیں جو کہ ایک فرد واحد سے وابسطہ ہیں اور ایسے معاملے سے ایک فرد واحد نقصان اٹھاتا ہے۔انفرادی استحصال میں بہت سارے نکات ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

دور جاہلیت میں تجارت کی بہت سی قسمیں تھیں جو کہ بائع یا مشتری میں سے ایک یادونوں کے استحصال کا باعث بنتیں۔آپﷺ نے ان تمام بیوع کو منع فرمادیا ان بیوع کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بیع منابذہ:

بیع کی اس قسم میں جب فروخت کنندہ (بائع) خریدار (مشتری) کی طرف کپڑا پھینکتا تو بیع لازم ہوجاتی۔اس قسم کی بیع میں خریدار کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ سامان تجارت صحیح نہ ہو ، اس میں دھوکا پایا جائے تو ایک عاقل شخص اس سامان کو کیونکرخریدے گا؟ لہذا آقا علیہ السلام نے بیع کی اس قسم کو منع فرمادیا۔

بیع ملامسہ:

جب مشتری سامان تجارت کو چھو لیتا تو بیع لازم ہوجاتی۔حتٰی کہ وہ نہ تو مبیع کو کھول سکتا تھا اور نہ الٹ کر دیکھ سکتا تھا۔اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ آنکھیں بند کر کے تجارتی مال پر ہاتھ لگایا جاتا اور یہ بات طے کر لی جاتی کہ جس مال پر ہاتھ پڑے وہ اتنی قیمت کا ہوگا۔اس کی موجودہ دور میں عام مثال ملتی ہے کہ اگر ایک گاہک کوئی سامان خریدتا ہے تو دکان پر نمایاں لکھا ہوتا ہے کہ خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوسکتا۔جو کہ آقا علیہ الصلٰوۃوالسلام کی تعلیمات کی سخت مخالفت ہے۔

بیع حبل الحبلۃ:

بیع کی اس قسم میں مشتری (خریدار) اونٹنی اس وعدہ پر خریدتا کہ جب وہ جنے پھر اس کا جو بچہ ہو وہ جنے تب اسکی قیمت ادا کروں گا۔اب اس بیع میں فروخت کندہ استحصال کا شکار ہو رہا ہے کیونکہ اگر اس اونٹنی نے مادہ کی جگہ نر جنا تو اس کی قیمت نہ مل سکے گی۔

بیع صفقۃ:

دور جاہلیت میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ جب مشتری کوئی چیز خرید تا وہ بائع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر یہ ثابت کرتا کہ اب بیع مکمل ہوگئی۔اس وجہ سے اس بیع کو بیع صفقہ کہا جاتا۔بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ بائع چاہے نہ چاہے مشتری چالاکی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیع کر لیتا جو کہ بائع کو مجبوراً قبول کرنا پڑتی تھی۔صفقہ کا معنی تالی بجانا ہے۔]1[

غرر:

غرر ایک ایسا معاملہ ہے جس کا انجام نامعلوم ہو کہ آیا سودے کی تکمیل ہوگی کہ نہیں۔یہ جوئے کی ایک قسم ہے اگر کسی شخص نے مفرور غلام یا بھاگے ہوئے گھوڑے کا سودا کیا تو گویا اس نے خطرے پر مشتمل بیع کی کہ اگر مفرور غلام یا بھاگا ہوا گھوڑا نہیں ملتا تو یہاں پر جھگڑے کا بہت احتمال ہے۔آقا علیہ السلام نے اس بیع کو منع فرمایا ہے۔ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ" رسول اللہ ﷺ نے غرر کی بیع اور بیع الحصاۃ سے منع فرمایا "فقہ کی کتب میں اس کی مثالیں ہوا میں اڑتا ہوا پرندا اور پانی میں مچھلی کی بیع سے دی جا تی ہیں۔موجودہ دور میں غرر کی بہت ساری شکلیں پائی جاتی ہیں جیسے کہ روایتی انشورنس۔انشورنس میں ایک آدمی انشورنس کمپنی سے ماہوار قسط کے عوض اپنی زندگی کی انشورنس کرواتاہے اور یہ عقد انشورنس ایک خاص مدت کا ہوتا ہےجس میں یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ اگر اس دورانیے میں گاہک کی موت واقعہ ہوگئی تو اس کو دس لاکھ روپے ملیں گے اور اگر

موت واقعہ نہ ہوئی تو اس کو آٹھ لاکھ روپے ملیں گے۔اب اس معاملے میں دونوں کو قطعاً علم نہیں کہ آیا گاہک کی موت واقعہ ہوگی کہ نہیں؟ اور گاہک کے لواحقین کو دس لاکھ ملیں گے یا کہ آٹھ لاکھ روپے۔

ناپ تول میں کمی:

دھوکا دہی اور فریب کی بدترین قسم ناپ تول میں کمی ہے جو لوگ اس سنگین جرم کے مرتکب ہیں وہ اسلام کی نگاہ میں قابل نفرت اور سخت سزا کے مستحق ہیں۔ قرآن مجید نے اس جرم کی قباحت اور اخروی سزا یو ں بیان فرمائی ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ

المطففين-3/1

ترجمہ : ''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کریا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں''۔

سیدنا شیعب علیہ السلام کی قوم میں شرک کے علاوہ جو ایک بڑی خرابی تھی وہ یہ کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔حالانکہ یہ لوگ بڑے آسودہ حال تھے۔جب یہ لوگ سیدنا شعیب علیہ السلام کی نصیحت پر بھی باز نہ آئے تو اللہ تعا لٰی نے ان پر آگ برسا کر ان کو مال و دولت سمیت تباہ کر دیا۔یہ عذاب اس طرح آیا کہ پہلے سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی گئی اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا، چونکہ یہ لوگ سات دن کی سخت گرمی سے بلبلائے ہوئے تھے اس لیے سب سائے تلے جمع ہوگئے تکہ ٹھنڈی ہواؤں کا لطف اٹھائیں۔لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنا شروع ہو گئے ، زمین زلزلے سے لرز اٹھی اور ایک سخت چنگھاڑنے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔]2[

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں:

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ

الشعرآء-189

ترجمہ : ''انہوں نے اسے(شعیب علیہ السلام کو) جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا۔''

آقا علیہ السلام نے فرمایا :'' جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سالی ، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے''۔ناپ تول میں کمی ایک بہت قبیح عمل ہے اور اسلام نے اس کی شدید مذمت کی ہے۔اس میں خریدار کا سراسر استحصال ہوتا ہے کیونکہ گاہک پیسے پورے دیتا ہے مگر چیز کم ملتی ہے۔چونکہ ناپ تول میں کمی کرنا ایک شدید ظلم اور استحصال ہے اور اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے اس معاملے میں احتیاط برتنے کے بارے میں آقا علیہ السلام نے امت کی راہنمائی فرمائی کہ: '' جب تم تول کر دو تو جھکتا ہوا دو''۔]3[

مال بیچتے وقت دھوکا دینے کی ممانعت:

دین حنیف قیامت تک کے انسانوں کے لئے راہ ہدایت ہے او ر اس میں ہر انسان کا مال اسی طرح محترم ہے جس طرح کہ اس کی جان اور عزت۔اسلام میں کسی کو دھوکہ دینے کی سخت ممانعت ہے۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا غلے کے ایک ڈھیر پر گزر ہوا، آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے غلے والے! یہ کیا؟ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ!بارش ہوگئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: تو تونے اسے (نم دار غلے کو) ڈھیر کے اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں۔پھر فرمایا:'' جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں''۔]4 [

اس حدیث مبارکہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آقا علیہ السلام نے کتنی سختی کے ساتھ دھوکا دینے والے کی مذمت کی ہے۔دوسری طرف آقا علیہ السلام نے مال بیچتے وقت مال میں نقص بتانے کی ترغیب بھی دی ہے۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا:" کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی چیز فروخت کرے تاوقتیکہ اس کے اندر جو خوبی یا خرابی ہےاسے بیان نہ کردے"۔اسی طرح اگر فروخت کندہ کے علاوہ کسی شخص کو اس کا علم ہو گیا ہے تو وہ دوسروں کو اس کے متعلق صاف صاف بتا دے۔] 5[

جانوروں کی خرید و فروخت میں بھی دھوکے کا بہت احتمال ہوتا ہے۔حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا :" اونٹنی اور بکری کا دودھ نہ روکو، اگر ایسی حالت میں کسی نے کوئی جانورخرید لیا تو اسے دوباتوں کا اختیار ہے کہ دودھ دوہ کر پسند آئے تو رکھ لے ، ورنہ واپس کردے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دےدے"۔آقا علیہ السلام نے دوھوکا دے کر مال فروخت کرنے کی جس طرح ممانعت فرمائی ہے اسی طرح بعض اوقات لوگ خراب مال کو بیچنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ ان کا مال زیادہ قیمت میں فروخت ہو جائے۔اس کی موجودہ دور میں بہت مثالیں ملتی ہیں کہ فروخت کندہ کم قیمت پر چیز خریدتا ہے اور بہت زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھاتا ہے "۔حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:" تین افراد ایسے ہیں جن کی طرف قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ نہ تو نظر (کرم) کریں گے نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔، ایک وہ شخص جو رہ گزر پر زائد پانی کا مالک ہے اور مسافروں کو نہیں دیتا اور دوسرا وہ شخص جو کسی امام کی بیعت دنیا کی غرض سے کرتا ہے۔اگر وہ اس کی مرضی کے مطابق (اس کو دنیوی مفادات) دیتا ہے تو اس سے راضی و خوش رہتا ہے اور اگر نہیں دیتا تو اس سے ناراض ہوتا ہے۔تیسرا وہ شخص جس نے کسی شخص کے ساتھ عصر کے بعد سودا کیا

اور اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس چیز کا اتنا اور اتنا دیا گیا ہے تو دوسرے نے اس کی تصدیق کی"۔]6[

اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ ایک آدمی بازار سے کپڑا خریدنے جاتا ہے اور فرخت کنندہ اسے کہتا ہے کہ اللہ کی قسم مجھے یہ کپڑا پانچ سو میں پڑا ہے اور میرا اس میں پچاس روپے منافع ہے حالانکہ اس نے وہ کپڑا تین سو روپے میں خریدا ہے۔تو یہ بھی ایک استحصال کی قسم سے جس کو آقا علیہ السلام نے سختی سے منع فرمایا ہے اور اس طرح دھوکا دے کر مال فروخت کرنے والے کے خلاف سخت وعیدسنائی ہے۔

تناجش:

نجش "جھوٹی بولی دینا"۔یہ بھی دھوکے کی ایک قسم ہے کہ کوئی شخص جو کہ فروخت کنندہ نہیں ہے اور نہ ہی خریدا ر ہے وہ خریدار کے مقابلے میں مبیع(فروخت کی جانے والی چیز) کی بولی لگائے حالانکہ اس کا ارادہ مال خریدنے کا نہ ہو۔اور اس کے بولی لگانے کی وجہ سے مبیع کی قیمت بہت اوپر چلی جائے۔حضرت ابو ھریرہ رضی اللہع نہ سے روایت ہے کہ آں حضرتﷺ نے فرمایا: اے لوگو! وہ لوگ جو اپنا سامان تجارت اور مویشی بیچنے کی غرض سے منڈی میں لاتے ہیں تو (منڈی سے باہر) ان سے سودا مت کرو۔اگر ایک آدمی سودا کر رہا ہے تو محض قیمت بڑھانے کے لیے بولی مت لگاؤ۔

انفرادی استحصال کا حل اور تجارت میں فروخت کنندہ اور خریدار کے اختیارات

تجارت جو کہ معیشت میں بڑی اہمیت کی حامل ہے قرآن کریم میں تجارت کے بارے میں متعدد حوالہ جات موجود ہیں جوکہ تجارت کی اہمیت اور اس سے متعلق احکامات پر مبنی ہیں۔اللہ تبارک و تعالی تجارت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

البقرة-275

ترجمہ : " اللہ تبارک و تعالٰی نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام"۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ
النساء-29

ترجمہ : "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، مگریہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کاہو۔

اس آیت مقدسہ میں مال ناحق کی ممانعت اور تجارت وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے۔اور حدیث پاک میں ہے: "مسلمان کامال دوسرے کیلئے اس کی دلی رضامندی کے بغیرحلال نہیں۔"

بہرحال تجارت اعلی اوربابرکت پیشہ ہے، اس سے حاصل ہونے والی کمائی حلال وطیب ہے۔بلکہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے"رزق کے دس حصوں میں سے نوحصے تجارت سے حاصل ہوتے ہیں اورایک حصہ دوسرے پیشوں سے"۔جبکہ احادیث صحیحہ میں مومن تاجرکی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔سیدالمرسلین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "سچا، امانت دار، مسلمان تاجر بروزقیامت انبیاء، صدیقین اورشہداء کے ساتھ ہوگا"۔تجارت کی اس اہمیت اور فضیلت کے تحت اسلام نے اس کے بارے میں اصول و قواعد وضع فرما دیئے۔تجارت میں بائع اور مشتری دونوں کے حقوق کا استحصال ہونے سے بچانے کے لئے خیار البیع کا بے نظیراصول وضع فرمایا تاکہ دونوں میں سے کسی کو بھی نقصان نہ ہو اور جھگڑے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔موجودہ دور میں ہم بازار میں دوکانوں پر لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ "خریدا ہو مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا" یہ سراسر شریعت کے خلاف ہے۔ذیل میں خریدار اور فرخت کندہ کے اختیار جو کہ شریعت نے دیئے ہیں وہ ذکر کئے جاتے ہیں۔

خیار رؤیت

خیار رویت سے مراد یہ ہے کہ خریدار مبیع(چیز) کو خریدتے وقت اس کو اچھی طرح سے جانچ لے اور اس کو دیکھ کر خریدے۔اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز خریدی جو اس نے خریدتے وقت نہیں دیکھی تھی تو وہ دیکھتے ہی یہ اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو پوری قیمت دے کر چیز کو خرید لے یا واپس کر دے۔اگرخریدار مبیع کو دیکھنے سے پہلے کہہ دے کہ میں سودے پر راضی ہوں، پھر وہ مبیع کو دیکھے، تب بھی اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، کیونکہ شریعت نے جو اختیار دیا ہے وہ دیکھنے پر موقوف ہے۔[7]اس اصول کے تحت خریدار کو چیز واپس کرنے کا حق حاصل ہے تاوقتیکہ اس نے اس چیز کو استعمال نہ کیا ہو اور نہ کوئی نقص پیدا ہوا ہو۔

خیار العیب

خیار العیب سے مراد ایسا خیار ہے کہ اگر چیز میں کوئی عیب ہو تو خریدار واپس کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔آقا علیہ السلام نے فرمایا : ”مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو کوئی چیز اس طور پر بیچے کہ اس کے عیب اور خرابی سے اسے آگاہ نہ کرے“۔جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ ”خرید و فروخت کرنے والے فریقین کو اس وقت تک (بیع کو فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوجائیں۔اگر اس سودے میں انہوں نے سچ بولا اور ہر چیز کھول کر بیان کر دی تو ان کے سودے میں برکت ہوگی، اور اگر انہوں نے غلط بیانی کی اور جو بات ظاہر کرنا چاہیے تھی، اسے چھپایا تو اس سودے سے برکت اٹھ جائے گی“۔] 8[

نیز آقا علیہ السلام نے فرمایا جس نے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں۔لہذا فروخت کنندہ کے لئے لازم ہے کہ وہ جو چیز بیچے اگر اس میں کوئی خامی یا خرابی ہو تو اس کے بارے میں خریدار کو مطلع کرے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہوگا۔

خیار المجلس:

خیارکی اس قسم میں خریدار اور فروخت کنده جب تک (مقام .بیع) بازار میں موجود ہیں تو دونوں کو .بیع کا معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔آقا علیہ السلام نے فرمایا: " بائع (فروخت کنده) اور مشتری (خریدار) میں سے ہر ایک کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں"۔] 9[

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے .بیع میں خیار مجلس فریقین کے فائدے اور رضامندی جو اللہ تبارک و تعالٰی نے .بیع کے لیے ایک شرط کے طور پر بیان کی ہے کے لیے رکھا ہے کیونکہ عموماً ً .بیع جلد بازی میں غور و فکر کے بغیر ہی ہوجاتی ہے لہذا یہ شریعت کاملہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ اس نے ایک حد (جب تک دونوں فریق .بیع کی جگہ موجود ہیں) مقرر کر دی ہےجس میں دونوں فریق اپنے فیصلے پر غور و فکر اور نظر ثانی کر لیں۔اور اگر خریدار اس مبیع (خریدی ہوئی چیز) میں سے استعمال کر لے تو یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔] 10[

خیار الشرط

اگر فریقین بائع (فروخت کنده) مشتری (خریدار) ایک مدت تک کی شرط رکھ لیتے ہیں کہ مجھے اتنی مدت تک سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا اور دوسرا فریق بھی اس پر راضی ہو تو اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔آقا علیہ السلام نے فرمایا " مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں] ' ' 11[

اجتماعی استحصال کا خاتمہ

اجتماعی استحصال سے مراد استحصال کی وہ تمام قسمیں ہیں جو کہ صرف فرد واحد سے وابسطہ نہیں بلکہ اس کے نقصانات سے پورا معاشرہ متاثر ہو رہا ہوتا ہے۔اور ایسے معاملے سے ہرایک فرد نقصان اٹھاتا ہے۔اجتماعی استحصال میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

ذخیرہ اندوزی:

ذخیرہ اندوزی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص شہر سے غلہ خریدے اور پھر اسے فروخت نہ کرئے اور اس کی وجہ سے عوام الناس کو مشکل کا سامنہ کرنا پڑے۔اس کو ہم موجودہ دور کی ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک آدمی ایک شہر سے غلہ خریدتا ہے اور اسے اپنے قصبے میں لے جاتا ہے اور اس کو فروخت نہیں کرتا تو یہ آدمی ذخیرہ اندوز کہلائے گا۔لیکن اگر جس جگہ پر غلہ لے کے جا رہا ہے وہ ایک بڑا شہر ہے اور عوام کو اس کے غلہ ذخیرہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تو وہ شرعاً ذخیرہ اندوز نہیں کہلائے گا۔امام ابو یوسف ؒ نے اس کو ذخیرہ اندوزی میں ہی شمار کیا ہے کیونکہ اس عمل سے عوام الناس کو نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ ؒ دوسری طرف آقا علیہ السلام کی حدیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں کہ" غلہ دور سے اٹھا کر لانے والے کو رزق ملتا ہے"امام ابو یوسف کے نزدیک ذخیرہ اندوزی ہر اس چیز میں ثابت ہوتی ہے جس کی عدم دستیابی سے عوام الناس کو تنگی اور پریشانی ہوتی ہو، خواہ وہ خوراک ہو یا کوئی اور چیز۔[12] آقا علیہ السلام نے فرمایا " جس شخص نے چالیس دن تک کھنے پینے کی اشیاء دوک رکھیں تو وہ اللہ تعالٰی سے اور اللہ تعالٰی اس سے بری ہے " لہذا اس حدیث مبارکہ میں انتہائی سخت وعید ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک حرام عمل کے لئے ہی ہو سکتی ہے۔یہ ایک استحصال کی صورت ہے اور اسلام نے اس کی سختی سے مذمت کی ہے۔

سود:

ر قم دے کر اس کے عوض اصل سے زائد رقم مقرر کرکے وصول کرنا، یا دو ایسی چیزیں جو ہم جنس ہوں اور وزن یا کیل کی جاتی ہوں کے لین دین میں کمی یا اضافہ کرنا یا ادھار کرنا "ربا" یعنی سود ہے۔قرآن وسنت میں سود کو بہت بڑا گناہ اور اسے سخت ممنوع قرار دیا گیا ہے ، بلکہ قرآن مجید میں سود خوروں کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کا چیلنج کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سود

کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کا حساب و کتاب لکھنے والے اور سودی کاروبار میں گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے ایک حدیث پاک میں ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ نے سود خوروں کو جہنم میں اس حال میں دیکھا کہ ان کے پیٹ بڑی بڑی کوٹھڑیوں کی طرح ہیں اور یہ لوگ جہنم میں پتھر اور تھوہر کے کانٹے کھا رہے ہیں۔

حرمت ربا کے بارے میں جو آیت کریمہ اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان سے ہر ذی شعور اندازہ لگا سکتا ہے سو د جیسی لعنت شریعت محمدی ﷺ میں کتنی سختی سے منع ہے۔ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے اپنی کتاب ''اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ : آقا علیہ السلام ، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اہل ذمہ یہودیوں ، عیسائیوں اور مشرکین کے ساتھ معاہدے کیے جن کے بموجب ان کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہتےہوئے اسلامی ریاست میں آزادانہ اور باعزت زندگی گزار سکیں حتیٰ کہ ان کو اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے شراب نوشی اور خنزیر خوری جیسے امور کی بھی اجازت دی گئی جو شریعت کی رو سے قطعا حرام ہیں لیکن ان تمام آزادیوں کے باوجود ان کو سود خوری کی اجازت ہرگز نہیں دی گئی۔خود رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صراحت کی گئی کہ سودی کاروبار کی صورت میں یہ معاہدہ کالعدم متصور ہوگا۔

یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ میں سود کی واضح حرمت بیان ہوئی ہے مگر اس حقیت سے بہت سے لوگ واقف نہیں ہیں کہ سود کی حرمت ان بنیادی احکامات میں سے ہے جن کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ انسان کو دین حنیف سے خارج کر دیتا ہے۔سود نہ صرف اسلام بلکہ دوسرے آسمانی مذاہب میں بھی حرام ہے۔سود جو کہ معاشرے کا ایک ناسور ہے اور اس کی وجہ سے اس وقت دنیا میں افراط زر، مہنگائی اور تجارتی خسارے ہیں۔سود چاہے قبل

از اسلام کا ہو ، ساہوکاری، یا ہندو بنیے کا یہ تمام معاشی استحصال کا موجب ہیں۔اس میں سرمایہ کا بہاؤ غریب سے امیر کی طرف ہوتا ہے اور گردش دولت چند ہاتھوں میں رہتی ہے۔اسلام نے ہر طرح کے سود سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ کلام:

آج امت مسلمہ متعدد مسائل کا شکار ہے اور ان مسائل میں معیشت بنیادی مسئلہ ہے جو کہ ریڑھ کی ہڈی کی حثیت رکھتی ہے۔ان مسائل کا حل صرف اور صرف قرآن کریم اور آقا علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سیرت طیبہ سے ہی ممکن ہے۔ایک تاجر اگر ان اصولوں کواپنا ئےتو اس کی روزی میں برکت ہوگی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں اجر کا مستحق ہوگا۔اور ان اصولوں کے انحراف کی شکل میں روز قیامت جوابدہ بھی ہوگا اور سزا کا مستحق بھی۔اس لئے یہ نہ صرف ایک فرد واحد بلکہ حکومت کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ ان قوانین کو ریاست میں لاگو کرے اور ان پر سختی سے عمل کروائے۔تاکہ امت مسلمہ کا ہر فرد ان مشکلات سے نکل سکے۔

مصادر و مراجع:

Mansoori Dr. Muhammad Tahir Islamic law of Contracts and Business Transactions[کتاب]-Islamabad:Shari’ah Academy, International Islamic University,Islamabad,2009.

صحیح بخاری [کتاب]. — باب: اثم من منع ابن السبیل من الماء 8532 : [گمنام] کتاب المساقاۃ

علی حافظ ذوالفقار معیشت و تجارت کے اسلامی احکام [کتاب] — لاہور : ابوہریرۃ اکیڈمی 2010

غفاری ڈاکٹر نور محمد
نبیﷺ کی معاشی زندگی [کتاب]- لاہور : دیال سنگ ٹرسٹ لائبریری لاہور 1999.

منصوری ڈاکٹر محمد طاہر

احکام بیع [کتاب] – اسلام آباد : ادارہ تحقیقات اسلامی ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد2005.

(5) دینِ اسلام میں خریدوفروخت کے بنیادی اصول وضوابط

الشیخ حماد امین چاولہ حفظہ اللہ

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ، جواللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے، ہر وقت و زمانہ اور ہر مقام وجگہ میں ،تمام شعبہ ہائے زندگی کے لئےرہنما اصول کے طور پر نازل کیا گیا ہے۔دینِ اسلام انسانوں کے لئے اس دنیا کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے،اس لئے وہی اللہ سب سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اُس کے بندوں کے لئےکب ،کہاں اور کون سے اصول و ضوابط اور کون سا دین سب سے بہتر ہےجسے اختیار کرکے وہ دنیا کے نظم کو اعتدال و انصاف کے ساتھ چلا سکیں اور اپنی آخرت سنوار سکیں ، اسی لئے اُس نے جو دین اپنے بندوں کے لئے منتخب و پسند کیا ہے اس سے بہتر ، اعلیٰ و افضل اور لائقِ عمل ونفاذدین اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

دینِ اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے ،ایک قرآن مجیداور دوسری احادیثِ مبارکہ ۔اورتمام مذاہبِ عالم میں یہ صرف دینِ اسلام ہی کاخاصہ ہے کہ اس کے تمام مسلّمہ اصول و ضوابط قرآن مجید وحدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مستنبط ہیں اور قرآن مجید کی ہر آیت اور ثابت شدہ ہرحدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت صدیاں گذرجانے کے باوجود آج بھی موجود ہے، اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے،الغرض آج اس کرہِ ارض پر اگر کوئی ایسا سچا، آسان اور تحریف سے پاک دین ہے جسے اللہ تعالیٰ کا دین کہاجاسکے تو وہ صرف اور صرف دینِ اسلام ہی ہے۔ لہٰذا جب یہ بات مسلم ہے کہ یہی اللہ کی طرف سے نازل شدہ دین ہے جو اُس نے اپنے بندوں کےلئے نظامِ حیات کے طور پر مقرر فرمایا ہے تواُس کے بندوں کو چاہئے کہ وہ یہ تسلیم کریں کہ یہی وہ دین ہے جس کے اصول و ضوابط ہر معاشرہ ، ہر ملک و قوم اور افراد کے لئے ہر زمانہ میں قابلِ عمل ونفاذ ہیں،اور انہیں تسلیم کرنے ، اپنانے اور نافذ کرنے ہی میں بلاد و عباد کے لئے خیر و عافیت ہے

اور انہیں ترک کرنے اور پسِ پشت ڈالنے میں ، ملک و قوم اور افراد و معاشرہ کی تباہی و بربادی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں تجارت کی فضیلت وآداب، خرید وفروخت کی وضاحت،اس کے ارکان اور دینِ اسلام میں خرید و فروخت سے متعلقہ بنیادی اصول و ضوابط بیان کیے جائیں گے ، یہ وہ اصول و ضوابط ہیں جو تمام مالی معاملات، لین دین ،خرید و فروخت کے حوالہ سے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا جاننا ، سمجھنا اورتمام معاملات میں انہیں اپنے پیشِ نظر رکھنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے ، رب تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

تجارت کی فضیلت

اہلِ علم کے ایک طبقہ کے مطابق کسبِ معیشت کے طور طریقوں میں سب سے افضل و اشرف طریقہ تجارت(Trade) ہےبشرطیکہ تاجر ، دیندار اورصادق و امین ہو اور اپنی تجارت میں ہر اُس عمل سے اجتناب کرے جو کتاب و سنت کی مخالفت پر مبنی ہو، یاجو اُس کی تجارت کو شرعی حوالہ سے مشکوک بنائے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تاجرتجارت سے متعلقہ شرعی آداب کا بھی خیال رکھے۔

دینِ اسلام میں جائز تجارت کو انتہائی باعزّت اور مبارک عمل قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر نبی و رسول علیہم السلام کا ذریعہ معاش اُن کے خود کے ہاتھ کی کمائی تھی۔اولادِ آدم کے سردار ،سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تجارت کے پیشہ سے وابستہ تھے اور تجارت کی ترغیب بھی دیا کرتے ،اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت تجارت ہی کیا کرتی تھی، قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں جائزتجارت اور صادق و امین تاجر کی اہمیت و فضیلت کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر جائز تجارت کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے منافع کو اپنے فضل سے تعبیر فرمایا ہے جس سے اس عمل کی اہمیت و برکت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ

البقرۃ-198

ترجمہ:" تم پرکسی بھی قسم کاکوئی گناہ و حرج نہیں کہ تم اپنے ربّ کا فضل(رزق) تلاش کرو"۔

اسی طرح فرمایا:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللهِ

الجمعۃ-10

ترجمہ:"پھر جب نمازمکمل ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤاور اللہ کا فضل(رزق)تلاش کرو "۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جائز طریقہ سے کسبِ معاش بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کاروبار و تجارت میں اسلامی احکام،شرائط و ضوابط کو مدّ نظر ر رکھا جائے تو یہ عمل بھی عبادت ہے اور اس کا دنیاوی ثمرہ،فوائد و منافع کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

احادیث میں فضیلت

رسولِ اکرمﷺ سے ایک سائل نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولﷺ! سب سے پاکیزہ وبہترین ذریعہ معاش کونسا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا:

"عملُ الرّجلِ بیدِہ وکُلّ بیع مبرور"

کہ (بہترین ذریعہ معاش) آدمی کے خود کےہاتھ کی کمائی اور ہر وہ تجارت و کاروبار ہے جوشرعی لحاظ سے جائز ہو اوراس میں امانت و صداقت کو ملحوظِ خاطر رکھ کر کیا جائے۔اس میں ، جھوٹ ، دھوکہ، خیانت ، زیادتی اور حرام کا شائبہ تک نہ ہو۔]1[
حدیث ِمذکور سے جائز تجارت کی فضیلت واضح ہوجاتی ہے رسولِ اکرمﷺنے ایسی تجارت کو سب سے پاکیزہ و بہترین قرار دیا ہے۔
اسی طرح دیانت اور امانت دار سچے مسلم تاجر کی فضیلت اور بد دیانت و فاجر تاجر کی مذمتؔ کے حوالہ سے کچھ اہم احادیث آنے والی سطور میں''چھٹاضابطہ'' کےعنوان کے تحت دیکھی جاسکتی ہیں۔
اصحابِ رسولﷺسیدنا ابن عمر ، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: امانت دار ، سچا مسلمان تاجر روزِ قیامت شہداء میں شمار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوگا اور اُسے جنّت میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔] 2[

آدابِ تجارت

شریعتِ مُطہّرہ میں تجارت سے متعلقؔ کچھ اہم آداب سکھائے گئے ہیں جنہیں دوران تجارت و کاروبار ملحوظ رکھنا ہر تاجر کے لئے ضروری ہےجن میں سےچند اہم درج ذیل ہیں:

(1)معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی و آسانی سے پیش آنا،اُنہیں سہولت و رعایت دینا اور بلند اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرنا۔

اسے شرعی اصطلاح میں ''سماحۃ ''سے تعبیر کیا گیا ہے۔یعنی بلند اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرنا ، خندہ پیشانی اور خوش اسلوبی سے معاملات کو نبھانا، سخاوت کو اختیارکرنا،مجبور و کمزور لوگوں پرنرمی، شفقت و احسان کے ساتھ پیش آنا ،تقاضا ومطالبہ کرنے و دیگر امور میں اُن پر سختی و تنگی نہ کرناوغیرہ۔

یہ وہ بنیادی ہدایات ہیں جن پر ہر مسلمان کو زندگی کے ہر معاملہ میں عمل کرنا چاہئے ، بالخصوص لین دین ، خرید و فروخت اور کاروبار و تجارت میں ان ہدایات کو ہمہ وقت اپنے مدّ نظر رکھناچاہئے۔

فرمانِ نبویﷺ ہے:

’ ’اللہ تعالیٰ اُس بندے پر اپنا رحم فرمائے جو جب بھی کچھ خریدتایابیچتا ہے توسماحت، یعنی آسانی ،نرمی و رعایت اور سخاوت کا معاملہ اختیار کرتا ہے اور جب بھی کسی سے اپنے حق کا مطالبہ وتقاضا کرتا ہے توآسانی، نرمی ورعایت اورسخاوت کا معاملہ کرتا ہے‘‘۔[3]اور ایک دوسری روایت میں’’واذاقضی‘‘ کے الفاظ بھی ملتے ہیں یعنی: جب کسی کے حق وقرض کی ادائیگی کا معاملہ ہو تو اُس میں ٹال مٹول اور بے جا تاخیر سے کام نہیں لیتا بلکہ سماحت سے کام لیتے ہوئے حقدار کو اُس کا حق واپس لوٹاتا ہے۔]4[

جامع ترمذی کی ایک دوسری روایت میں:ایسا کرنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب و پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔]5[

اسی طرح مسند احمدکی ایک روایت میں اسی عمل کی بناء پر رسولِ اکرمﷺ نے ایک شخص کے لئے مغفرت کی دعاء فرمائی۔]6[

(2)خرید وفروخت ، کاروبار و تجارت سے متعلقہ شرعی احکام کی معرفت رکھنا۔

شریعتِ اسلامیہ میں کوئی بھی ریاست اس وقت تک فلاحی و ترقی یافتہ نہیں بن سکتی جب تک اس ریاست کے کاروباری مراکز ، بازاروں اور مارکیٹ میں معاملات کرنے والے کاروباری و تاجر حضرات مالی معاملات میں شرعی احکام یعنی جائز و ناجائز ، حلال و حرام اور مشتبہ امور سے واقف نہ ہوں، کامیاب نظامِ معیشت کے قیام کے لئے یہ لازمی ہے کہ کاروبار و کاروباری مراکز سے متعلقہ تمام افراد شرعی اصول و ضوابط کا بھر پور علم رکھیں اور عملًا اُ ن کی پیروی کریں ، جائز و ناجائز پیشے ،

خرید و فروخت ، کاروبارو تجارت میں حلال و حرام کی تمیز اور دورانِ تجارت صحیح اور غلط وغیرہ کا مکمل علم ہوناچاہئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"لایبع في سوقنا الّا من تفقه في الدّین"

' 'ہمارے بازاروں میں صرف وہی خرید وفروخت کرے جسے دینی احکام کی سمجھ ہو"۔] 7[

اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات آپ کو ملیں گے کہ حکمرانوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً باقاعدہ کاروباری مراکز کا جائزہ لیا جاتا تھا اور ایسے لوگوں کو باہر کردیا جاتا تھا جومعاملات میں شرعی احکامات سے واقف نہ ہو ں یا اپنی معیشت و کاروبار میں جائز و ناجائز ، حلال و حرام کا خیال نہ رکھتے ہوں ،جبکہ آج ہمارے نظامِ معیشت کی بربادی ،غربت و افلاس کی بڑھتی ہوئی صورتحال ، ظلم، زیادتی و ناانصافی اور پریشان حالی کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب ہی احکامِ شرعیہ سے جہالت یا جان بوجھ کر اُن سے صرفِ نظر کرنا اور حلال و حرام کی تمیزکو بالائے طاق رکھتے ہوئے فقط نفس کی ہوس کو مٹانا ہے۔واللہ المستعان

(3)جائز و ناجائز کے درمیان مشتبہ امور و مشکوک معاملات سے اجتناب کرنا۔

رسول اکرمﷺ کا فرمانِ مبارک ہے کہ:یقیناً حلال بھی واضح ہے اور یقینا ًحرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں جنہیں لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی، پس جو اُن مشکوک و مشتبہ امور سے دور رہا ، اور اپنے آپ کو اُن سے بچالیا تو اُس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور محفوظ کرلیااور جو ان شبہات میں مبتلا ہوگیا وہ حرام میں واقع ہوگیا۔۔الخ]8[

کاروبار و تجارت میں کافی ایسے معاملات ہیں جن کا حلال و جائز ہونا شرعی لحاظ سے مشکوک و مشتبہ ہے جیسے:

*وہ کاروباری معاملات جو بنیادی طور پر تو جائز ہیں لیکن ان میں ناجائز و حرام امور بھی موجود ہیں۔

* یا ایسے شخص کے ساتھ کاروبار کرنا کہ جس کا زیادہ تر مال حرام ہو۔

*یا ایسے لوگوں و اداروں کے ساتھ کام کرنا جن کے کام کا اکثر حصہ حرام معاملات پر مبنی ہو۔

*یا ایسے کاروباری مراکز میں کام کرنا کہ جن میں زیادہ ترنا جائز و حرام کام ہوتے ہوں وغیرہ وغیرہ۔

یہ سرسری سی چند اہم مثالیں ذکر کی گئی ہیں ،البتہ اس مسئلہ میں شرعی ضابطہ یہی ہے کہ:

ہر وہ کام جس کا جائز و حلال ہونا شرعی اعتبار سے واضح نہ ہو بلکہ مشکوک و مشتبہ ہو تو اس سے اجتناب کرنے میں ہی عافیت ہے۔

(4)کاروبار و تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والے منافع سے صدقہ و خیرات کرنا۔

صدقہ دو طرح کا ہوتا ہے ، ایک: واجبی صدقہ جسے زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرا: نفلی صدقہ۔یہاں ہماری مراد دونوں اقسام ہیں کیونکہ واجبی صدقہ یعنی زکوۃ تو بہر صورت ادا کرنی ہی ہے،اور زکوٰۃ کا نصاب و مصارف متعین اور محدّد ہیں ،جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ ثروت حضرات معاشرے کی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی بہتری کے لئے واجبی صدقات سے بڑھ کر خدمت انجام دیں۔

صدقہ و خیرات کی اہمیت و فضیلت کو سمجھنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس کے ذریعہ مال و دولت کو پاک کیا جاتاہے ، صدقہ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اُس کی ناراضگی کو ختم کرنے کا بنیادی ذریعہ ہے اسی طرح صدقات کے ذریعہ معاشرے کے مستحق و نادار افراد کی کفالت ہوتی ہے جو مستحقین کے حق کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کی خاصیت بھی ہے کہ جسے اگر صحیح طور پر امانت کے ساتھ ادا کیاجائے تو جہاں ایک طرف تو معاشرے

میں موجود بڑھتی ہوئی غربت و افلاس پر قابو پایا جاسکتا ہے اور دوسری طرف غربت و فقیری کے نتیجہ میں پیدا ہونے اور پھیلنے والے جرائم کوبھی کافی حد تک ختم کیا جاسکتا ہے۔

بیع کی تعریف

خرید و فروخت(Trade) کو عربی میں"بیع " سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں یہی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور کتبِ احادیث و فقہ میں بھی لین دین ، خرید وفروخت ، تجارت و کاروبارسے متعلقہ احکامات عموماً "کتاب البیوع " ہی کے تحت بیان ہوئے ہیں۔

اصطلاح میں بیع سے مراد ہے:

قیمت کے عوض، باہمی رضامندی سے،بغرضِ ملکیت مال و سامان کا تبادلہ کرنا۔

بیع کے ارکان

'ارکان' رکن کی جمع ہے اور رکن اُسے کہتے ہیں کہ جس پر مطلوبہ چیز کا وجود و تصور موقوف ہو یعنی جس کی موجودگی کے بغیر عمل کی درستگی ممکن نہ ہو۔

جمہور اہلِ علم کے یہاں بیع کے تین بنیادی ارکان ہیں:

المعقود بہ (صیغۂ عقد: جس کے ذریعہ عقد طے کیا جائے) (Wording of the contract) یعنی ایجاب وقبول یا اُن ہی کے مثل ایسے الفاظ جن کے ذریعہ سے عقد طے پائے۔

bالعاقد (Dealer)(عقد کرنے والے) جو کہ خریدار (Buyer)اور فروخت کنندہ (Seller)ہیں۔

cالمعقود علیہ (جس پر عقد طے کیا جائے) اس سے مراد: "قیمت" (Value)اور"وہ چیزہے جس کا سودا قیمتاً مقصود ہو"(Valuable items)۔

اب کوئی بھی بیع اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک اس میں یہ تینوں ارکان موجود نہ ہوں۔

البتہ"صیغہ عقد"کے حوالہ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ"کسی بھی معاملہ کے انعقاد کے لئے شارع نے کوئی خاص صیغہ (Word or Term)مقرر نہیں فرمایا بلکہ ہر وہ قول یا فعل جوعرفِ عام میں رائج ہو (بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو) جو معاملہ کے انعقاد پر دلالت کرے اس سے .بیع مکمل ہوجاتی ہے۔تاجر وکاروباری حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔

خرید و فروخت کے بنیادی اصول و ضوابط

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے ذریعہ جس طرح عقائد ،عبادات، معاشرت و سیاست وغیرہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے اسی طرح معاملات و معیشت میں بھی ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور ہمیں وہ بہترین اصول اور ضابطے دیے ہیں کہ اگر ہم اپنی معیشت کو ان اصول و ضوابط پر استوار کریں تو ایک طرف ہماری معیشت ترقی کی راہ پرگامزن ہوگی اور دوسری طرف معاشرے میں موجود معاشی بدحالی،غربت، ناانصافی،ظلم وزیادتی، عدمِ مساوات وغیرہ جیسے مسائل پربھی قابو پایا جاسکتا ہے، یہ اصول و ضوابط اہلِ علم نے قرآن و سنت سے اخذ کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا ضابطہ:

الی معاملات(لین دین ، خرید و فروخت) میں مستقل قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز حلال ہے سوائے اس کے جس کاحرام ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہو۔

اس ضابطہ کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً تمام لین دین کےمعاملات جائز و حلال ہیں، جب تک کہ ان میں کوئی ایسا شرعی سبب موجودنہ ہو جس کی وجہ سے وہ حرام قرار پائیں،اور جو شخص کسی بھی لین دین کے معاملہ کو شرعا ًحرام قرار دے گا اس پر واجب ہے کہ وہ اُس کی حرمت کی دلیل و علت بیان کرے۔

مثال کے طور پر ایک مسلمان کسی چیز کو بیچناچاہتا ہے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ یہ حرام ہے ،تو ایسی صورت میں حلال کہنے والے سے دلیل طلب نہیں کی جائیگی بلکہ جس نے اُسے حرام قرار دیا اُس سےحرمت کی دلیل طلب کی جائیگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور اہلِ علم رحمہم اللہ کے یہاں مالی معاملات میں یہ ایک مستقل و معتبر ضابطہ ہے،بلکہ اہلِ علم نے تو اس پر اجماع بھی بیان کیاہے جیسے امام ابنِ قدامہ، امام ابنِ رجب، شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ ،امام نووی اور امام غزالی وغیرہم رحمہم اللہ ،اور علمائے اصول کے یہاں تو یہ اجماعِ قطعی کی ایک اہم مثال ہے جس پر کسی قسم کا کوئی تردّد نہیں ہے۔

اس ضابطہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

البقرة-275

ترجمہ: ”حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام“۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیع یعنی لین دین، خرید و فروخت ،کاروبار و تجارت وغیرہ کومطلقاً حلال قرار دیا ہے اور سود کو مطلقاً حرام۔

اب اس بیع کا تعلق زمین او راس کے متعلقات اناج وغیرہ سے ہو ، حیوانات وغیرہ سے ہو یا دیگر ساز و سامان سے،سب کی بیع حلال ہے جب تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا شرعی سبب نہ پایا جائے جو انہیں حرام کردے جیسے سود اور دیگر بیوعِ محرّمہ۔

اور سورۃ المائدۃ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ

المائدة-1

ترجمہ:” اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو “۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ہر مالی معاملہ و عقد کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ معاملہ اور اس کی صورت رسول اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں

موجود ہو یا نہ ہو جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مالی معاملہ و عقد شرعاً جائز و حلال ہے سوائے اس کے جسے باقاعدہ حرام قرار دیا گیا ہو۔

ایک اور مقام پرفرمانِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

النساء-29

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضا مندی سے آپس میں لین دین ہو "۔

اس آیت میں رب العالمین نے جائز تجارت کے ذریعہ منافع خوری کوباہمی رضامندی کی شرط کے ساتھ حلال و جائز قرار دیا ہے جس کا معنی ہے کہ ہر جائز تجارت کا منافع باہمی حقیقی رضا مندی سے جائز ہے سوائے اس منافع کے جسے حرام قرار دیا گیا ہو جیسے وہ منافع جو ظلم و زیادتی ، ناانصافی یا حرام کام پر مبنی ہوں،اسی طرح منافع کی دیگروہ صورتیں جن کی حرمت بیان کردی گئی ہو۔

دوسرا ضابطہ:

مالی معاملات میں ہر قسم کی شرط جائزہےسوائےاس شرط (Condition)کے جس کا حرام ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہواس ضابطہ کا معنی یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کی طرف سے بھی کسی بھی قسم کی شرط لگانا عموماً جائز و حلال ہے،خواہ اس شرط کا تعلق اس عقد کے انعقاد (Execution) سے ہو یا اس کی مصلحت (Advantage)سے اور وہ شرط عقد سے متعلقہ کسی وصف (Quality)کے ساتھ ہو یا عقد کے منافع (Profit) کے ساتھ ،ہر قسم کی شرط جائز ہے جب تک کہ کوئی ایسی شرعی دلیل وسبب نہ پایا جائے جو اس شرط کو حرام قرارد ے۔

اس ضابطہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

اس ضابطہ کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک ہے کہ:

"المسلمون علیٰ شروطھم الّا شرطاً احلّ حراماً او حرّم حلالا."

ترجمہ: " مسلمان آپس میں طے شدہ شروط پر عمل کرنے کے پابند ہیں ، سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے"۔[9]

رسول اکرم ﷺ کا مذکورہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات میں ہر قسم کی شرط جائز ہے سوائے ان شرائط کے جو شرعی دلائل کی رو سے نا جائز وحرام ہوں ۔

تیسرا ضابطہ:

ہر قسم کا ظلم حرام ہے لہٰذا تمام معاملات ہرطرح کے ظلم سے پاک ہونےچاہئیں۔

ظلم سے مراد:

شریعت میں جن امور کے کرنے کا انسان سے مطالبہ کیا گیا ہے ان سے غفلت برتنا اور انہیں ترک کرنا اور جن امور سے انسان کو اجتناب کرنے اور دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا ارتکاب کرنا شرعی اصطلاح میں "ظلم" کہلاتا ہے۔

قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں ظلم کی تمام صورتوں کی سخت حرمت و مذمت بیان کی گئی ہے ، خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، حاکم کی طرف سے ہو یا محکوم کی،سب سے بڑا ظلم ہو جو کہ شرک ہے یا کوئی ادنیٰ، اسی طرح ظالم کا ساتھ دینا یا اُس کی حمایت کرنا بھی خودظلم کرنے کے مترادف ہے ، لہٰذاظالم کو اُس کے ظلم سےحسبِ استطاعت روکنااور مظلوم کی حمایت و دلجوئی کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

البقرۃ-279

ترجمہ:"نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔
سیدناابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں نے اپنے آپ پر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم آپس میں ظلم نہ کرو"۔[10]
اورسیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولﷺنے یہ فیصلہ فرمایا کہ "کسی کو نہ ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی بدلے میں"۔[11]
چوتھا ضابطہ:
ہر معاملہ،مقصودہ چیز میں غرر)کسی بھی قسم کے دھوکہ Tricked and uncertainty)اورجہالت)لاعلمی (Obscurity سے پاک ہو۔عربی لغت میں غرر سے مراد : دھوکہ وخطر ہے اور اصطلاح میں غرر سے مراد :ہر وہ چیز ہے کہ جس کا ذریعہ حصول یا حقیقت یا مقدار(Quantity) مجہول ہو، جس کی وجہ سے اس میں دھوکہ کا عنصر پیدا ہوجائے۔
اس ضابطہ سے مراد یہ ہے کہ:
ہر وہ معاملہ جس میں بیچی یا خریدی جانے والی چیز کا ذریعہ حصول معلوم نہ ہو یا اس کی حقیقت یا مقدارمعلوم نہ ہویااس میں کوئی ایسی جہالت (لاعلمی)موجود ہو جو اس میں دھوکہ کا پیدا کردے تو اسے بیچنے یا خریدنے میں غرر(دھوکہ) کا عنصر موجود رہتاہے ،بشرطیکہ وہ غرر (دھوکہ) مؤثّر (اثر انداز ہونے والا) ہو، لہٰذا ایسا معاملہ کرناجس میں مؤثّر غررہوشرعاً حرام ہے۔
یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ غرر کے ساتھ ہم نے مقصودہ چیز کی قید لگائی ہے جس سے مراد : ہر وہ چیز ہےجس کا بیچنا یا خریدنا مقصود ہو ، اگر غرر و جہالت مقصودہ بیع میں نہیں بلکہ اس چیز میں ہے جو ضمناً اس میں شامل ہو تو اس میں غرر مؤثّر (اثر انداز)نہیں ہوگا۔

پانچواں ضابطہ:

معاملہ ہر قسم کے سود(Interest) سے پاک ہووہ معاشرہ جواپنی معیشت کو عدل و انصاف کے تقاضوں پر استوار کرنا چاہتا ہو اُس کے لئے سود ایک زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے ، وہ سود(Interest) خواہ تجارتی(Commercial loans) قرضوں پر لیا جائے یا غیر تجارتی(Non Commercial loans)اورچونکہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism) میں معیشت کی بنیاد سود پر قائم ہے لہٰذا اسلامی نظامِ معیشت جس طرح کے عادلانہ ، منصفانہ اور ترقی یافتہ معاشرہ کی ضمانت دیتا ہے وہ کم از کم سود کی موجودگی میں تو ہرگز ممکن نہیں ہے ، کیونکہ سود جہاں ایک طرف معاشرے میں ،ظلم ، زیادتی ، نا انصافی اور فتنہ و فساد کا بنیادی سبب ہے کہ جس کے ذریعہ ضرورت مند اور کمزور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہاں دوسری طرف شریعتِ اسلامیہ سے کھلی بغاوت اور اللہ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ بھی ہے کہ جس کے بعد سود میں لت پت معاشرہ کیسے یہ امید رکھتا ہے کہ اس میں عدل و انصاف قائم ہو اور ترقی پروان چڑھے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

البقرۃ۔279/278

ترجمہ:"اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے (جنگ)کے لئے تیار ہوجاؤ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔

یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں سود کو حرام اور اُس سے متعلقہ ہر شخص کو ملعون کہا گیا[12]اور اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلان جنگ کے ساتھ ساتھ اس

(سود)کے ادنیٰ درجہ کےگناہ کو بھی ماں کے ساتھ اعلانیہ نکاح کے مترادف قرار دیا گیا[13]، جس سے سود کی لعنت ، نحوست اور بربادی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

چھٹا ضابطہ:

معاملہ میں کسی بھی قسم کا"جُوا (Gambling) " شامل نہ ہو۔جوئے کو عربی میں " اَلمَیسِر" کہا جاتا ہے ، جس کے لغتِ عرب میں کئی اطلاقات ہیں ، جن میں سے ایک ہے" آسانی "، اور اگر یہ یَسَار سے ماخوذ ہو تو معنی ہوگا : غنی یعنی مالدار ۔اصطلاح میں" اَلمَیسِر"سےمراد :ہر وہ معاملہ جس کے کرنے سے انسان کو کثیر مال و دولت مفت میں یا آسانی سے حاصل ہوجائے، یا پھراس کے ہاتھ سے آسانی سے نکل جائے یعنی یا تو اُس معاملہ میں اُسےبڑا فائدہ ہوجائے یا بڑا نقصان۔اسی کو عرفِ عام میں " جُوا " اور "قمار بازی " کہا جاتا ہے۔

معاشرہ میں پایا جانے والا جوئے کا قدیم ،ظاہری ومعروف مفہوم تو شرعاً و قانوناًحرام سمجھا جاتا ہے لیکن دورِ حاضر میں جوئے ہی کی بہت سی اقسام ایسی بھی ہیں جنہیں یا تو حرام سمجھا نہیں جاتا یا پھر ان کی حرمت سے لوگ واقف نہیں۔بلکہ جوئے کی بعض صورتیں تو ایسی ہیں جن کو حکومتوں کی سرپرستی بھی حاصل ہوتی ہے،حالانکہ ایسی تمام نئی شکلیں بھی حرام ہی ہیں البتہ بہت کم ایسے معاملات ہیں جن کے جائز یا ناجائز ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے ، لیکن ان قلیل معاملات کے علاوہ عموماً جوئے کی رائج شکلیں شرعاً حرام ہی ہیں جیسے:

لاٹری (Lottery) ،انعامی بانڈز (Prize bonds)،حکومت جو بانڈز جاری کرتی ہے ، اسی طرح مزعومہ اسلامک بینکنگ میں جو "صکوک " جاری کئے جاتے ہیں،اسی طرح بیمہ (Insurance) کی بعض صورتیں ،نیزRace course ، اور شطرنج (Chess)،کارریسنگ ، کرکٹ یا کسی بھی کھیل میں کھیلاجانے والاجوا،وغیرہ سب شامل ہیں۔

جوا بشمول اپنی تمام صورتوں کے علی الاطلاق حرام ہے۔

اگرچہ وہ جُوا خانے (Casinos) وغیرہ میں کھیلے جانے والے مختلف گیمز ہوں جیسے:

Table games: Black Jack, Baccarat, Poker etc.

Lottery type games: Slots, Keno, Wheel of fortune etc.

یا کسی گلی ،کوچے یا گھر میں جوئے کے طور پر کھیلا جانے والا کوئی بھی کھیل ،خواہ وہ لڈو، تاش(Card Game) ، شطرنج (Carron game)وغیرہ ہوں یا کوئی دوسرا کھیل۔

اسی طرح ضروری نہیں کہ صرف اُسی کو جُوّا سمجھا جائے جس میں قیمت بہت زیادہ لگائی گئی ہو بلکہ اگر ایک روپیہ بھی کوئی جوئے کے طور پر لگاتا ہے، وہ جوئے کے گناہ میں شامل ہوجاتا ہے۔اَعاذنا اللہ منہ

تمام معتبر اہلِ علم جوئے کے حرام ہونے پر متفق ہیں، جس کی بنیادی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

المائدۃ-90

ترجمہ: ”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو“۔

جوا حرام کرنے کے بعداللہ تعالیٰ نے اُس کی حرمت کی حکمت بھی بیان فرمائی:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

المائدۃ-91

ترجمہ:" شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کہ ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرا دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تمہیں باز رکھے۔سو اب بھی باز آجاؤ"۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جوئے کے مفاسد و نقصانات ،سود کے مفاسد و نقصانات سے بھی بڑھ کر ہیں ، کیونکہ جوئے میں دو سنگین خرابیاں پائی جاتی ہیں:

a(جوئے کے ذریعہ) حرام مال کھانے کی خرابی۔

bبے مقصد و حرام کام میں مشغولیت کی خرابی، جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر ، نماز سے روکے اور آپس کی بغض وعداوت ، نفرت و دشمنی پیدا کرے ، اسی لئے جوئے کو حرام کیا گیا (کیونکہ اس میں معاشرے کا بگاڑ زیادہ ہے)۔انتہیٰ

اور مشاہدہ سے یہ بات مسلم ہے کہ جوا چھوٹے پیمانے پرہو یا بڑے، ایک طرف تو یہ فقیری ، قلاشی ، محتاجگی کا سبب ہے اور دوسری طرف وہ فتنہ ، فساد ، نفرت و دشمنی بھی پیدا کرتا ہے ، اسی لئے دین اسلام میں ہر قسم کے جوئے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

ساتواں ضابطہ :

ہر معاملہ میں صداقت و امانت(Honesty and sincerity) کو ملحوظ رکھا جائے۔دین اسلام ہر معاملہ ، خرید و فروخت،تجارت و کاروبار میں سچائی اور امانت داری کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہّرہ میں تمام معاملات میں ہر قسم کی دھوکہ بازی اور دھاندلی(Fraud) کوحرام قرار دیا گیا ہے اور جھوٹی قسم کھا کرسامان بیچنے والے کو انتہائی سخت وعید سنائی گئی ہےجیساکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

' 'اے تاجروں کی جماعت ! اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو غورسےسنو اور قبول کرو۔لوگوں نے اپنی گردنوں اور نگاہوں کو اوپر اٹھایا(یعنی لوگ آپ ﷺ کی طرف

متوجہ ہوگئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا:یقیناً تاجر روزِ آخرت اللہ کے سامنےفاجروں (گناہ گاروں اور فاسقوں) کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے سوائے اُن (تاجروں)کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور نیکی کریں اور سچائی کو اپنائیں"۔

اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ِمبارک ہے:

' 'تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نہ تو کلام فرمائے گا اور نہ اُن کی طرف نظرِ(رحمت) فرمائے گا اور نہ ہی اُن کو پاک کرے گا ، اور اُ ن کے لئے دردناک عذاب ہے، سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : تین مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے یہی دہرایا ، ابوذررضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ وہ لوگ ہلاک و برباد ہوجائیں ، اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہوں گے؟آپ ﷺ نے فرمایا : ''اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے ٹکانے والے ، اور احسان جتلانے والے ، اور اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ بیچنے والے "۔

اہلِ علم نے اس کا ضابطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ:

' 'ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے (مسلم) بھائی کے لئے پسند کرے،کیونکہ اگر اس کے ساتھ کوئی غلط معاملہ کیا جائے گا تو اسے بھی ناپسند ہوگا، اس پر ناگوار گزرے گا اور اس کےلئے پریشانی اور تکلیف کا سبب ہوگا ، یہی احساس وہ اپنے دوسرے (مسلم) بھائی کے لئے بھی محسوس کرےاور کسی کے ساتھ کوئی غلط معاملہ نہ کرے"۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرّم ﷺ کا فرمان ہے:

' 'تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔][14

آٹھواں ضابطہ:

معاملات میں ''سدّ الذرائع " کاخیال رکھنا

سدّ الذّرائع سے مراد:

’ ’سدّ الذرائع “سےمراد اُ ن اسباب و وسائل کا انسداد (روکنا)ہے جو ظاہراً و اصلاً تو جائز و حلال ہوں مگر امورِ نافرمانی ، مفاسد ونقصان کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنیں۔

سادہ سے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ:

وہ افعال و اعمال جو شرعاً حلال و جائزہوں لیکن اگر وہ کسی ناجائز و حرام اوربرائی کی طرف لے جانےکا اہم ذریعہ بن جائیں تو معصیت و فسادکے انسداد کے باعث انہیں بھی شریعت ناجائز و حرام قرار دیتی ہے۔

جیسے : قبرستان میں نماز ادا کرنا ، مساجد میں قبریں بنانا، قبرستان میں مساجد بنانا وغیرہ ،اب بالترتیب نماز ادا کرنا، تدفین و قبریں بنانا اور مساجد کی تعمیر ، یہ سب اعمال شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب و واجب بھی ہیں لیکن مذکورہ مقامات پر شریعت نے ان اعمال کے ارتکاب سے منع کیا ہے اور انہیں حرام قرار دیا ہے۔کیونکہ اس صورت میں یہ سب شرک کی طرف لےجانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں ، جیسے قبرستان میں اللہ کے نیک بندے ، اولیاء وصالحین بھی مدفون ہوتے ہیں اوردورانِ نماز،قیام ، رکوع و سجود میں اُ ن کی محبّت ، تعظیم و احترام کا خیال قبرستان میں پیدا ہونے کا زیادہ امکان ہے جوکہ شرک کاوسیلہ بن سکتا ہے ، اسی طرح مساجد میں تدفین و قبور اور قبرستان میں مساجد بنانے سے منع کرنے میں بھی یہی شرعی علت و مصلحت ہے۔سابقہ اقوام بالخصوص یہود و نصاری بھی اسی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوئے تھے جس کی وجہ سے رسولِ اکرمﷺ نے جہاں ایک طرف اُن (یہود و نصاریٰ) پر لعنت فرمائی جیسا کہ حدیث میں ہے :”اللہ یہود ونصاری پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد(سجدہ گاہ)بنالیا “۔[15]وہاں دوسری طرف آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو خبردار فرماتے ہوئے قبروں سے متعلق انتہائی سخت احکامات دئے جیسےآپﷺ نے فرمایا :”خبردار! تم سے پہلے والوں نے اپنے نبیوں اور

نیک لوگوں کی قبروں کو مساجد(سجدہ گاہ) بنایا تھا، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"۔[16]اور فرمایا: "میری قبر عیدنہ بنانا"۔]17[حتیٰ کہ آپﷺ نے اپنی قبر مبارک پر کسی بھی طرح کی عمارت بنانے سے بھی مطلقاً منع فرمایا تھا۔]18[

بلکہ آپ ﷺنے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی:"اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے"۔[19]اسی طرح آپﷺ کی حیاتِ طیبہ میں فوت ہونے والے آپ کے عزیز و جانثار صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم، جن میں سرِ فہرست آپ کی زندگی میں فوت ہونے والی زوجات ، جوکہ مؤمنوں کی مائیں بھی ہیں ،آپ کے تینوں صاحبزادے، آپ کی چار بیٹیوں میں سے تین صاحبزادیاں، آپ کے عزیز چچا سیّد الشہداء سیدنا حمزہ ،اصحابِ بدر و اُحد ، اہلِ بیعتِ رضوان اور دیگر غزوات میں شہید ہونے والے شہداءوغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین فوت ہوئےلیکن اُن میں سے کسی کی تدفین بھی آپ ﷺ نے مسجد میں نہیں فرمائی جبکہ پوری دنیا میں ،سب سے افضل و اشرف مساجد ،حرمین شریفین میں مسجد ِحرام مکۃ المکرّمہ اور مسجدنبوی شریف ہیں۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہستیوں کی تدفین دنیا کی سب سے اشرف مساجد میں اشرف المخلوقات رسولِ اکرمﷺنے نہیں فرمائی تو رسولِ اکرمﷺ سےبڑھ کرکون ہے جو کسی بھی ہستی کی مسجد میں تدفین کا جواز دے؟ انبیاء کے بعدصحابہ سے بڑھ کر دنیا کی کون سی ایسی ہستی ہے جومسجد میں دفن کئے جانے کی مستحق ہو؟ اور دنیا کی کون سی ایسی مسجد ہے جو حرمین کی مساجد سے افضل ہو؟

غور کیجیےکہ آج اُمتِ مسلمہ اس حوالہ سے کہاں کھڑی ہے کہ:

رسولِ اکرمﷺ تو یہود و نصاری کو اس وجہ سے ملعون قرار دیں کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا اور خود رسولِ اکرمﷺ کی امت غیر نبیوں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنانے کو جائز قرار دے!

مالی معاملات میں سدّ الذرائع کی ایک اہم مثال:

مالی معاملات میں سدّ الذرائع کی ایک مثال ''بیع العینہ ''کی ہے۔

' 'بیع العینہ '' کی تعریف:

بیع العِیْنَہ: یہ ہےکہ ایک چیزاُدھار،زائدقیمت پربیچی جائےاور پھروہی چیزنقداً،کم قیمت پر،واپس خریدلی جائے۔

مثلًا:ایک شخص کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہےجو وہ کسی سے ادھار طلب کرتا ہے،ادھار دینے والا اُسے پیسے دینے کے بجائے اُس سے ایک سودا کرتا ہے کہ: ضرورت مند اُس سے اس کا مال مثلًا کپڑا ایک لاکھ دس ہزار میں ادھار پر خریدلے ، اور پھر وہ (مالک) ایک لاکھ دس ہزار کا مال نقداً اُس (ضرورت مند) سے ایک لاکھ میں واپس خرید لے گا۔اس طرح ضرورت مند کو ایک لاکھ مل جائیں گے اور مالک کو دس ہزار اضافی۔(جوکہ ضرورت مند مقروض نے اسے بعد میں ادا کرنے ہیں)

شریعتِ مطہّرہ نےاس قسم کےمعاملہ سے اس لیے منع فرمادیا کیونکہ یہ سودکےدروازے کھولتاہے،غور کیجیے کہ فروخت کنندہ نےبظاہراً تو مال کا سودا کیا ہے لیکن درحقیقت ایک لاکھ دیکر ، ایک لاکھ دس ہزار یعنی پیسے کے بدلے پیسہ واپس لیے ہیں۔

نوٹ: مذکورہ صورت میں اگر یہ سودا پہلے سے طے شدہ نہ ہو یا مالک ،ضرورت مند سے اُسی قیمت (یعنی ایک لاکھ کے بدلے ایک لاکھ)میں یا کم کے بجائے اضافی قیمت (یعنی ایک لاکھ کے بدلے میں ایک لاکھ دس ہزار)میں واپس خرید تا ہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعتِ مطہّرہ میں بے شمار مسائل میں اس اصول ''سدّ الذرائع '' کو مدّ نظر رکھاگیا ہے۔اور یہ قاعدہ ہمارے لئےعقائد عبادات و معاملات وغیرہ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور خلافِ شرع امور سے بچنے کا بنیادی ذریعہ ہے جسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں ہی خیر و عافیت ہے۔

قاعدہ سدّ الذرائع کےچند اہم دلائل

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

الانعام-108

ترجمہ: ''(اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالی نہ دو۔ ورنہ یہ لوگ جہالت کی وجہ سے چڑ کر اللہ کو گالی دیں گے''۔

کافروں کی عبادت اور اُن کا غیر اللہ کو معبود بنانا باطل و منکر عمل ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نےکافروں کے معبودانِ باطلہ کو گالی دینے، اُن پر سب کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ ایسا کرنا جواباً معاذ اللہ،اللہ تعالیٰ پر سب و شتم کا ذریعہ نہ بنے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ِمبارک ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ

البقرة-104

ترجمہ:'' اے ایمان والو تم (نبیﷺ کو) ' راعنا ' نہ کہا کرو، بلکہ ' انظرنا ' کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

آیتِ مذکورہ میں نبی مکرّمﷺ کو''راعِنا''کہہ کر مخاطب کرنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ ''راعِنا '' کا معنی فی ذاتہ غلط نہیں ہے ، (راعِنا کامعنی ہے کہ: ہماری طرف متوجہ ہوئیے)لیکن چونکہ یہودی جب اللہ کے پیغمبرﷺ کو مخاطب کرتے تو اپنی زبانوں کو

ٹیرھا کرکے"راعِینا" ("یا" کے اضافہ) کے ساتھ مخاطب کرتے جس کا معنیٰ ہے : ہمارے چرواھے۔اور اس طرح بول کر وہ اپنے زعم میں نبی مکرّم ﷺ کے ساتھ استہزاء کرتے والعیاذ باللہ۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نبی مکرّم ﷺ کی شان میں ایسے لفظ استعمال کرنے سے ہی روک دیا جوآپ ﷺ کی اہانت و گستاخی کا سبب بنیں،اگرچہ وہ لفظ فی نفسہ ٹھیک ہی کیوں نہ ہو۔

اس مسئلہ میں اہلِ علم ایک اہم مثال ذکرتے ہیں کہ:

رسولِ اکرم ﷺ نے منافقین کو محض اس لئے قتل نہیں کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں ، اور نئے اسلام میں داخل ہونے والے مسلمان شبہات و غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائیں ، یعنی منافقین کا قتل کہیں سیدنا محمد ﷺ پر طعن و تشنیع اور مسلمانوں کے شبہات میں مبتلا ہونے اور اُن کے باہمی اختلاف و انتشار کا سبب نہ بنے اور ان کی وحدت پارہ پارہ نہ ہوجائےاس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔

سدّ الذرائع کی اقسام

شریعتِ مُطہّرہ میں سدّالذرائع کو سمجھنے کے لئے اس کی اقسام کو سمجھنا ضروری ہے ، امام قرّافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایسے اسباب و وسائل جو حرام و فساد کی طرف لے جانے کا سبب بنیں ،وہ تین طرح کے ہیں:

(1)ناجائز: وہ اسباب جن کااستعمال ناجائز ہےاور اُن سے اجتناب کیے جانے، دور رہنے پر اُمت کا اجماع ہے۔

اوراس کا ضابطہ یہ ہے کہ: ایسے وسائل و ذرائع جن کے بارے میں یقینی و قطعی طور پر یہ معلوم ہو کہ وہ فساد کا ذریعہ بنیں گے۔

جیسے مسلمانوں کے راستے میں کنواں کھودنا، یا پیڑلگانایا کچھ تعمیر کرنایا کوئی بھی ایسا کام کرنا جو جائز اور بظاہرفائدہ مند ہی کیوں نہ ہولیکن مسلمانوں کے لئے تکلیف ، مشقت اور مصیبت کا ذریعہ بنے۔

(2)جائز: وہ اسباب جن کا استعمال بالاجماع جائز ہےاور اُن سے نہ ہی روکا جائیگا اور نہ ہی ان سے دور رہنے کا کہا جائے گا۔
اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ: وہ ایسے وسائل وذرائع ہوں کہ جو بہت شاذ ونادر ہی فساد کا ذریعہ بنیں۔
جیسے لوگوں کا ایک دوسرے کے برابر میں گھر بنانا ، ایک دوسرے کے پڑوس میں رہنا ، اگرچہ کبھی یہ باہمی نفرت وعناد کا یا بدکاری ،چوری وغیرہ کا سبب بھی بن سکتا ہے لیکن ایسا ہونا بہت ہی شاذ و نادر ہے لہٰذا شرعاً اس سے روکا نہیں جائے گا۔
(3)اختلافی : تیسری قسم ان اسباب کی ہے کہ جن سے روکنے اور اجتناب کرنے یا نہ کرنے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔
اور اس سے مراد وہ اسباب و ذرائع ہیں جو فساد کا ذریعہ توبنتے ہوں لیکن نسبتاً اغلبیت(اکثریت) کی بنا پر نہیں۔
اور اس قسم میں اختلاف صرف انہی امور میں ہے جن کی ممانعت یا تحریم کتاب و سنت میں صراحتاً نہیں ہے ، کیونکہ جن امورکی حرمت کتاب و سنت میں موجود ہے اُ ن کی حرمت کے اعتبار کرنے میں کوئی اختلاف نہیں جیسے مشرکین کے معبودانِ باطلہ کو اس وجہ سے برا نہ کہنا کہ کہیں وہ جواباً اللہ تعالیٰ پر معاذ اللہ سب وشتم نہ کردیں، اسی طرح سورج طلوع و غروب ہوتےوقت نماز پڑھنے کی ممانعت وغیرہ۔
اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ جس کا ”ذریعہ فساد“ ہونا اہلِ علم و مجتھد کے حکم سے ثابت ہو، نہ کہ کتاب و سنت سے، اوراس ذریعہ کا ذریعہ فساد ہونا قطعی طور پر بھی نہ ہو اور نہ ہی اغلبیت کے طور پر ، تو کیا ایسے ذریعہ و وسیلہ کو حکماً بند کیا جائے گا ،روکا جائیگا یانہیں ؟

واللہ اعلم شرعی علتوں و حکمتوں کو سامنے رکھتے ہوئے جن اہل علم نے انہیں سدّ الذرائع میں شامل کیا ہے یعنی ایسے ذرائع و وسائل کو روکنے اور ان کے ارتکاب سے منع کرنے کو راجح قرار دیا ہے ،اُن کا قول ہی اس مسئلہ میں زیادہ صحیح اور احتیاط کے قریب ہے جیساکہ امام ابن قیّم رحمہ اللہ نےاپنی مایہ ناز تصنیف ’’اعلام المؤقعین ‘‘ میں ۹۹ ننانوے دلائل ذکر کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اسباب ، وسائل و ذرائع جو حرام کام اور فساد کی طرف لے جانے کا بنیادی ذریعہ بنیں ، ہر حال میں اُن کا سدّ باب کیا جائیگا اور ان کے استعمال سے روکا جائیگا خواہ اُن وسائل کو استعمال کرنے والا اُن کے ذریعہ فساد میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔

قاعدہ سدّ الذرائع کے اعتبار کی شرائط

قاعدہ سدّ الذرائع کا اعتبار دو اہم شرطوں پر موقوف ہے:

(1)جس جائزعمل کاذریعہ فساد بننے کے باعث انسداد مقصود ہو وہ غالب اوقات میں فساد کا ذریعہ بنے، ناکہ کبھی کبھار یا نادر اوقات میں۔

اور اگر وہ نادر اوقات میں ذریعہ فساد بنے تو اُ س ذریعہ(عمل) سے روکا نہیں جائے گا۔

(2)اُس جائز عمل سے(ذریعہ فساد بننے کے باعث) مرتب ہونے والے مفاسد(نقصانات) اُ س کے مصالح (فوائد)کے مساوی (برابر) ہوں یا اُس سے زیادہ ہوں۔

اور اگر اُ س کے مفاسد اُس کے مصالح سے کم ہوں تو اُ س ذریعہ(عمل) سے روکا نہیں جائے گا۔

[1]مسنداحمدبن حنبل:حدیث نمبر:16814

[2]جامع ترمذی:کتاب البیوع،باب ماجاءفی التجار و تسمیةالنبیﷺلھم۔امام ترمذی نے اس روایت کوحسن قرار دیاھے۔سنن ابن ماجہ:کتاب التجارات،باب الحث علی المکاسب۔

[3]صحیح بخاری:کتاب البیوع،باب السھولةوالسماحةفی الشراءوالبیع

[4]المتواری علیٰ أبواب البخاری لابن التین

[5]جامع ترمذي حدیث نمبر:1888علامہ البانی نے صحیح الجامع میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ھے

[6]مسند أحمد، حدیث نمبر:4162.اس حدیث کو علامہ البانی نے "صحیح الجامع" میں صحیح قرار دیا ھے۔

[7]شرح السنة: کتاب الحج باب الإتقاء عن الشبهات ص 1087 حدیث:2034

[8]صحیح بخاري: کتاب البیوع، باب الحلال بین، والحرام بین، وبینهما مشتبهات، صحیح مسلم :کتاب المساقاة باب أخذ الحلال

[9]جامع ترمذی: باب ماذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس، حدیث نمبر:1352، امام البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ھے۔ابو داود: حدیث نمبر 3594، ابن ماجه: حدیث نمبر:2353

[10]صحیح مسلم: باب تحریم الظلم

[11]سنن ابن ماجه: کتاب الأحکام باب من بنی في حقه مایضر بجاره. (یہ حدیث حسن لغیرہ ھے)

[12]صحیح مسلم: کتاب المساقاة، باب لعن آکل الربا وموکله

[13]سنن ابن ماجة: کتاب التجارات، باب التغلیظ في الربا

[14]صحیح بخاري: کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه

[15]صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب مایکره من اتخاذ المساجد علی القبور

[16]صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المساجد

[17]سنن ابی داود: کتاب المناسک، باب زیارة القبور، حدیث نمبر 2042

[18]مسند احمد: تتمة مسند الکوفیین، حدیث نمبر 19052

[19]مؤطا امام مالک: کتاب قصر الصلاة، باب جامع الصلاة (یہ حدیث حسن لغیرہ ھے)

(6) سود کے احکام آج کے حالات میں کیسے لاگو ہوسکتے ہیں؟

فضیلۃالشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

شرعی عدالت کے ریٹائرڈ چیف جسٹس کے ریمار کس انسداد سود مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان،نگران شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی کی کوششوں کی ناکامی کی المناک کہانی

10اپریل 2017 کی اخبارات میں وفاقی شرعی عدالت کے موجودہ چیف جسٹس جناب ریاض احمد خاں کے یہ ریمارکس شائع ہوئے ہیں کہ''سود کی ممانعت کے وقت کی معیشت اورآج کی معیشت میں فرق ہے۔اس وقت کے نظام کو آج کے وقت میں کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے؟''۔

موصوف نے یہ ریمارکس ملک بھر میں سودی نظام کے خاتمے سے متعلق شرعی عدالت میں کیس کی سماعت کے دوران میں دیئے۔

اس مقدمے کی سماعت چار رکنی بنچ نے کی،اس موقع پر چیف جسٹس نےیہ بھی کہا کہ''ربا،سود اور انٹرسٹ تین مختلف لفظ ہیں۔کیا یہ تینوں ہم معنیٰ ہیں یا ان میں فرق ہے؟اس سوال سے موصوف کا مقصد ان تینوں الفاظ کا مفہوم و معنی ایک دوسرے سے مختلف باورکرانا تھا۔چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر کہ ''موجودہ دور میں انٹرسٹ کی تعریف سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ ہے''۔اس کی طرف واضح اشارہ بھی فرمادیا۔یہ وہ مختصر تفصیل ہے جو اس مقدمےکی اخبارات میں شائع ہوئی ہے،اس سماعت کے بعد اس کی سماعت غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔

یہ مقدمہ کیا ہے؟

اس سے قبل کہ ہم اس مقدمے کی ابتدائی سماعت کے وقت محترم چیف جسٹس صاحب کے ریمارکس پر کچھ عرض کریں،مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئین کو یہ بتلائیں کہ یہ مقدمہ ہے کیا؟

اس مقدمے کا پس منظرا اور اس کی ضروری روداد بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حکومت کی وہ بدنیتی یا عدم دلچسپی واضح نہیں ہوسکتی جو پاکستانی حکومت خاتمۂ سود کے لئے اپنی آئینی اورشرعی ذمہ داری کی ادئیگی میں مسلسل پہلو تہی اختیار کرتی آرہی ہےاور اس کی یہ کوتاہی تاحال جاری ہے۔

حکومت کی یہ آئینی اورشرعی ذمہ داری کیوں ہے؟

سود کا خاتمہ،حکومت کی آئینی ذمہ داری اس لئے ہے کہ پاکستان کے تینوں آئینوں میں ،پہلے آئین 1956ء،دوسرے ایوب خان کے آئین 1962ء،اورتیسرے آئین 1973ء میں اس بات کی ضمانت دی گئی اور اس بات کا عزم ظاہر کیا گیا تھا کہ حکومت پاکستان نظام معیشت سے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرے گی،حکومت جس قدر جلدممکن ہوسکے،ربا کو ختم کرے گی۔

شرعی ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن کریم میں سودی نظام پر اصرار اور تسلسل کو اللہ اور اس کےرسول ﷺ کے ساتھ جنگ قراردیا گیاہے۔بنا بریں کسی بھی مسلمان حکمران کے لئےانسداد سود کی کوششوں سے بے اعتنائی کا کوئی جواز نہیں ہے۔

غفلت اور بے اعتنائی کی المناک روداد

مستند علمائے کرام کو نمائندگی دی گئی۔اس ادارے کے منصبی فرائض میں یہ بات شامل کی گئی کہ یہ ادارہ ایسی تجاویز مرتب کرے گاجن پر عمل کر کے پاکستان کے عوام کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاسکے۔چنانچہ 3 دسمبر 1969ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی آئینی ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے ایک رپورٹ تیار کی جس میںاتفاق رائےسے اس امر کا اظہارکیا گیا کہ”ربا اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود کی کمی بیشی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔مزید یہ کہ موجودہ بینکاری نظام کے تحت افراد،اداروں اور حکومتوں کے درمیان قرضوں اور کاروباری لین دین میں اصل رقم پرجو اضافہ یابڑھوتری لی یا دی جاتی ہے،وہ ربا کی تعریف میں آتی ہے۔سیونگ سرٹیفیکیٹس میں جو اضافہ دیا جاتا ہے،وہ بھی ربا میں شامل ہے اور

اس کے ساتھ صوبوں،مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیئے گئے قرضوں پر اضافہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے۔لہذایہ تمام صورتیں حرام ہیں اور ممنوع ہیں"۔

نظریاتی کونسل کی یہ سفارشات سودی نظام کے خاتمے کے لئےنہایت جامع تھیں اور ایک آئینی ادارہ ہونے کے اعتبار سے یہ ضروری تھاکہ ان سفارشات کو پارلیمنٹ میں پیش کیاجاتااور اس کے مطابق انسداد سود کے لئے مناسب قانون سازی کی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

کونسل کی مرتب کردہ اس رپورٹ کے8 سال بعد 1977ء میں صدر جنرل ضیاءالحق نے کونسل کو ہدایت کی کہ وہ ضروری تحقیق اور تفتیش کے بعد ایسے طریقے بھی تجویز کرے کہ جن کو اپنا کر سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جاسکے۔

حالانکہ اصولی طور پر یہ کام پارلیمنٹ کا تھا،کونسل نے تو نہایت جامع انداز سے ایک رپورٹ مرتب کر کے ساری صورت حال واضح کردی تھی۔بہرحال کونسل نے مزید اتمام حجت کے لئے بنک کے ماہرین،اقتصادیات کے ماہرین اور علماء سے طویل گفتگو اور بحث و مباحثہ کے بعد 25 جون 1980ء کو اپنی رپورٹ صدر ضیاء الحق کے سامنے پیش کردی۔اس رپورٹ میں سود کو ختم کر کے اس کے متبادل نظام کی جملہ تفصیلات درج تھیں اور کہاگیا کہ ان تجاویز پر عمل درآمد سے دو سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت سود سےمکمل پاک ہوسکتی ہےلیکن حکومت اوراس پر مسلط کردہ بیورو کریسی نے صدق دلانہ طور پر کونسل کے بتلائے ہوئے طریقہ کار کو اختیار نہیں کیا،البتہ اپنے طور پرکچھ ایسے نیم دلانہ اقدامات کیے جس سے یہ تاثر یا مغالطہ دیا جاسکے کہ حکومت نےاس کام کا آغاز کردیا۔اور یہ اقدامات وہی تھےجو بینکوں میں غیر سودی کھاتوں کےنام سے بھی ایک ایک شعبہ کھول دیا گیا۔اول تو یہ سودی کھاتوں کے ساتھ ساتھ ایک غیر سودی کھاتےکانظام بھی،سودی نظام کے خاتمے کے لئے متبادل نظام نہیں تھا۔دوسرے غیرضروری کھاتے ہیں۔نئی اصطلاحات متعارف کرائی گئیں،مثلاً مضاربہ،مشارکہ، مرابحہ اور بیع موجل وغیرہ۔یہ اصطلاحات بظاہر شرعی اور فقہی تھیں

جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ سودی صورتوں کے مقابلے میں غیر سودی طریقے اختیار کر لئے گئے ہیں،تاہم حقیقت اس کے برعکس تھی،یہ صرف ناموں اور اصطلاحات کا ہیر پھیر تھا اور ان کھاتوں کے اندر بھی سودی روح ہی کار فرما تھی۔چنانچہ نظریاتی کونسل نے ،جس نے بڑی محنت سے سودسے بچاؤ کے طریقےتجویزکر کےحکومت کو دیئے تھے،صورتحال کو دیکھتے ہوئے کہ بقول فیض

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

ایک نئی رپورٹ تیار کی گئی جس میں اپنی رپورٹ کی پامالی اور ناقدری پر اظہار افسوس کرتے ہوئےکہا گیا:

کونسل نے 81-1980ء میں کئےجانےوالے ان اقدامات کاجائزہ لیا جوحکومت نے اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں انجام دئے ہیں۔ان میں خاتمہ ٔسود کے لئے کئے جانے والے اقدامات ان سفارشات کے بالکل برعکس ہیں جوکونسل نے تجویز کئے۔۔۔حکومت نے وہ طریق استعمال کیا کو مقصد کو فوت کرنے کاسبب بن گیا ہے"۔

اس وقت کے بعض ممبران کونسل نے راقم جو بتلایا کہ جب صدر جنرل ضیاء الحق صاحب کے سامنے بعض حضرات نے شکوہ کیا تو موصوف نے کہا کہ وہ کوششیں کریں گےکہ بینکاروں اور سودی خاتمے کی رپورٹ تیار کرنے والوں کی باہم ملاقات کروائیں تاکہ باہم تبادلہ خیالات سےکوئی بہتر صورت نکل سکےلیکن مرحوم صدر کی طرف سے اس تجویز پر عمل در آمد کی کوئی صورت سامنے نہیں آئی۔اور سودی نظام اپنی جدیداور قدیم صورتوں کے ساتھ جاری و ساری رہا۔اور کونسل کی ساری محنت بھی رائیگاں ہی گئی۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

عدالت کے ذریعے دوسری کوشش اور حکومت کی وہی"نہ مانوں"کی پالیسی

1990ء میں ایک شخص محمودالرحمٰن فیصل نے وفاقی شرعی عدالت میں ایک درخواست دی کہ رائج الوقت سودی نظام معیشت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی عائد کی جائے اور حکومت کو ہدایت کی جائے کہ پاکستان کے معاشی نظام سے سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔عدالت نے اس کیس سے ملتے جلتے114دیگر کیسوں کی مشترکہ سماعت کی۔اس مقدمے میں شرعی عدالت نے بینکاروں،ماہرین اقتصادیات،حکومتی نمائندں اور علماء کو تفصیلی طور پر سنا اور موضوع سے متعلقہ تمام اہم مباحث کو زیر غور لایا گیا اور تحریری اور زبانی بیانات حاصل کئے اور اکتوبر 1991ء میں 157 صفحات پر مشتمل اپنا تاریخی فیصلہ سنایا۔فیصلہ کرنے والے اس میں جسٹس تنزیل الرحمٰن بطور چیف جسٹس،جسٹس فدا محمد خان اور جسٹس عبید اللہ خاں شامل تھے۔ شرعی عدالت نےاپنے فیصلے میں نہ صرف یہ کہ سود کہ ایسی تعریف متعین کی جسے معیار بنا کرمروجہ نظام معیشت میں پائے جانے والےسودی معاملات اورآئین اور دستور میں مذکور سودی دفعات کا جائزہ لیا جاسکتاتھا بلکہ رائج تمام سودی قوانین(22 قوانین)کاجائزہ لے کر بینکنگ سمیت تمام سودی لین دین کو حرام قرار دیااور وفاقی حکومت اور تمام صوبوں سے بھی کہا کہ وہ30 جون 1992ء تک متعلقہ قوانین میں تبدیلی کریں‌اور یہ بھی کہا کہ یکم جولائی 1992 ء سےتمام سودی قوانین غیر آئینی ہوجائیں گےاور تمام سودی کاروبار غیر اسلامی ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پائے گا۔ یہ تاریخ ساز فیصلہ دستوراور آئین کے تقاضوں کے مطابق بھی تھااورعوام کی خواہشات کے مطابق بھی۔اس لئے اس فیصلے کو ہر سطح پر سرا ہا گیااور عوام کی امنگوں کا مظہر قرار دیا گیا۔لیکن ظاہر بات کہ حکومت جو اندرونی اور بیرونی قرضوں میں‌بری طرح جکڑی ہوئی ہےاور اس سے نکلنے کی آرزو اور خواہش بھی نہیں رکھتی،علاوہ ازیں اس ظالمانہ نظام سے اس کےاوراسی کےحوالی موالیوں کے بہت سے مفادات بھی وابستہ

ہیں،اس کے لئے یہ فیصلہ قطعاً ناقابل قبول تھا اور اس نے حیلہ پرویزی کے ذریعے سے اس کو سبوتاژکرنے کی کوشش کی۔

چنانچہ 30جون 1992ء کے آنے سے پہلے پہلے مالیاتی اداروں،بینکوں اور بعض افراد نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلیں دائر کردیں۔یہ اپیلیں شرعی عدالت کے فیصلے کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ بن گئیں۔چنانچہ حکومت اپنی اس سازش میں کامیاب رہی اور سات سال تک یہ اپیلیں شریعت اپیلیٹ بینچ کے سردخانے میں پڑی رہیں۔بالآخر 1999 ء کے اوائل میں سپریم کورٹ میں ایک شریعت اپیلیٹ بینچ تشکیل دیاگیا۔اس بینچ نے کئی ماہ تک مسلسل ان اپیلوں کی سماعت کی۔

اس پانچ رکنی بینچ میں جسٹس خلیل الرحمٰن صاحب،(بطور چیئرمین)جسٹس وجیہہ الدین صاحب،جسٹس منیر اے شیخ،جسٹس مفتی مولانا تقی عثمانی صاحب اور جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب شامل تھے۔

معزز عدالت نے سماعت کےدوران مقدمہ میں زیر بحث آنے والےاہم فقہی مباحث،معاشی معاشرتی،قانونی اور آئینی معاملات(ایشوز)پر رہنمائی حاصل کرنے کے لئے فریقین کے وکلاء حضرات کے علاوہ ماہرین علم و فن سے بھی اپیل کی کہ وہ زیر بحث مسئلے کے حوالے سے عدالت کی معاونت کریں۔اس سلسلے میں بینچ نے دس سوالات بھی مرتب کر کےمختلف علماء کو بھیجے،راقم نے بھی ان سوالات کا جواب لکھ کر عدالت عظمیٰ کو ارسال کیا تھا،راقم کےیہ جوابات مضمون کے آخر میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔صوبہ خیبر پختون خواہ کے مولانا گوہر رحمان مرحوم نے بھی ان سوالات کے جواب تحریر فرمائے تھے۔یہ دس سوال نہایت اہمیت کے حامل تھے جس سے مسئلہ زیر بحث کے اہم گوشے واضح ہوجاتے ہیں اور صحیح رہنمائی بھی حاصل ہوجاتی ہے۔علاوہ ازیں پاکستان کے علاوہ اسلامی دنیا کے متعدد نامور محققین اورقانون دان حضرات نے فاضل عدالت کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنی آراء اور تجاویزسے تحریری

طور پراور زبانی بھی مستفید کیااور جدید و قدیم معاشی کتب و جرائدکے علمی ذخیرے سے اہم اقتباسات کی نقول عدالت کے روبرو پیش کیں۔

اس سارے مواد کی چھان پھٹک اور علماء وکلاء کی بحثوں کی سماعت کرنے کے بعد سپریم کورٹ کےمذکورہ بینچ نے وفاقی شرعی عدالت کےفیصلے کو عمومی طور پر درست قراردیتےہوئے جدید بینکاری سمیت تمام دیگر سودی قوانین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ممنوع اور حرام قرار دے دیا اور حکومت کو مزید مہلت دیتے ہوئے ہدایت جاری کی کہ وہ جون 2001ء تک تمام غیر اسلامی قوانین کونئےقوانین سے بدل کر بینکنگ اور دیگر معاشی معاملات کو سود پاک کردے۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد، جو اکتوبر1991ء میں منظر عام پر آیا تھا،یہ دوسرا نہایت اہم فیصلہ تھا جو آٹھ سال کے بعد سامنے آیا۔دونوں موقعوں پر علماء اور صحیح الفکر وکلاء کی طرف سے بھرپور دلائل پیش کئےگئےاور فاضل عدالت کی طرف سے کیے گئے سوالات کے مدلل جوابات دیئےگئےجن سے مزید بہت سے پہلو منقح اور واضح ہوئےاور پہلے مقدمے کی طرح اس دوسرے مقدمے میں بھی فاضل عدالت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ وہ سود کی ممانعت کا قطعی فیصلہ صادر کردے۔

حکومت کی بدنیتی اور گریز پائی

لیکن بدنیتی اور گریز پائی کا کسی کے پاس علاج نہیں ہےاور جب ایک فریق یہ تہیہ ہی کر لے کہ اس نےکسی صورت بھی موجودہ ظالمانہ نظام کو بدلنا نہیں ہے تو عدالتی فیصلےاس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں جبکہ یہ فریق ہمہ مقتدر بھی ہے۔

چنانچہ اس دوسرے نہایت اہم فیصلےکے بعد اس کوبھی تارپیڈو کرنے کی سازش تیار کر لی گئی۔اور جون 2001ء آنے سے پہلےپہلےحکومت نے ایک درخواست شریعت بینچ کے سامنے دائر کی جس میں یہ استدعا کی گئی کہ سودی نظام کو ختم کرنے کے لئےمزید دو سال کی مہلت دی جائے۔عدالت نے اس درخواست کی بنیاد پر مزید ایک

سال کی مہلت دیتےہوئے کہا کہ وہ جون 2002ء تک مطلوبہ آئینی و انتظامی اقدامات مکمل کرلے۔

اگرحکومت انسدادسود کے لئے عملی اقدامات کرنے کی خواہشمند ہوتی تووہ یقیناً اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عملی اقدامات بروئے کار لانے کا اہتمام کرتی لیکن اس نے اس کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا بلکہ عدالت کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے کے قریب آئی تو ایک نجی بینک(UBL)کی جانب سے نظر ثانی کی ایک درخواست عدالت میں پیش کردی گئی۔

انہی ایام میں یہ المیہ بھی ہوا یا عمداً ایسا کیا گیا کہ شریعت اپیلیٹ بینچ کے جن ارکان نے فیصلہ دیاتھا۔ان میں سے چار جج فارغ کردیے گئے اور صرف ایک جج جسٹس منیر اے شیخ باقی رہ گئے۔اب نظر ثانی کی اپیل کی سماعت جس بینچ نے کرنی تھی وہ حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھی۔

جسٹس شیخ ریاض احمد(بطور چیئر مین)جسٹس قاضی محمد فاروق،جسٹس ڈاکٹر خالد محمود اور جسٹس رشید احمد جالندھری۔

آخر الذکر دو فاضل جج، جو علماء کی نشست پر براجمان کئے گئے تھےان کااسلامی کردار ہر دور میں محل نظرہی رہا ہے،اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں،تاہم واقف الحال حضرات سے مخفی نہیں۔بہرحال اس بینچ نے مقدمے کی از سر نوع سماعت کی اور وہ تمام مباحث جن پر پہلے تفصیلی بحث ہوچکی تھی اور وہ گویا طے شدہ تھے،دوبارہ زیر غور لائے گئے اور بینک کے وکلاءاور سرکاری وکلاء کو خلط مبحث کا پورا موقع دیا گیاتاکہ بحث کاوہ رخ ،جو اس سے پہلے دو مقدموں میں واضح طور پر متعین ہوچکا تھا،اس کو غلط رخ پر موڑا جاسکے اور ڈور کے سلجھے ہوئے سرے کو الجھا دیا جائے کہ اس کا سرا ہاتھ ہی نہ آئے،یا صحیح رخ پر جاتی گاڑہ کی پٹڑی بدل دی جائے تاکہ وہ پٹڑی سے ہی اتر جائے یا اپنی اصل منزل مقصود پر نہ پہنچ پائے۔

اگر چہ صحیح الفکر علماء اور وکلاء نے بھی عدالت کے سامنے اپنے دلائل پیش کئے۔انہوں نے بالخصوص حسب ذیل امور پر زور دیا:

موجودہ بینچ کی تشکیل آئین کے ضوابط کے مطابق نہیں۔

نظر ثانی کے معاملےمیں عدالت کے اختیاربہت محدود ہوتے ہیں۔

جن قوانین،ضوابط اور حقائق کا جائزہ ،فیصلہ دینے والی عدالت عظمیٰ تفصیل سےلے چکی ہو،انہیں نظر ثانی کی آڑ میں دوبارہ نہیں اٹھا یا جاسکتا۔

مذکورہ فیصلہ کے مخالف وکلاء نےجن امور کو نظر ثانی کی بنیاد بنایا ہے۔ان سب پر تفصیلی بحث ہوچکی ہےاور تمام بحث کے بعد ہی سابقہ فیصلےصادر کیے گئے تھے۔

یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر جزوی عمل ہوچکا ہے،اب قانون اس پر نظر ثانی کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ پانچ نکتے جو اسلامی ذہن رکھنےوالےوکلاء نےاٹھائے،نہایت اہمیت کے حامل تھے،اگر نظر ثانی کی اپیل ایک سازش نہیں ہوتی اور بینچ کی تشکیل میں بھی خفیہ مقاصد کارفرما نہ ہوتے تو ان نکتوں کی بنیاد پر نئی بحثوں کو کالعدم قرارد ے کر اور سابقہ دوفیصلوں کے طے شدہ امور کو تسلیم کرکے بجا طور پرنظر ثانی کی اپیل کو نامنظور اور سابقہ فیصلوں کی بحالی کا فیصلہ کیا جاسکتا تھا لیکن یہ سارا ڈرامہ رچایا ہی اس لئے گیا تھا کہ حکومت سود کے ظالمانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی نہیں چاہتی۔چاہے فوجی حکومت ہو یا سویلین حکومت۔دونوں ہی قسم کے حکمران اغیار کے کسے ہوئے شکنجے سے نکلنے کا کوئی عزم نہیں رکھتے۔

1991ء میں جب پہلا فیصلہ آیاتھا نواز شریف وزارت عظمیٰ پر براجمان تھے۔اس کے بعد یہ فیصلہ تعطل کا شکار رہا، یہ دور بینظیر کی وزات عظمیٰ کا تھا ،1999 ء میں جب دوسرا فیصلہ آیا تو پرویز مشرف کی فوجی حکومت تھی۔

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے

بہرحال چند دن کی سماعت کے بعدنظر ثانی کے لئے تشکیل کردہ بینچ نے انتہائی عجلت میں24 جون 2002ء کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے شریعت اپیلیٹ بینچ کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مقدمے کو از سر نوع سماعت کےلئےدوبارہ وفاقی شرعی عدالت میں بھیجنے کے احکامات صادر کر دئےاس طرح اس عدالت نے طویل کوششوں،اور جاں گسل محنتوں پر پانی پھیر دیا اور انسداد سود کا یہ دوسرا فیصلہ بھی کالعدم قرار دیاگیا۔

شرعی عدالت کا سرد خانہ

اب تیسری مرتبہ یہ کیس پھر شرعی عدالت کے سپرد ہوگیا۔پہلا فیصلہ جو1991ء میں شرعی عدالت کی طرف سے آیا تھا،جسے تسلیم نہیں کیا گیا۔وہ 1999ء تک سپریم کورٹ کے سر د خانہ میں پڑا رہا،جب اس کی طرف سے دوسری مرتبہ فیصلہ آیا جس سے پہلے فیصلے ہی کی توثیق کی گئی تھی، اسے بھی نظر ثانی کے نام پر سبوتاژ کردیا گیا۔اور اسے پھر شرعی عدالت میں بھیج دیاگیا۔اس کیس کو پھر سردخانےکی نذر کر دیا گیا۔بالآخر بعض حضرات کی کوششوں سے 22 اکتوبر 2013ءسے اس مقدمے کی سماعت کا آغاز کیا گیا۔

پہلی سماعت کے بعد دوسری سماعت پر شرعی عدالت نے بتا یا کہ ایک سوال نامہ تمام درخواست گزاروں،ماہرین قانون،علماء اور ماہرین اقتصادیات کو ارسال کیا جائے گاجس کی روشنی میں ڈیمانڈ کردہ اس کیس پر بحث کی جائے گی۔چنانچہ 16 سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ شرعی عدالت کی طرف سے بذریعہ مراسلہ واخباری اطلاعات بھیجا گیا اورکہا گیا کہ اس کا جواب تیارکر کے 5 نومبر تک شرعی عدالت کے رجسٹرار کو ارسال کیا جائے۔

یہ 14 سوالات بحث کو الجھانے ہی کا ایک حربہ تھاکیونکہ اس قسم کا ایک سوال نامہ جو دس سوالوں پر مشتمل تھا،سپریم کورٹ نے بھی مختلف علماء کو ارسال کیا تھا جس کا نہایت معقول اور مدلل جواب علماء نے دیا تھا۔اس کے بعد اس قسم کے سوالات کی قطعاً َ ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ان سوالات اور جوابات سے بحث کے نہایت

اہم گوشے واضح ہوچکے تھے اور سپریم کورٹ کےشریعت اپیلیٹ بینچ نے ان کی روشنی ہی میں اپنا فیصلہ صادرکیا تھا۔

بہرحال ان 14 سوالات کے جوابات بھی وفاقی شرعی عدالت کو بہت سےاہل علم نے ارسال کر دیے تھے لیکن اس کے باوجود شرعی عدالت میں یہ مقدمہ زیر بحث نہیں آسکا۔اس دوران میں ایک دو مرتبہ بعض حضرات کی طرف سے کوششیں بھی کی گئیں لیکن ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔

چوتھی مرتبہ شرعی عدالت میں اور ہوا کا رخ

اب اپریل 2017ء میں چوتھی مرتبہ وفاقی شرعی عدالت میں اس کیس کی سماعت شروع ہوئی اور پہلی سماعت کے بعد بحث غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کردی گئی ہے۔

معلوم نہیں اب اس کا دوبارہ آغاز کب ہوگا اور کس طرح ہوگا؟ہوا کا رخ تو کسی خطرناک طوفان کی نشاندہی کررہا ہے اور چیف جسٹس صاحب کے تیور اور سوالات کا انداز بھی اس کی غمازی کر رہا ہے۔اللہ خیر کرے۔

اخباری رپورٹ میں چیف جسٹس صاحب کے جو ریمارکس شائع ہوئے ہیں،وہ کسی طرح بھی شرعی عدالت کے چیف جسٹس کے شایان شان نہیں ہے۔ان ہیں‌ایک بات یہ کہی گئی کہ نزول قرآن کے وقت کی معیشت آج سے مختلف تھی،آج اس کو کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے؟

یہ بات تو وہ لوگ کہتے ہیں جو آج کے دور میں اسلام کو ناقابل عمل قرار دیتے ہیں اور ان کی دلیل بھی یہی ہوتی ہے کہ آج کا معاشرہ اور حالات اسلام کے ابتدائی بدوی معاشرے سے مختلف ہیں۔اسلام کی تعلیمات آج کے معاشرے میں نافذ نہیں ہوسکتیں۔کیا فاضل چیف جسٹس صاحب بھی یہی سمجھتے ہیں۔ان کے بیان سے تو ان کا یہی موقف واضح ہورہا ہے۔اور یہ موقف اتنا کمزور،پھس پھسا اور بے بنیاد ہے جس سے پاکستان کا مقصد وجود ہی محل نظر قرار پاتا ہے اور آئین پاکستان میں جن

دفعات میں قرآن و سنت کے نفاذ اور حکومت کو ان کا پابند بنایا گیا ہے وہ بھی بےمقصد اورمحض نمائشی قرار پاتی ہیں۔کیا یہ تاثر صحیح ہوگا؟اگر یہ صحیح ہےتو پھر شرعی عدالت کےقیام کا بھی کیا جواز ہے؟

دوسری بات فاضل موصوف نے یہ فرمائی کہ ربا،سود اور انٹرسٹ کی تعریف ہی متعین نہیں ہے،اس لئے پہلے ان کا معنی و مفہوم متعین ہونا چاہئے۔حالانکہ پہلے دو فیصلوں میں ان الفاظ کے معنی و مفہوم اور مصداق پر مفصل بحثیں ہوچکی ہیں جن میں یہ طے پاچکا ہے کہ اس کا مصداق ایک ہی ہے اور وہ ربا کی وہ صورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حرام قراردیا ہے۔

ربا عربی زبان کا لفظ ہے اس کا ترجمہ متبادل لفظ فارسی میں سود ہے اور اردو میں بھی یہی لفظ ربا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے،انٹرسٹ انگریزی زبان کا لفظ ہےجو ربا کے ہم معنی ہی ہے،ایک لفظ کے مختلف زبانوں کے اعتبارسے الگ الگ الفاظ ایک دوسرے سے ہم معنی و مفہوم کے اعتبار سے مختلف توہیں ہوتے،سب کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

یہ ریمارکس خلط مبحث یا اصل بحث سے گریزی کی ایسی صورت ہے،جو فاضل عدالت کے فاضل جج سے متوقع نہیں ہے علاوہ ازیں موصوف نے انٹرسٹ کا مفہوم بھی خود بیان فرما کر سود کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ انٹرسٹ کا مطلب موجودہ دور میں سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ سمجھا جاتا ہے اگر فاضل موصوف کی اس بات کو درست سمجھ لیا جائے تو سودکےجواز اور عدم جواز کی بحث ہی ختم ہوجاتی ہے۔اوراگر موصوف اپنے اس موقف پر ہی قائم رہتے ہیں جو یکسرکہ غلط اور بے بنیاد ہےتو پھر اس بینچ کی طرف سے جو فیصلہ آسکتا ہے،وہ محتاج وضاحت نہیں۔

پس چہ باید کرد؟

اس صورت حال میں اہل دین کی کیا ذمہ داری ہےجو ملک کو سود جیسی لعنت سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشاں بھی ہیں۔اس سلسلے میں پہلے قانونی و

آئینی ماہرین سے مشاورت کرکے شرعی عدالت کے موجودہ بینچ کے بارے میں غور ہونا چاہئے کہ یہ بینچ آئینی ضابطے کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس بینچ کواس مقدمے کی سماعت کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔چہ جائیکہ اس کے فیصلےکو قانونی حیثیت حاصل ہو۔

شرعی عدالت کے بارے میں آئین کیا کہتا ہے؟

یہ مسئلہ اس لئے نہایت قابل غور اور بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہےکہ شرعی عدالت کے ابتدائی سالوں میں حد رجم کامسئلہ زیر بحث رہا تھا۔اوراس وقت آفتاب حسین صاحب شرعی عدالت کے سربراہ تھے،اس وقت عدالت کے سر براہ کو چیف جسٹس نہیں بلکہ چیئرمین کہا جاتا تھا۔گویا جسٹس آفتاب حسین کی چیئرمینی میں مسئلہ حد رجم بحث ہوئی۔یہ صاحب بھی منحرف ذہن کے حامل تھے ،اس لئے عدالت نے فیصلہ دےدیا کہ اسلام میں رجم کی کوئی حد نہیں۔

ظاہر بات ہے کہ یہ فیصلہ متواتر احادیث اور اجماع امت کے یکسر خلاف تھا۔اس لئے اس فیصلے پر شدید احتجاج کیا گیاجس سے مجبور ہو کر صدر ضیاء الحق نے شرعی عدالت کےآئین میں یہ ترمیم کردی کہ عدالت میں دیگر ججوں کے تین علماء بھی شرعی عدالت میں بطور جج لازمی ہوں گےاور اس کےمطابق تین علماء کو جج نامزد بھی کیا گیا۔ان میں ایک غالباً شفاعت حسین قادری تھے،دوسرے پیر کرم شاہ ازہری اور تیسرے ڈاکٹر فدامحمد خان۔بعد میں مولانا تقی عثمانی صاحب بھی اس کے جج رہے۔اس نئے بینچ کی تشکیل کے بعد مسئلہ حد رجم پر دوبارہ بحث ہوئی جس میں راقم نے بھی بیان دیا تھا ،اور پھر فاضل عدالت نے نیا فیصلہ دیا جس میں رجم کو حد شرعی تسلیم کیا گیا۔

اس مختصر تفصیل سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ سب سے پہلے شرعی عدالت کے اس بینچ کی آئینی حیثیت پر غور کیا جائے جو اس مقدمے کی سماعت کے لئے بنا ہے،کہیں ایسا نہ ہو کہ دوبارہ حد رجم جیسا غیرشرعی فیصلہ سامنے آجائے۔

اگر بینچ میں تین علماء بطور جج شامل ہوں گے جیسا کہ آئینی تقاضا ہےتو امید ہے کہ بحث کا رخ صحیح ہوگا اور شریعت کے واضح احکام سے انحراف کا امکان بہت کم ہوجائے گا۔

فاضل عدالت سے گزارش

دوسری گزارش ہم فاضل ممبران سے کریں گےکہ اس مقدمے کا دومرتبہ ایسا فیصلہ ہوچکا ہے جو قرآن و حدیث کے واضح دلائل پر مبنی ہے اور پورے ملک میں اس کو سراہا گیا ہے۔اب اگر شوق اجتہاد ہیں اس سے انحراف کیا گیا تو ایک تو یہ ہےقرآن کی بیان کردہ تمثیل کی روشنی میں اس عورت کے کردار کی طرح ہوگا جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے کردار سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا

النحل-92

ترجمہ:"اور اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جس نے اپناسوت کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کردیا"۔

اللہ تعالیٰ نے اس موجودہ بینچ کو ایک نہایت اہم موقع عطا فرمایا ہے۔وہ اس سے فائدہ اٹھا کر سابقہ فیصلوں کی توثیق کر کےایک بہت بڑی سعادت اورعظیم سرخروئی حاصل کرسکتے ہیں ،اوراگر ایسا نہ ہو اور جسٹس آفتاب حسین جیسا فیصلہ صادرہوا تو اہل پاکستان کے لئے وہ اسی طرح ناقابل قبول ہوگا جیسے فاضل عدالت کے حد رجم کی بابت غیر اسلامی فیصلےکو رد کر دیا گیا تھا۔

ہماری خواہش اوردعا ہے کہ فاضل عدالت کی طرف سےوہ مذکورہ حد رجم کی طرح کےفیصلے کا اعادہ نہ ہو بلکہ اسلامیان پاکستان کے جذبات کا اسی طرح آئینہ دار ہو جیسے سابقہ دونوں فیصلے تھے۔

وفقنااللہ وایاکم لمایحب ویرضیٰ۔آمین

نوٹ:اس مضمون میں بہت سی معلومات حافظ عاطف وحید صاحب(تنظیم اسلامی)کے پمفلٹ انسداد سود کا مقدمہ سے بھی لی گئی ہیں۔

سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بینچ کے سوالات کے جوابات]1[

سوال نمبر1:ربا کی حقیقت،تعریف اور معنویت کیاہے؟

جواب:رِبا عربی زبان کا لفظ ہےاور قرآن کریم میں بھی استعمال ہواہے۔اس کے لغوی معنی زیادتی،بڑھوتری،اضافےکے ہیں۔لیکن شرعی اصطلاح میں اس سے مراد مطلق اضافہ اور زیادتی نہیں ہے،بلکہ ایک مخصوص قسم کی زیادتی ہےاور وہ ہے کہ ''کسی کو اس شرط کے ساتھ رقم ادھار دینا کہ واپسی کے وقت وہ کچھ رقم زیادہ لے گا۔''مثلاً کسی کو سال۴ یا چھ مہینے کے لیے 100 روپے قرض دیئے،تو اس سے یہ شرط کر لی کہ وہ 100 کے 120 روپے لے گا۔مہلت کے عوض یہ20روپے جو زیادہ لیے گئے ہیں،یہ سود ہے۔ورنہ انسان کاروبار کرتا ہے تو وہ سو روپے کے عموماً 20،25روپے نفع کمالیتا ہے، یاکسی کو سو روپے قرضِ حسن کے طور پر دیتا ہے،دیتے وقت سوائے ہمدردی اور ثواب کے کوئی اور نیت نہیں تھی۔لیکن قرض لینے والا اپنے طور پر

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ

الرحمٰن-60

کے تحت 10،20 روپےزائد دےدیتا ہے تو یہ دونوں اضافے سود کی ذیل میں نہیں آئیں گے،کیونکہ کاروبار اور تجارت ایک جائز فعل ہے،اللہ نےاسے حلال اور مشروع کیا ہے،اور اس کا مقصد ہی نفع کمانا ہے۔اس لیے تجارت کے ذریعے سےجتنا اضافہ حاصل ہوگا بشرطیکہ اس میں کسی امرحرام کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو،وہ حلال اور جائزہوگا۔اسی طرح قرض دیتے وقت، قرض دینے والےنے زیادتی کی کوئی شرط عائد نہیں کی تھی،صرف اللہ کی رضا کے پیش نظر مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے

کےلیے قرض دیا تھا،اب قرض لینے والا اگر اپنی مرضی سے کچھ رقم زائد دے دے،تو یہ بھی جائز ہے،کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے[2]یہ اضافہ بھی سود نہیں ہے۔

بہرحال سود کی تعریف میں وہ اضافہ آئےگا جو شرط کرکے لیا جائے۔اور وہ اضافہ بھی صرف مہلت کا عوض ہو۔یہ ربالنسیئۃ یا رباالجاھلیۃ کہلاتا ہے۔اسے ربالنسیئۃاس لیےکہا جا تا ہےکہ یہ ادھا رپر سود لیا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہی ادھار کا سود ہیں۔اوراسلام سے قبل زمانہ ٔجاہلیت میں بھی اس کا چلن تھا ، اس لیے اسے رباالجاھلیۃ بھی کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ شریعت نےربا کی بعض مزید صورتوں کوبھی حرام کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایاہے:

"الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل يدً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء"

' 'سونا سونےکے بدلے،چاندی چاندی کے بدلے،گندم گندم کے بدلے،جوجو کے بدلے ،کھجور کھجورکے بدلے،نمک نمک کے بدلے ،یہ برابر برابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ(نقد)ہوں۔(تب ان کا باہمی تبادلہ جائز ہے)جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا،تو اس نے سودی معاملہ کیا، لینےاور دینےوالا دونوں اس میں برابر ہیں"۔[3][4]

اس حدیث کی رو سے(مثلاً)گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے،توایک تو وہ برابر برابرہو دوسرے ہاتھوں ہاتھ(نقد)ہونا بھی ضروری ہے۔اس میں کمی بیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہونے کی بجائےایک نقداور دوسری ادھار یا دونوں ہی ادھا رہوں ،تب بھی یہ سود شمار ہوگا۔تاہم ایک جنس کادوسری جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے،بشرطیکہ دست در دست (ہاتھوں ہاتھ) ہو۔

غرض شریعت میں ربا کا اطلاق "بیع میں ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے میں کسی ایک چیز میں ہو یا قرض کی واپسی کے وقت اصل چیز یا رقم میں ہو"۔پر ہوتا ہےاوراس کی دو صورتیں ہیں:

1ربالفضل:ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے کے وقت ایک چیزکے عوض میں زیادہ لینا۔]5[

2ربالنسیئۃ:ایک جیسی دومتبادل چیزوں میں سے کسی ایک کا زیادہ معاوضہ لینا،مگر ایک مقررہ مدت کے بعد۔

یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ سودی معاملے میں کسی قسم کا تعاون بھی لعنت اور غضب ِالٰہی کا باعث ہے۔اس شدت کی وجہ یہ ہےکہ اسلام ایسا معاشرہ تعمیر کرناچاہتا ہےجس کی بنیاد اُخوت،ہمدردی،ایثاروقربانی پر ہو۔کسی کو مال کی ضرورت ہو،تواصحابِ اموال ضرورت مندوں کی ضرورت فی سبیل اللہ،اللہ کی رضا کے لیے پوری کردیں یا پھر قرضِ حسن کے طور پر۔جب کہ سود کی بنیاد اس کے برعکس خودغرضی،دوسرے کے استحصال اور ظلم پر ہے۔اس میں اصحاب ِثروت کسی ضرورت مند سے اللہ کی رضا کے لیے تعاون پر آمادہ نہیں ہوتے۔انہیں صرف اپنے مفاد سے غرض ہوتی ہے،غریب کےخون کا آخری قطرہ تک نچوڑلینے کے باوجود ان کی حرص میں کمی نہیں ہوتی۔اس لیے شریعت نےہرقسم کےسود کو ممنوع اورحرام قرار دیا ہے۔چاہے وہ ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لیے دیئے گئے قرض پر وصول کیا جائے یا تجارتی مقاصد کے لیے حاصل کر دہ رقم پر۔

سوال نمبر2:کیا"ربا"کی اصطلاح کا بینکوں اور مالیاتی اداروں کے دیئے گئے قرضوں اور ان پر عائد کردہ سود پر بھی اطلاق ہوتا ہے؟}

جواب:یہ سوال اس لیے پیدا ہواہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "قرآن نے جس سود سے روکا ہے،وہ صرف وہ سود ہے جو ذاتی ضروریات کے لیے لیے گئے قرض پرلیا جائے۔لیکن جو قرض تجارت اور کاروبار کے لیےلیا جائے۔اس پر لیا جانے والا سود اس کی ذیل میں نہیں آتا اور نہ وہ ممنوع ہی ہے،کیونکہ نزول ِقرآن کے وقت تجارتی قرض کارواج ہی نہ تھا۔لیکن یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔علماء نے بڑی وضاحت اور تفصیل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے

قرضے لیے جاتے تھے ،ذاتی ضروریات کے لیے بھی اورکاروبار اور تجارت کےلیے بھی اور دونوں پر سود لیا اور دیا جاتا تھا اور قرآن کریم میں بغیر کسی قسم کی تفریق کے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے،جس کا مطلب ہر قسم کے سود کی ممانعت اور حرمت ہے،چاہے قرض ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا تجارت کے لیے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہےکہ دونوں صورتوں میں ظلم اور خود غرضی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ذاتی ضرورت پر لیے گئےقرض پر سودکا ظلم تومسلم ہے،لیکن تجارتی قرض پر سود میں بھی ظلم صریح اور بدترین خود غرضی کا پہلو پایا جاتا ہے۔مثلاً ایک شخص نے بینک سے یا کسی سا ہوکار سے کاروبار کے لیے قرض لیا،لیکن کاروبار نہ چل سکا یا کاروبار میں نقصان ہوگیا۔لیکن قرض دہندہ تو ہر صورت میں اپناسود کا مطالبہ جاری رکھے گا،حالانکہ وہاں اصل رقم بھی ڈوب گئی ہےچہ جائیکہ وہ اس کے منافع سے سود ادا کرے۔لیکن بینک یا سود خور مہاجن کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی،وہ اصل رقم کے ساتھ اپنا طے شدہ سود بھی ضرور وصول کرے گا۔اسلام اس ظلم اور خود غرضی کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟اس لیے اسلام میں دونوں قسم کے قرضوں پر سود حرام اور ناجائز ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں تجارتی مقاصد کے لیے قرض لینے اور دینے کا رواج ہی نہیں تھا صرف ذاتی ضروریات کے لیے ہی قرض لینے اور دینے کا معمول تھا۔اس لیے جو سود حرام کیا گیا ہے ،وہ صرف ثانی الذکرقسم کا سود ہے نہ کہ اول الذکر سود۔کیونکہ پہلی قسم کے سود کا تووہاں رواج ہی نہیں تھا۔اس بناپر وہ صنعت اور کاروبار کےلیےلیے ہوئے قرض پر سود کوجائز قرار دیتے ہیں۔اس کو وہ تجارتی سود سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی بابت کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے،اس سے تو لوگ کاروبار کرکے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اگر وہ اس فائدے میں سے تھوڑا سا فائدہ صاحب ِمال کو ایک سالانہ شرح کے حساب سے لوٹادیں،تو یہ کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے؟یہ تو صاحب ِمال کا وہ حق ہےجو اپنے مال کی وجہ سے اسے ملنا

چاہئے۔لیکن اوّل تو یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں کہ عرب میں تجارتی قرض کا رواج نہیں تھا،عربوں میں تجارتی مقاصد کے لیے بھی قرض لینے دینے کا رواج تھا۔علاوہ ازیں صنعت و تجارت میں لگے ہوئے سرمائے کی بابت کوئی شخص یقین سےنہیں کہہ سکتا کہ وہ بہر صورت نفع دے گا،کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ لاکھوں کروڑوں کا سرمایہ ڈوب جاتا ہے۔لیکن بینک یا ساہوکار کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔وہ ہر صورت میں اپنے دئیے ہوئے قرض پر سالانہ شرح سے سود وصول کرنا ضروری سمجھتا اور وصول کرتا ہے۔کیا یہ ظلم نہیں،خودغرضی نہیں،استحصال نہیں؟اگر نقصان نہ ہو تو یہ سودی قرض گرانی کا باعاعث بنتا ہے۔ایک صنعت کار جتنا سود اداکرتا ہےاسے وہ پیداواری لاگت میں شامل کر کے اپنی تیار کردہ اشیاء کی قیمت مقرر کرتا ہے،جس سے عوام کو وہ چیز نسبتاً مہنگے داموں خریدنی پڑتی ہے۔اس لیے اسلام نے ہر قسم کے سود کو حرام کر کے ظلم واستحصال اور گرانی کے ایک بہت بڑے ذریعے اور سرچشمے کو بند کردیا ہے۔

تجارت اور سود میں فرق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سودی قرض بھی تو ایک تجارت ہے،قرآن نے ان کا یہ قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

البقرة–275

ترجمہ:" بیع بھی تو مثل سود ہی کے ہے "۔

اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا:یہ دونوں چیزیں کس طرح ایک ہوسکتی ہیں۔بیع کو تو اللہ نے حلال قراردیا ہےاور سود کو حرام؟

جس سے واضح ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہیں۔علاوہ ازیں تجارت میں تو نقدرقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔دوسرے اس میں نفع کاامکان رہتا ہے۔جبکہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقودہیں،تیسرے ،تجارت باہم تعاون وتناصر کا نام

ہےجبکہ سود خود غرضی ،بے رحمی اور سنگ دلی کا۔چوتھے تجارت میں رقم اور چیز کے تبادلےکے بعددونوں ایک دوسرے کے تبادلے کےمالک بن جاتے ہیں،اوراس کے بعد ان کا آپس میں کوئی مطالبہ نہیں رہتا۔جبکہ سودمیں ایسا نہیں ہوتا،بلکہ صاحب المال کی طرف سے ہر سال زیادتی کا مطالبہ رہتا ہے جو سالہا سال تک بلکہ بعض دفعہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔ان وجوہ سے سوداور تجارت ایک دوسرے سے قطعاً َ مختلف ہیں۔ایک حلال ہے ااور دوسراحرام۔

لیکن افسوس کی مسلمانوں میں مغرب کی نقالی میں معیشت کی ساری بنیاد سودی نظام پر قائم ہے اور اس سے بچنے کی کوئی سعی و کاوش اسلامی ملکوں کےمغرب زدہ حکمرانوں کی طرف سے نہیں ہورہی۔اس طرح مسلمان عوام میں بھی اب سود سے بچنے کاکوئی جذبہ نہیں رہا اور ان کی اکثریت بینک کے سودکو وصول کرتی اور کھاتی ہے اور سودی کھاتوں میں شریک ہوتی ہے۔

بنابریں بینکوں اور مالیاتی اداروں کے دیئے ہوئے قرضوں اور ان پر عائد کردہ سود پربھی ربا کا اطلاق ہوگا،کوئی بھی سودی قرضہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

سوال نمبر3: پاکستانی بینک اور بعض مالیاتی ادارے اپنے گاہکوں،مارک اپ پر دوبارہ خریداری کے معاہدوں کی بنیاد پر رقم دیتے ہیں۔اس طریق کار کے تحت بینک کا گاہک یہ مراد لیتا ہے کہ وہ ایک مخصوص جنس بینک کو فروخت کرتا اور عین اسی وقت اس جنس کوموثر ادائیگی کی بنیاد پر زیادہ مدت کے عوض دوبارہ خرید لیتا ہے۔مارک اَپ کی کوئی شرح(فی صد سالانہ)کا اطلاق دوسری فروخت پر ہوتا ہے۔کیا یہ معاہدہ ”ربا“ کے زمرے میں آتا ہے؟

جواب:یہ بھی ایک حیلہ ہے جس کا مقصد سودی نظام کا نام بدل کر اسے جائز قراردینا ہے،اس میں بینک کا گاہک قطعاً َ کوئی چیز بینک کو فروخت نہیں کرتا، صرف فرض کر لیا جاتا ہے جب کہ ایسا کرنا ممنوع ہے،کیونکہ جس چیز کا عملاًوجود ہی نہیں ہے،اُسے فروخت کرنے کے کیا معنی؟ نبیﷺ نے قبل القبض (اپنے قبضے میں لینے سے

پہلے)کسی چیز کو فروخت کرنے سے منع کیافرمایا ہے۔جب قبل القبض ہی فروخت کرنا جائز نہیں ہے،تو ایک معاملے کو فرض کر کےاس پر بیع وشراء کے احکام کس طرح لاگو ہوسکتے ہیں؟

پھروہ گاہک(جو اصل میں بینک سے قرض لینے کا خواہش مند ہوتا ہے)بینک سے اپنی(فرضی)فروخت شدہ چیز بینک سے زیادہ مدت کے عوض دوبارہ خرید لیتا ہے(جس کا مطلب دراصل زیادہ رقم کا حصول ہے)اورپھر وہ گاہک بینک کا سود ادا کرتا رہتا ہے جس کا نام مارک اپ رکھا لیا گیا ہے۔اصل مقصد بینک سے تجارت کے لیے قرض لینا ہی ہے،لیکن سیدھے طریقے سے ناک پکڑنے کی بجائےہاتھ کو پیچھے سے گھما کر ناک پکڑنے کا کام کیا گیا ہے۔بہرحال یہ بھی ایک سودی حیلہ ہی ہےجس کا جواز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

سوال نمبر4:کیا ''ربا'' کی حرمت کے معاملے میں ایک مسلمان اور غیر مسلم کے مابین کوئی فرق ہے؟کیا ''ربا''کی حرمت کا دائرہ غیر مسلموں سے لیے گئے قرضوں یا ایسے مسلم ممالک جن کے قوانین اور قومی پالیسیاں بین الاقوامی مالیاتی قوانین اورپالیسیوں سے منسلک نہیں اور صدر مملکت پاکستان کے کنٹرول میں نہیں ہیں،تک بڑھایا جاسکتا ہے؟

جواب:''ربا'' کی حرمت میں مسلم اور غیر مسلم کےدرمیان کوئی فرق نہیں۔جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کوئی سودی معاملہ نہیں کرسکتا،اسی طرح ایک مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ سودی لین دین نہیں کرسکتا۔جن لوگوں نے اس میں فرق کیا ہے ان کے پاس اس کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے اس قول کوان کے اپنوں نے بھی تسلیم نہیں کیاہے۔

علاوہ ازیں اس کی حرمت کا دائرہ ان تمام مالیاتی قوانین اور پالیسیوں تک وسیع ہے جن پرسودی معاملات کا اطلاق ہوتا ہے،چاہے وہ قرضےغیر مسلموں سے حاصل کیے گئے ہوں یا مسلم ممالک سے،چاہے وہ پاکستان کے کنٹرول میں ہوں یا نہ ہوں۔ان چیزوں سے سود کی حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔اصل چیزسود کی وہ تعریف ہے جو پہلے

گزری،جو بھی معاملہ اس کی زد میں آئےگااور اس تعریف کا مصداق قرار پائے گا،اس پر یقیناً حرمت کا اطلاق ہوگا۔

سوال نمبر5:حکومتِ پاکستان اور اس کے زیر کنٹرول بعض ادارے بانڈز اور سرٹیفکیٹس وغیرہ جاری کر کےقرضےحاصل کرتے ہیں،اور ایسے بانڈز کے حامل افراد کو مقررہ ہر مدت کے بعدمنافع ادا کرتے ہیں۔کیا یہ منافع"ربا"کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب:یقیناًاُن پر "ربا"کی تعریف صادق آتی ہےکیونکہ یہ قرضے ہیں،کوئی کاروباری شراکت نہیں ہے،اور حکومت یااس کے ادارےان پر ایک طے شدہ رقم منافع کے نام سے(فی صد سالانہ کےحساب)ادا کرنے کے پابندہوتے ہیں،جب کہ ان کی اصل رقم محفوظ ہوتی ہے،وہ جب چاہیں اپنی رقم لے سکتے ہیں، لیکن جب تک یہ رقم حکومت یا اداروں کے پاس رہے گی،وہ اس پر متعین منافع دیتے رہیں گے۔یہ وہی قرض کے بدلے میں مہلت کا معاوضہ وصول کرنا ہے،جو خالص سود ہے،اس کا نام منافع رکھ لیا گیا ہے،گویاشراب کی بوتل پر" روح افزاح" کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔

سوال نمبر6:یہ امر واضح ہے کہ کاغذ کی کرنسی افراطِ زر کی صورت ِحال میں اپنی قیمت کم کرنےکےرجحان کی حامل ہے۔ایک قرض دار جو پیپر کرنسی کی اپنی مخصوص رقم اگر بطور قرض حاصل کرتا ہے ،تو جب وہ یہ رقم ایک طےشدہ مدت کے بعد اپنے قرض خواہ کو لوٹاتا ہے،تو قرض خواہ افراطِ زَر کی وجہ سے نقصان اٹھا سکتاہے۔اگر قرض خواہ اپنے قرض دار سے اپنے نقصان کی تلافی کے لیے مزید رقم ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے ،تو کیا یہ مطالبہ سود طلب کرنے کے مترادف قراردیا جاسکتا ہے؟

جواب:یہ مسئلہ نہایت اہم ہے،کیونکہ جو ملک اقتصادی اور سیاسی استحکام سے محروم ہیں،جن میں بدقسمتی سےپاکستان بھی شامل ہے،وہاں آئے روز افراطِ زَر کی صورت حال نمودار ہوتی رہتی ہے،جس سے کرنسی کی قدروقیمت مسلسل گھٹتی ہے۔اس لیے طویل المیعاد قرضوں پریقیناً قرض خواہ کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔اب اس نقصان کی

تلافی کےلیے قرض خواہ اپنے قرض دار سے مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟اگر کر سکتا ہے تو یہ سود کی ذیل میں تو نہیں آئےگا؟۔یقیناً یہ قابل غور اور اجتہادی مسئلہ ہے اور اس قسم کے مسائل کے حل کے لیے اجتماعی اجتہادناگریز ہے،یعنی عالم اسلام کے جید علماءاور ماہرین معیشت مل کراس کے تمام پہلوں پر غور کریں اور اس کے لیے کوئی اصول اورضابطہ طے کریں تاکہ کسی فریق پر ظلم نہ ہوسکے۔کیونکہ جس طرح ظلم کرنا صحیح نہیں ہے ،اسی طرح کوئی دوسرا شخص یا فریق ظلم کا ہدف بن رہا ہو،تو اس کے ازالے کے لیے بھی سعی کرنا ضروری ہے۔قرآن کریم کے حکم

لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ

البقرۃ-279

ترجمہ:"خود ظلم نہ کرو،نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔کا مفاد بھی یہی ہے۔

آج سے کئی سال قبل شرعی عدالت میں بھی اس قسم کا ایک کیس آیا تھا،جس میں کہا گیا تھا کہ شفعہ کا ایک مقدمہ20سال کے بعد انجام کو پہنچا ہے، جبکہ 20سالوں میں کرنسی کی قدرو قیمت بہت گھٹ چکی ہے۔اب قیمت کی ادائیگی وہی کی جائے جو20سال قبل لی گئی تھی،جو کہ گھٹتے گھٹتے برائے نام رہ گئی ہے،یا اب موجودہ حالات کے مطابق اس میں اضافہ کرکے ادائیگی کی جائے،تاکہ مالک کو بھی نقصان نہ ہو؟اس وقت جسٹس گل محمد(مرحوم)عدالت کے چیف جسٹس تھے،عدالت نے مختلف علماء سے استفسارکیا،راقم نے اس وقت فاضل عدالت کےسامنے جو رائے پیش کی تھی،مناسب معلوم ہوتا ہے،اسے علماء کی غور وفکر کے لیے یہاں دہرایا جائے۔یہ تحریر عدالت میں توشاید محفوظ ہوگی،لیکن کسی اور جگہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔یہ حسب ِذیل ہے:

کرنسی کی قوت خرید میں کمی کا ادائیگی پر اثر:

چند سالوں سے کرنسی نوٹ اپنی مالیتی اعتبار سے جس غیر یقینی صورت حال سے دو چار ہے،اس کے پیش نظر ریرِ بحث مسئلہ فی الواقع سنجیدہ غور وفکر کا مستحق

ہے۔علماءکو اجتماعی غور وفکر اور بحث و تمحیص کے ذریعے سے اس کا شرعی حل پیش کرنا چاہئے۔۔۔اس سلسلے میں راقم کی رائے حسب ذیل ہے:

کرنسی نوٹ موجودہ دور میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔سونے چاندی کے سکوں کی بجائےاب یہی نوٹ اس کے متبادل بن گئے ہیں۔لین دین اور مالی معاملات کی اساس بھی یہی نوٹ ہیں۔اس لیے بعض علماء تو اس کو عرفاً ثمن تک کا درجہ دیتے ہیں،جس طرح کہ سونا چاندی اپنی اصل کے اعتبار سے ہی ثمن ہے۔لیکن کرنسی کی تمام تر اہمیت کے باوجود اسے بعینہٖ سونا چاندی کی طرح بطورِ ثمن سمجھ کر سونا چاندی والاحکم اس پر لاگو کرنا بعض علماء کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کا زکوٰۃ کے لیے نصاب متعین ہے جبکہ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کرنی ہو تو اس کے لیے کوئی متعین نصاب نہیں ہے،نہ ہی اس کا متعین ممکن ہے۔کیونکہ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کے لیے پہلے سو نے یا چاندی(بہ اختلاف علماء)کے متعین نصاب کی کرنسی کے اعتبار سے قیمت متعین کی جائے گی اور پھراس کے بعداس کےبعد اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی،جس میں ہر سال کمی بیشی کا امکان ہی نہیں،ایک حقیقت اورواقعہ ہے۔

مثلاًاگر کرنسی نوٹوں کے لیے سونے کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے(جیسا کہ علامہ یوسف قرضاوی وغیرہ علماء کا خیال ہے)تو ساڑھے سات تولےسونے کی قیمت کرنسی کے اعتبار سے ہوگی۔اتنی مالیت کے کرنسی نوٹ اگر کسی کے پاس زائد از ضرورت ایک سال تک موجود رہیں تو پھرڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی،مثال کے طور پراس وقت سونا 6000روپے فی تولہ ہے تو 45 ہزار کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ(شروطِ مقررہ کے مطابق)اس کے مالک پر عائد ہوگی،اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہوگی،لیکن سال دو سال بعد سونا 6کی بجائے7 ہزار فی تولہ ہوجائے تو پھر45 ہزار روپے پر بھی زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔پھر یہ رقم اس سے بھی زیادہ ہوگی تب قابل

زکوٰۃ ہوگی۔یوں سونے کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ کرنسی نوٹوں کی شرح نصاب میں بھی رد وبدل ہوگا۔(خیال رہے کہ اب 2017 میں سونا فی تولہ پچاس ہزارروپےہے)
یہی صورت حال کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ چاندی کے نصاب سے وابستہ کرنےکی صورت میں پیش آئےگی۔جیسا کہ پاک وہند کے علماء نے چاندی کے نصاب کو ہی کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کے لیے بنیاد بنایا ہوا ہےاور اس اعتبار سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت اس کا نصاب ہے۔اگر اتنی چاندی 6ہزار کرنسی نوٹوں میں آتی ہے تو 6 ہزار کی رقم کرنسی نوٹوں کے لیے زکوٰۃ کا نصاب ہوگی۔اگر 7 ہزار میں ساڑھے باون تولہ چاندی آئے گی تو 7 ہزار روپے ہوگا،8 ہزار میں آئےگی تو8 ہزار نصاب ہوگا۔
اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سونے چاندی کی طرح کرنسی نوٹو ں کا کوئی متعین نصاب نہیں ہے،اس لیے شرعی طور پر یہ سونا چاندی کی طرح ثمنیت کے حامل نہیں سمجھے جاسکتے اورجب ان کی حیثیت بالکل سونے چاندی کی طرح نہ ہوئی تو اُصولی طور پر لمبے مالی معاہدات میں کمی بیشی کا جواز تسلیم کیا جانا چاہئےتاکہ کسی ایک فریق کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔
بنا بریں حکومت اگر کوئی ایسا قانون یا اُصول وضع اور متعین کرتی ہے کہ جس کی رو سے مالی معاہدات میں کرنسی کی قیمت کے اُتار چڑھاؤ کا اعتبار کیا جاسکےتو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد کرنسی کی قیمت میں خاطر خواہ کمی آجاتی ہے جس سے بعض دفعہ بہت سے لوگوں کو خاصا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔اسی طرح اندرون ملک عام لوگوں کو بھی خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کو خاص منفعت حاصل ہوجاتی ہے ظاہر بات ہے کہ یہ صورتحال ”لاضرر ولاضرار“(مؤطا امام مالک،کتاب البیوع)کے خلاف ہے۔
اسلام کے اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کہ کرنسی کی قیمت مسلسل گر رہی ہے تو اس کے لیے حکومت کوئی ایسا اصول اور ضابطہ بھی تجویز کرےجس سے اس سے پیدا ہونے والےنقصان کی تلافی بھی باآسانی ہوسکے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے رٹ گزار کے موقف کی اصولی تائید ہوتی ہے کہ 20 سال میں زمین کی قیمت ہیں‌سو فیصد ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیاہے۔اس لیے قانونِ حق شفعہ کی زیربحث شق کو اس طرح تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جس سے خریدارکو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔اس موقف میں بظاہر شرعاً َ کوئی قباحت نظر نہیں آتی کیونکہ اس طرح ایک فریق کے نقصان کا ازالہ مقصود ہے جو مستحسن امر ہے۔تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حکومت کی طرف سے جب تک اس کے لیےکوئی اصول اورضابطہ تجویزنہیں کر دیا جاتا،اس وقت تک عام لین دین معمول اور عرف کے مطابق کرنا ضروری ہےاور وہ عرف فی الحال یہی ہے کہ جتنی تعداد کےکرنسی نوٹوں میں سودا طے ہوا تھا یا معاہدہ ہوا تھا،اتنی ہی تعداد کے وصول کرنے کا فریق ثانی حقدار ہوگا۔کرنسی کی قیمت کی کمی کا اعتبارنہیں ہوگا،کیونکہ کسی اصول اور ضابطے کے بغیرمذکورہ اجازت مفاسدکثیرہ اور نزاعات کا باعث ہوگی۔تاہم عدالتیں خصوصی کیسوں میں مذکورہ شرعی گنجائش کی روشنی میں کرنسی کی قیمت میں کمی سے پیدا ہونے والے نقصان کے اِزالے کافیصلہ کر سکتی ہیں جیسا کہ زیربحث مقدمہ میں بھی اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

سوال نمبر7:اگر سود یا مارک اَپ کی تمام اقسام اسلامی احکامات کے خلاف قرار دی جائیں تو آپ فنانسنگ کے کیاطریقہ ہائےکار تجویز کرتے ہیں:

(الف)تجارت اورصنعت کی فنانسنگ(ب)بجٹ کے خسارے کی فنانسنگ

(ج)بیرونی قرضوں کا حصول (د)اسی نوعیت کی دیگر ضروریات اور مقاصد

جواب:اس میں کوئی شک نہیں کہ سود یا مارک اپ کی تمام قسمیں حرام ہیں۔لیکن اس کے لیےمتبادل صورتیں کیا یا کیا اختیار کی جاسکتی ہیں؟یہ بہت تفصیل طلب مسئلہ ہے۔اسے یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا،علاوہ ازیں علماء اس کی تفصیلات بھی کماحقہ بیان نہیں کرسکتے،کیونکہ یہ ان کا میدان نہیں‌ہے،تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء اور ماہرین معیشت باہم مل کر اس کا حل تلاش اور متبادل تجویز کرسکتے ہیں۔بلکہ بہت سے حل

اور تجاویز پہلے بھی مرتب ہوچکی ہیں جو کتابوں اور رپورٹوں کی شکل میں موجود ہیں۔خود اسلامی نظریاتی کونسل نےبھی اس مسئلے کے حل کےلیےماہرین معیشت کے مشوروں سے ایک رپورٹ تیار کی تھی جو موجود ہے،اس کے علاوہ بھی اسلامی بینکاری یا اسلامی معیشت کے نام سے بہت سی کتابیں تحریر شدہ موجود ہیں،جن میں اسی مسئلے پر بحث کی گئی ہےکہ سود سے بچ کر کس طرح ہم اپنے اقتصادی ڈھانچے کو استوار کر سکتے ہیں؟

نیت اگر صاف ہو اور سود سے بچنے کا جذبہ اور داعیہ قوی ہو،تو ابتدائی طور پر ان خاکوں اور تجاویز کو سامنے رکھ کر غیر سودی نظام کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ابتدا میں یقیناًمشکلات آئیں گی،صدیوں سے بنےبنائے نظام کی جگہ ایک نیا نظام قائم کرنا بلاشبہ جان جوکھوں کا کام ہے،لیکن جو قومیں عزم اور جذبے سے سر شار ہوتی ہیں ،وہ مشکلات کو خاطر میں نہیں لاتیں،بلکہ تیشہ فرہاد سے جوئے شیر نکال کر دکھادیتی ہیں۔ہم بھی اگر ابتدائی مشکلات سے گھبراتے اور ڈرتے رہے، جو یقیناً پیش آئیں گی،تو کبھی بھی یہ معرکہ سر نہیں کر سکیں گے۔اس کے لیے پھر صدیاں بھی ناکافی ہوں گی،لیکن ہم اللہ پر بھروسہ کر کے اور ایمانی عزم وجذبہ سے سر شار ہوکر یہ تہیہ کرلیں کہ ہم نے اس سودی نظام سے نجات حاصل کرنی ہے۔تو یقیناً چند سالوں میں بھی ہم اس میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا بھی وعدہ ہے کہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

العنکبوت-69

’’جو ہماری راہ میں کوشش کرتا ہے ہم اس کے لیے راہیں کھول دیتے ہیں‘‘۔

تاہم اس میں کامیابی کے لیےدو محاذوں پر ہمیں سخت محنت اور جد و جہد کرنی پڑے گی۔ایک محاذ قوم کی اصلاح وتربیت اور کردار سازی کا ہے،جس سے ہمارے

حکمران بالکل غافل ہیں۔حالانکہ اسلام کا پودا اسلام کی سرزمین پر ہی نشوو نماپاسکتا ہے،غیر اسلامی آب و ہوا میں ہر گز نہیں‌پنپ سکتا۔اس وقت ہماری قوم سچائی،امانت ودیانت اور دیگر اخلاقی خوبیوں سے یکسر محروم ہے،الا ماشاء اللہ۔اور اسلامی نظامِ معیشت کا پوداسچائی امانت اور دیانت کی سر زمین پرہی لگ سکتا ہے،جب تک قوم کے اندریہ وصف اور خوبی پیدا نہیں ہوگی،اس وقت تک غیر سودی نظام کا پودایہاں لگ سکتا ہےنہ نشوونما ہی پاسکتا ہے۔اس کے لیے تعلیمی نصاب بدلنا ہوگا،تعلیمی اداروں میں اسلامی روح پھونکنی ہوگی،اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان سب کا قبلہ درست کرنا ہوگاان سب کا قبلہ اس وقت بالکل مخالف سمت میں ہے۔

دوسرے نمبر پراسلامی معیشت کے اُصولوں پر اپنےبینکاری نظام کو استوار کرنا ہے،اس سلسلے میں اب تک فکرونظر کے دائرے ہیں‌جو کام ہوا ہے،اس سے استفادہ کیا اور اسے بنیاد بنایا جائے۔لیکن چونکہ عمل کا میدان،فکرونظر سے مختلف ہے۔ممکن ہے عمل کے میدان میں نئی صورتیں پیش آئیں،جن کا حل پہلی رپورٹوں اور خاکوں میں نہ ہو۔تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔دل میں اخلاص ہواور جذبہ صادق ہو،تو قدم قدم پر رہنمائی ملتی رہےگی، راستے میں پہاڑ آئیں گے تو وہ بھی راستہ دینے پر مجبور ہوں گے،سمندر آئیں گے تو انہیں بھی عبور کرنا مشکل نہیں ہوگا۔مخالفتوں کی بادِ تند بھی اپنا رخ بد ل لے گی اور اغیار کی سازشوں کے طوفان بھی آہنی عزم کی چٹان سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔شرط صرف ایک ہی ہے،ایمان ،عزم اور قوت ِعمل سے سرشاری۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

آل‌عمران-139

سرماریہ کاری کی چند متبال صورتیں

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بینک موجودہ سودی طریقہ کر اگر نفع و نقصان کی بنیاد پر مضاربت کا طریقہ چھوڑ کراختیار کرتا ہے تو اس میں کامیابی کی کوئی اُمید نہیں۔کیونکہ اس طرح اکثر لوگ کاروبار میں نقصان ظاہر کرکے بینک کی ساری رقم ہڑپ کرجائیں گے۔

موجودہ حالات میں بینک والوں کی یہ بات ایسی نہیں کہ اسے اہمیت نہ دی جائے اور اسے یو ں ہی مذاق میں اُڑادیا جائے،بلکہ قومی اَخلاق کی پستی اور کردار کی زبوں حالی اس انتہا کو پہنچی ہوئی ہے کہ بینک والوں کی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا۔تاہم اس کے باوجود۔۔۔؟ عرض کریں گے کہ قوم کو اس اخلاقی پستی سے نکالنے کی ذمہ داری بھی توحکومت کی ہے،وہ اس طرف بھی توجہ دےتاکہ اقتصادومعیشت کی بنیادبھی صحیح ہوسکے۔

لیکن تعلیم و تربیت اور اصلاح،یہ وسیع المیعاد پروگرام ہے،اوّل تو اس کی طرف کسی کی توجہ ہے نہ مستقبل قریب میں بظاہر کسی حکومت سے اس بارے میں اچھی اُمید ہی وابستہ کی جاسکتی ہے۔اس لیے بینک کےلیے فی الحال کچھ متبادلات ہیں جن پر بینک سرمایہ کاری کر کے لاکھوں،کروڑوں کا نفع حاصل کر سکتا ہے۔

مثلاً َ جس صنعت و کارخانےوغیرہ کے لیے بینک رقم مہیا کرے،تو بینک اس کی مؤثر نگرانی کے لیےاپنےچند آدمی بھی اس میں رکھوا سکتا ہے،یہ نگرانی اور بندوں کی تقرری معاہدے کا باقاعدہ حصہ ہو،تو بینک کے ساتھ فراڈ کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

(2)بینک قابل کاشت زمینیں خرید کر اس پر سرمایہ کاری کریں اور مزارعت یا نقد ٹھیکے پر وہ زمینیں کاشت کرنے والوں کو دیں۔یہ مزارعت اور نقد ٹھیکہ جائز ہے،بینک اس کاروبار کے ذریعے سے معقول آمدنی حاصل کرسکتے ہیں۔

(3)اسی طرح ملک میں زمینوں کا ایک بہت بڑا حصہ بیکار پڑا ہوا ہے،وہ زمینیں بنجر یا ریگستانی ہیں۔لیکن اگران پر سرمایہ کاری کی جائے، تو وہ قابل کاشت ہوسکتی ہیں۔بہت سے لوگوں نے ذاتی طور پر ایسا کیا ہے تووواقعی اس کے بہت مفید نتائج

سامنے آئے ہیں۔ابھی حال ہی میں ''جنگ ''کےایک کالم نگار جاوید چوہدری کا کالم بعنوان''چولستان کے دکھ کون سنے گا'' شائع ہوا ہے،چولستان بہاولپور کا ایک صحرائی اور ریگستانی علاقہ ہے۔اس علاقے میں ایک صاحب نے چند مربع زمین لے کر اس میں جو جنت ِارضی بسائی ہے،وہ حکومت اور بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کرنے والوں،دونوں کے لیے لمحہ فکریہ اور وعوتِ غور ہے۔چونکہ ہم نے یہ تجویز پیش کی ہے اوراس کی عملی مثال ہمارے سامنے آئی ہے،اس لیے اس کالم کا یہ متعلقہ حصہ ملاحظے کےلیے پیش خدمت ہے۔کالم نگار لکھتے ہیں:

' 'چولستان سے واپسی پر ایک عجیب منظر دیکھا۔ریت کے ٹیلوں،چھدری جھاڑیوں اور آوارہ بگولوں کے عین درمیان جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔زمین پر سبزہ بچھا تھا،گھنے درخت آسمان کی طرف منہ اُٹھائے کھڑے تھے،کپاس بار تھی اور چھوٹی سی نہر ساتھ ساتھ بہ رہی تھی،ہم لوگ وہاں رُک گئے۔میں نے جنت کے رکھوالے سےمالک کا نام پوچھا،اس نے کو لھوں پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا:''یہ سیٹھ عقیل الرحمٰن کے مربعے ہیں''۔یہ نا م میرے لیے جانا پہچانا تھا،میں نےاپنے ساتھیوں سے سیٹھ صاحب کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا سیٹھ عقیل الرحمٰن قومی اسمبلی کے رکن ہیں،حکام کی مہربانی سے چولستان سےساٹھ ستر مربع اراضی حاصل کی۔اسے ہموار کیا اور میلوں دور بہتی نہر کا پانی کاٹ کر ریت کو سونا بنالیا۔جب یہ داستان سنائی جارہی تھی تو میں سیٹھ عقیل الرحمٰن کا حوالہ یاد کرنے کی کوشش کررہا تھامجھےیوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ان سے واقف ہوں یا میں نے اُن کے بارے میں سن رکھا ہے۔ابھی داستان جاری تھی کہ میرے دماغ میں روشنی کا گولہ پھٹا اور میں نے اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا:''کہیں یہ سیٹھ صاحب وہی تو نہیں ہیں'' ساتھی نے ہاتھ چھڑا کر جواب دیا:'' ہاں وہی سیٹھ عقیل الرحمٰن ہیں جو وزیر اعظم کو ساتھ لے کر پہنچے،محکمہ آبپاشی کے افسر طلب کرائےاور انہیں پانی چوری کرانے کے جرم میں ہتھکڑیاں لگوادیں''میں نے حیران ہو کر پوچھا:''کیا ان کی زمینوں کو سیراب کرنے والا

یہ پانی جائز ہے؟''میرے ساتھی نے قہقہ لگایا اور ٹوپی سیدھی کرتے ہوئے بولا''چوہدری صاحب! نا سمجھ بچوں جیسے سوال نہ کیا کریں۔!!سیٹھ عقیل الرحمٰن کی تشکیل کردہ جنت سے آگے نکل کر میں نے سوچا،اگر نہر سے پانی کی پتلی سی لکیر نکل کر صحراکے دوزخ میں فردوس کایہ ٹکڑا تخلیق کرسکتی ہےتو ایک ذراسی بڑی آبی لکیرپورے صحرا کو جنت کیوں نہیں بنا سکتی؟صدیوں سے جگہ بدلتے ٹیلوں،اور برسوں سے بوندوں کو ترستے بگولوں نے سرگوشی کی''بنا سکتی ہے،بنا سکتی ہے''۔لیکن اس کے لیےایک دور تک سوچنے والا لیڈر چاہئے''۔میں نے کہا''ہمارے پاس ایسا لیڈر ہے تو سہی''ٹیلے قہقہہ لگا کر بولے''نہیں نہیں جس لیڈرکے پاس مہر اقبال جیسےلوگوں کے زخموں پر پھائے رکھنے کاوقت نہ ہو ، وہ لاکھوں سال کی منتظر زمینوں کا دکھ سننے کے لیے فرصت کہاں سے لائے گا''۔]6[

(4)اسی طرح کمپنیوں کے شیئرز ہیں۔اس میں بھی کاروباری شراکت کو جائز قراردیا گیاہے۔اس میں اصل خرابی سٹے کاجز شامل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔اگر قانونی طور پر اس خرابی کو شامل ہونے سے روک دیا جائے،تو شیئر زکے کاروبار سے بھی بینک بہت منافع حاصل کرسکتے ہیں۔

یہ سرمایہ کاری کی چند مثالیں ہم نے اس لیے دی ہیں‌کہ اگر مضاربت میں کامیابی کا فی الحال امکان نہیں ہےتو سرمایہ کاری کا یہ واحد میدان نہیں ہے،بلکہ سرمایہ کاری کا میدان بہت وسیع ہےاور بہت سی جائز اور متبادل صورتیں‌سوچی اوراختیار کی جاسکتی ہیں۔اگر سود سے بچنے کا عزم قوی اور داعیہ سچا ہو،تو بہت سی راہیں نکل سکتی ہیں اور اس حرام کاری وحرام خوری سے قوم کو بچایا جاسکتاہے ورنہ

ع خوئے بدر احیلہ بسیار!

اس خوئے‌بد اور حیلوں بہانوں کا علاج کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔آپ متبادلات کا ڈھیر لگادیں،خاکوں پر خاکے اور رپورٹوں پر رپورٹیں تیار کر کے دے دیں،ان سے ردّی میں تو اضافہ ہوگا،عمل و اقدام کا کوئی جذبہ پیدانہیں ہوگا۔گویا ہمارا صل مسئلہ

متبادل اساس کا نہیں ہے ،وہ تو موجود ہے اور اسے ہم اپنے عزم اورقوتِ عمل سے مزید بہتر اور سازگار بناسکتے ہیں۔ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اندر ایمانی عزم کی کمی ہےاور ہم حرام خوری سے بچنے کا کوئی جذبہ اور داعیہ ہی نہیں رکھتے۔

سوال نمبر8:اگر آپ کے خیا ل میں سود کی تمام اقسام شرعی طور پر حرام ہیں توحقیقت سے اس کے خاتمےکے لیے آپ کیا طریقہ کار تجویز کرتے ہیں،کیا آپ موجودہ اقتصادی نظام کو فوراً ختم کردیں گے یا قومی معاشی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تدریجی عمل تجویز کریں گے؟اگرآپ تدریجی عمل کو ترجیح دیتے ہیں تو آپ اس مقصد کے لیےکیا حکمت عملی تجویز کرتے ہیں؟جوقرآن و سنت کے تقاضوں کے مطابق ہو؟

جواب:حکمت ِعملی کے طورپرتدریج کی اہمیت و ناگزیریت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔لیکن تدریج کے نام پر عملی اقدامات سے گریز کی تائید بھی نہیں کی جاسکتی۔یہی تدریج مرحوم ضیاء الحق نےبھی اختیار کیے رکھی،جس سے قوم کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔اس لیے تدریج ضروری ہے،تو کوئی نظام بھی راتوں رات نافذ نہیں ہو سکتا۔ایک بنے بنائے نظام کو،جس کی جڑیں بڑی گہری اور وسیع ہوں،اسے اکھیڑ کر ایک نیا نظام استوار کرنا،پھرا س کی نشو و نما اوراستحکام کے لیے آب وہوا بھی اس کے موافق بنانا(جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا)ایک مناسب تدریج اور حکمت ِعملی کا تقاضا کرتا ہے۔لیکن اس کے لیے ہمہ جہتی اقدامات ، گو تدریج کے ساتھ ہوں،نہایت ضروری ہیں،اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔کسی ایک شعبے میں جزوی یا نیم دلانہ اقدامات سے کچھ نہیں ہوگا،یہاں تو مکمل آپریشن اور سرجری کی ضرورت ہے،جب تک قوم اس عمل جراحی سے نہیں گزرے گی،کسی بھی شعبے میں کامیابی ممکن نہیں۔

سوال نمبر9:اگر تمام معاملات خلاف ِشرع ہیں تو ماضی میں کیے گئے معاملات اورمعاہدات کا کیا کیا جائےگا؟خاص طورپر حکومت پچھلے غیر ملکی قرضوں کے معاملے میں کیا طریق کار اختیار کرے گی؟

جواب:جہاں تک اندرونی معاہدات اور معاملات کا تعلق ہے،ان میں سود کا لینا اور دینا فوراً ممنوع قرار دیا جائے۔تاہم کسی کی اصل رقم پر زد نہ پڑے،وہ ہر صورت میں واپس کی جائے۔یا پھر یہ رقم مالکوں کی اجازت کے ساتھ غیر سودی معاملات میں شرعی طریقوں کے مطابق استعمال میں لائی جائےاور اس کے نفع نقصان میں ان کو شریک کیا جائے۔اگر حکومت نے غیر سودی نظام قائم کرنے میں اخلاص کا ثبوت دیا،تو قوم بھی اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہوگی،کیونکہ قوم اپنی تمام تر کمزوریوں اور بد عملیوں کے باوجود اسلامی نظام کی خواہشمند اور اس کے لیے جذباتی وابستگی رکھتی ہے۔اس کی اکثریت میں اب بھی اسلام کے لیے قربانی کا جذبہ اور داعیہ موجود ہے،بدقسمتی سے اب تک کوئی حکمران بھی ان کےاس جذبے سے فائدہ نہیں اٹھاسکا،بلکہ سب نے ان کا استحصال ہی کیا ہے،اس لیے قوم حکمرانوں سے مایوس ضرور ہے،لیکن اللہ سے مایوس نہیں ہے ،وہ اب بھی کسی مسلمان مردِ غیب کی منتظر ہے۔،جس مقتدر ہستی میں اب بھی ان کو امید کی کوئی کرن نظر آئے گی،وہ اس پر اپنا مال ہی نہیں بلکہ دل و جان بھی فدا کرنے کےلیے تیار ہوگی۔کاش کوئی مردے از عیب پیدا ہو اور" کارے بکند"کےمصداق کچھ کر کےدکھائے۔

جہاں تک بیرونی قرضوں کا تعلق ہے،یہ ہمارے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہیں،جن کاسلسلہ تاحال جاری ہے۔ان قرضوں نےہم سےہماری خودی چھین لی ہے،ہماری آزادی کو گروی رکھ دیا ہے، اور ہمیں خوئے غلامی میں پختہ تر کر دیا ہے۔ان کا سلسلہ یکسر اور فوری طور پر ختم کرنا ضروری ہے۔تاہم ان کی بھی اصل رقم کی ادائیگی ضروری ہے اور سود کی عدم ادائیگی کا فوری اعلان کردینا چاہئے۔ہمارے سامنے کئی ملک ہیں جنھوں نے عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے قرضے دینے سے بالکل انکار کردیاہے،صرف سود ہی نہیں،بلکہ اصل رقم بھی دینے کے لیے وہ تیار نہیں ہیں۔جب دوسرے بعض ممالک اتنی جرأت کا مظاہرہ کرسکتے ہیں،تو کیا ہمارے اندر اتنی جرأت بھی نہیں کہ ہم صرف سود ادا کرنے سے انکار کردیں جو سراسر ظلم

ہے،ہم ظلم کے خلاف بھی لب کشائی نہیں کر سکتے؟اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کرسکتے؟غیر ملکی قرضوں کی دلدل سے نکلنے کا یہی واحد طریقہ ہے کہ ہم ایک خودانحصاری کی پالیسی اپنائیں اور ایک پیسہ بھی قرض نہ لیں،اور دوسرے،اس جرأتِ گفتار اور قوت ِکردار کا مظاہرہ کریں کہ سود دینے سے انکار کردیں۔اگر ہم نے اپنے اندر یہ جرأت اور قوت پیدا کر لی،توغیر ملکی طاقتیں ہمارا کچھ نہیں کرسکتیں۔ہمارا موقف عدل و انصاف کے مطابق ہوگا،اس لیے جیت ہماری ہی ہوگی،نہ کہ قرض دینے والی طاقتوں کی،جو در اصل ظالم اور کمزور قوموں کا خون چوس لینے والی ہیں۔

سوال نمبر 10:کیا قرض دینے والاقرض سے متعلق منافع حاصل کرنے کا وقت اور اس کی شرح مقرر کرسکتا ہے جبکہ قرض لینے والا یہ کہہ رہا ہو کہ وہ مطلوبہ روپیہ کمانے اور بروقت رقم لوٹانے کے قابل ان شاء اللہ ہو جائے گا اور اس کے بعدقرض لینے والا رقم کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو گارنٹی دینے والا منافع،بونس یا تلافی کے لیے زائد رقم دے سکتا ہے۔اگر اس صورت حال میں انشورنس کا نظام متعارف کرایا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی اور اس کا جواز ہوگا؟

جواب: یہ سوال کئی سوالات کو متضمن ہے۔اس میں پہلی بات تویہ ہے کہ قرض دینے والا قرض پر کوئی متعین منافع لے ہی نہیں سکتا،تو اس کی شرح مقرر کرنے کا کیا سوال؟البتہ قرض کی واپسی کے لیے وقت کا تعین کیا جاسکتا ہے،کیونکہ یہ تو قرض دینے والے کا حق ہے کہ وہ اپنی رقم کی واپسی کے لیے وقت کی تعیین اور تاکید کرے۔لیکن اس رقم پر چونکہ متعین منافع سود کی ذیل میں آتا ہے،اس لیے اس کی شرح کا تعین نہیں کیا سکتا،اگر کیا جائےگا تو یہ معاملہ سودی بن جائےگا۔ اسی طرح گارنٹی دینے والا بھی اصل رقم کی واپسی کی گارنٹی دیتا ہے تو ایسا کرنا جائزہے۔لیکن منافع کی گارنٹی دیتا ہے، تو یہ سود کی گارنٹی دینا ہےجو ناجائز ہے۔

اس میں تیسرامسئلہ انشورنس کے نظام کا ہے،انشورنس کی آج کل بے شمار قسمیں ہیں:قرض کے تحفظ کے لیے انشورنس کا کوئی نظام تجویز کیا جاتا ہے،تو ایسا کرنا جائز

ہوگا بشرطیکہ اس کا طریق کار شریعت کےخلاف نہ ہو۔لیکن اگر اس کا مقصدسودی قرضوں کا تحفظ ہے تو یہ ناجائز ہوگا۔

نیز اس سوال سے اگر مقصدیہ ہے کہ قرضوں کی بروقت ادائیگی نہ کرنے سے دائن کو افراط ِزَر کی وجہ سے جو نقصان ہو سکتا ہے،اس کے اِزالے کے لیے کوئی ضابطہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟تو اس کا جواب اثبات میں ہے۔اس کے لیے یقینا ضابطہ بنایا جاسکتا ہے بلکہ بنایا جانا چاہئے۔کیونکہ ہمارے ملک میں قرضوں کی وصولی ایک نہایت سنگین مسئلہ ہے۔دائن تو ضرورت پرقرض دے کرایک احسان کرتا ہے،لیکن ہماری قوم سخت احسان فراموش ہے،وہ حسن قضاء کی بجائےقرضہ ہی ہڑپ کرجانے کی کوشش کرتی ہے،علاوہ ازیں دکانداروں اور سرمایہ داروں میں بھی قرضوں کی عدم ادائیگی کا رجحان عام ہے،اس عادتِ بد کی وجہ سے بہت سے صنعت وحرفت سے وابستہ افراد،جو محدود سرمائےکے حامل ہوتے ہیں،اپنا کاروبار ہی بند کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔اس لیےقرضوں کی بروقت ادائیگی کے لیے اگر کچھ اصول اورضابطے تجویز کر لیے جائیں‌تو ان سے یقیناً ان خرابیوں کےازالےمیں مدد مل سکتی ہے۔اس کے لیے ایک تو تحریری معاہدہ ضروری قرار دیا جائےجیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔

دوسرے بروقت ادائیگی نہ کرنے میں جو نقصان ہوسکتا ہے،اس کا ازالہ افراطِ زَر کی روشنی میں کیا جائے یا قرضوں کو کسی مستحکم چیز سے وابستہ کردیا جائے،مثلاً چاندی یا سونےکی قیمت سےیا کسی مضبوط کرنسی سے۔مثلاً کسی نے پچاس ہزار روپے چھ مہینے یا سال کے وعدے پر لیے،تو اس کے لیے ضابطہ بنایا جاسکتا ہےکہ جس تاریخ کو قرض دیا گیا،اس روز پچاس ہزار اتنے تولے سونے کی مالیت کے حامل تھے،یااس کے اتنے ڈالر یاپونڈآتے تھے،ادائیگی کے وقت اتنے ہی تولےسونے کی رقم یا اتنے ہی ڈالرپونڈ کی شکل میں وصولی کی جائے۔کاروباری قرضوں پر بالخصوص ان ضابطوں کا اطلا ق کیا

جائے،تاکہ کاروباری لوگ بلاوجہ محدود سرمایہ رکھنے والےلوگوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیں اور بروقت رقم کی ادائیگی کردیں اور ادھا ر بھی کرنا ہو تواسےزیادہ لمبا نہ کریں۔ اس ضابطے سے یقیناً قرضوں کے ڈوب جانے کے امکانات میں بھی کمی آئے گی اور چھوٹے موٹے کاروباریوں کی مشکلات بھی کم ہوں گی۔اس کے لیے پھر ایک عدالت کا قیام بھی ناگریز ہوگا،جہاں ان معاملات کا فیصلہ ہوسکے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

[1]یہ مضمون آج سے تقریباً 18،19 سال قبل کا تحریر کردہ ہے

[2] صحیح البخاری:باب حسن القضاء

[3] صحیح المسلم،کتاب المساقاۃ،باب الصرف بیع والذھب بالورق نقداً

[4] صحیح المسلم:حدیث نمبر:1584

5]ربالفضل کی مختلف صورتیں:ہر مال کا ایک وصف عام ہوتا ہے ،اس اعتبار سے اسے جنس کہا جاتا ہے اور ایک وصف خاص ہوتا ہے جسےصنف(قسم)سے تعبیر کیا جاتا ہے۔جیسے غلہ جات ہیں،یہ اپنے وصف عام (کہ ان کو کھایاجاتا ہے)کے اعتبار سے ایک جنس ہیں۔یعنی کھانے والی جنس۔لیکن وصف خاص کے اعتبار سے غلہ جات کی کئی صنفیں(قسمیں)ہیں۔جیسے چاول،جو،گندم،مکئی جوار وغیرہ۔یہ سب وصف عام کے اعتبار سےایک جنس ہیں۔جنس مطعومات،لیکن اپنے اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے یہ الگ الگ قسمیں ہیں۔چاول ایک قسم ہے،گندم ایک قسم،جوار ایک،مکئی ایک،منقیٰ ایک اور نمک ایک وغیرہ۔ہر کھانےوالے چیز کو اس پر قیاس کر کے اس میں شامل کیا جاسکتا ہےچاہے وہ ماپ کر فروخت ہوتی ہو یا تول کر۔۔۔ایک مال کی قسم وہ ہے جسے ثمن کہا جاتا ہے جیسے سونا،چاندی ہے اور اسی پر آج کل قیاس کیا جاسکتاہے:سکے،کرنسی نوٹ،چیک اور کمپنیوں کے شیئرز(حصے)وغیرہ کو۔

شریعت میں ان دونوں قسموں کی بابت اَحکام وارد ہیں۔حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر ہےوہ ان دونوں قسموں کو حاوی ہیں:سونا،چاندی،گندم،جو،کھجور اور نمک۔بعض ائمہ نے سودی معاملات کو صرف ان چھ چیزوں تک محدود رکھا ہے۔باقی دیگر چیزوں میں وہ کمی بیشی کو سود قرار نہیں دیتے۔جب کہ دیگرائمہ و فقہاء نے قیاس کرکے دوسری چیزوں کو بھی شامل کیا ہے۔مثلاً جو کھانےوالی چیزیں ہیں چاہے کَیلی(ماپی جانے والی)ہو ں یا وزنی(تولی جانے والے)یاجن میں(سونےچاندی کی طرح) ثمنیّت پائی جاتی ہے،یا بعض نزدیک جن کو ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔اس حساب سے ایک جنس وزنی چیزوں کی ہےیعنی جنہیں تول کر بیچا اور خریدا جاتاہے۔دوسری جنس کَیلی چیزوں کی ہے جنہیں پیمانوں سے ماپ کر بیچا جاتا ہے اور ایک جنس ان چیزوں کی ہے جنہیں ذخیرہ کیا جاسکتا ہو اور ایک جنس وہ ہے جو ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے،جیسے سونا،چاندی،سکے،کرنسی نوٹ وغیرہ، ان اَموال میں سودی اور غیر سودی صورتیں حسبِ ذیل ہونگی۔

(1)جب دونوں تبادلوں والی چیزیں جنس اور قسم کے اعتبار سے ایک ہوں گی۔مثلا گندم کا گندم سے،چاول کا چاول سےتبادلہ ہو، تواس میں کمی بیشی بھی حرام ہوگی اور اُدھار بھی۔ان کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور مجلس عقد میں قبضہ بھی ضروری ہے۔

(2)دونوں تبادلوں‌والی چیزیں جنس کے اعتبار سے ایک ہوں،البتہ قسم کے اعتبار سے مختلف ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز ہوگی تاہم اُدھار ناجائز۔جیسے ایک کلوچاندی کا تبادلہ ایک یادو گرام سونےکے ساتھ ،ایک کلو جو کا سودا آدھا کلوگندم کے ساتھ۔ایک دینار کا تبادلہ تین چار ریالوں کے ساتھ۔اگر یہ سودا نقد ہوگا تو جائزہے۔اس میں ادھار کرنا صحیح نہیں ہے۔

(3)جب دونوں تبادلوں والی چیزیں جنس کے اعتبار سے بھی ایک نہ ہوں اور قسم کے اعتبار سے بھی مختلف ہوں تو ان میں کمی بیشی بھی جائزہےاورادھا رکرنابھی

جائز۔جیسے (مثلاً)ایک کلو گندم کاایک گرام سونےسے تبادلہ۔ایک کلو کھجورکا سودا دس یا بیس تولہ چاندی کے ساتھ،ان میں کی بیشی بھی جائز ہےاور ادھارکرنا بھی جائز۔

[6] روزنامہ جنگ،لاہور،4 ستمبر 1999ء

(7) اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات

فضیلۃالشیخ عبدالحمید ازھر رحمہ اللہ

عصر حاضر کو ترقی کا دور کہا جاتا ہے اور کچھ غلط بھی نہیں ہے سائنسی اکتشافات کا سلسلہ بلا توقف جاری ہے۔ایجادات کا سیل رواں ہے تھمنے میں نہیں آتا۔وسائل سفر سے لے کر ذرائع ابلاغ تک میں انقلاب آچکا ہے۔زمین اپنے خزانے اگل رہی ہے یا اس سے اگلوائے جارہے ہیں۔اناج ،سبزیاں پھل اور میوے اسقدر بہتات سے ہیں کہ انباروں میں سما نہیں سکتے ذخیرہ کرنے پڑتے ہیں لیکن ہر چیز کی فراوانی کے پہلو بہ پہلو انسانی محرومی کی بھی کوئی حد نہیں۔آدمیت سسک رہی ہے جذبات سلگ رہے ہیں۔غریب غربت کے بوجھ تلے دب رہا ہے اور سرمایہ دار بے مقصدیت کے عذاب و اذیت سے گذر رہا ہے۔یہ نہیں کہ حالت میں تبدیلی کی کوشش نہیں ہوئی تاریخ شاہد ہے کہ احساسات اور جذبات نے کئی مرتبہ طوفان کی شکل اختیار کی لیکن صورت حال کچھ یوں ہی رہی۔

؎سو بار تیرا دامن ہاتھوں میں مرے آیا
جب آنکھ کھلی دیکھا تو اپنا ہی گریباں تھا

رومن ایمپائر ، دور غلامی ، جاگیرداری اور پھر آخر میں نظام سرمایہ داری کا تماشہ اور پھر اشتراکی کوچہ گردوں کی آشفتہ سری ،تمام کی تمام شکست آرزو کے عنوانات ہیں ان تمام کوششوں کے باوجود یہی نہیں کہ حالت نہیں بدلی بلکہ کیفیت کچھ یوں رہی کہ

؎مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

حقیقت یہ ہے کہ تمام نظامہائے معیشت الگ الگ اور متضاد نام کے حامل ہونے کے باوصف اصل میں سارے ایک ہیں۔ایک ہی تصویر کےدو مختلف رخ اور زاویے ہیں اور نام اس کا خود رائی ہے۔انسان نے معیشت کو اس کے اصل مقام و مرتبہ سے بڑھا کر ایسا غلو کیا ہے کہ اپنا مرتبہ اور مقصد فراموش کر بیٹھا۔نتیجہ وہی ہوا جو

ذریعہ کو مقصد بنانے کا ہوتا ہے۔انسان صرف پیٹ کا نام نہیں بلکہ اس میں دل و دماغ بھی ہے اور اس کے دیگر اعضاء بھی ہیں ،اگر کوئی شخص دل و دماغ کے بجائے پیٹ سے سوچنا شروع کردے تو اس کی جو کیفیت ہوسکتی ہے وہ نظامِ معیشت کو مرکز و محور بنانے سے پوری انسانیت کی ہوچکی ہے۔ایک بھوکے کو اجرام فلکی بھی روٹیاں نظر آسکتی ہیں لیکن اس سے نظام شمسی میں خلل آسکتا ہے اور نہ علم فلکیات کی اہمیت کم ہوسکتی ہے۔انسان تنگ نظر اور جذباتی مخلوق ہے اس لئے اسکی سب سے بڑی غلطی ہے کہ مسائل کو حل کرنے کےلئے اپنے اور اس کائنات کے خالق سے رجوع کرنے کے بجائے خود ہی ان کا حل کرنے بیٹھ جائے۔عام زندگی میں (SELF MEDICATION)خطرناک ہے تو اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات کتنے مہلک ہوسکتے ہیں دنیا کی موجودہ صورت حال اس کا ثبوت ہے ایسی صورت میں ایک انسان کو اس سے اچھا مشورہ نہیں دیا جاسکتا کہ

؎دست ہرنا اہل بیمارت کند
سوئے مادرآ کہ تیمارت کند

انسانیت پر اس سے بڑا احسان نہیں ہوسکتا کہ انسانی معاشرے کو اجتماعی طور پر اپنے اور اس سارے جہان کے خالق و مالک کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی جائے۔ انبیاء علیہم الصلاۃ و السلام اسی لئے انسانیت کے محسن ہیں علیہم الصلوات و التسلیمات اور پیغمبر آخر و اعظم انسانیت کے محسن اعظم ہیں علیہ أفضل الصلاۃ و أزکی التسلیمات وہ بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں:

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

التکویر–27/26

ترجمہ:"لوگوں تم کدھر جارہے ہو؟یہ (قرآن) جہان بھر کے لوگوں کے لئے نصیحت ہی تو ہے"۔

قرآن حکیم نے نہ صرف مرض کی تشخیص فرمائی بلکہ اس کے علاج کے لئے نسخہ ء کیمیا بھی عطا کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ

النحل-114/112

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو (ہر طرح) امن و اطمینان سے تھی ہر طرف سے رزق بافراغت وہاں چلا آتا تھا۔مگر اس کےرہنے والوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کی پاداش میں ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر نا شکری کا مزہ چکھا دیا اور ان کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو انہیں عذاب نے آپکڑا جبکہ وہ ظالم تھے۔پس اللہ نے تم کو جو حلال طیب رزق دیا ہے ،اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر بجا لاؤاگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔"

یعنی اشیاء کی فراوانی اور نعمتوں کی ارزانی پر اللہ رب العزت جو منعم حقیقی ہے کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفر کرنا موجب ہے ان نعمتوں کےچھن جانے کا۔اللہ کی ناشکری کا مظہر یہ ہے کہ اس کی طرف سے بھیجے گئے رسول پر ایمان لانے ان کی تکریم کرنے اور اطاعت کا دم بھرنے کی بجائے تکذیب و استہزاء کا راستہ اختیار کیا۔اس عذاب سے نجات کاایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کا حلال کیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا لاؤ اور صرف اسی کی عبادت کرو ، کہ مالک الملک اور

عزیز مقتدر ہے اس کی اطاعت کروگے تو آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے تم پر کھول دے گا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

الاعراف-96

ترجمہ :"اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور ہماری نافرمانی سے بچتے تو ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی سو ان کے اعمال کی پاداش میں ہم نے ان کو پکڑ لیا "۔

اور جب کسی بستی سے نعمتیں چھین لینا چاہے تو بظاہر ان کی معیشت کتنی ہی مضبوط ہو سزا کا قانون الٰہی ان پر نافذ ہوکر ہی رہتا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ

القصص-58

ترجمہ:"اور ہم نے بہت سی بستیوں کو تباہ کر ڈالا جو اپنی معیشت(کی فراخی) پر اترارہے تھے پھر یہ ان کے محلات ہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد ہوئے اور ان کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے "۔

اسی لئے انسانیت کی فلاح دین حنیف دین اسلام کے دامن میں پناہ لینے میں ہے ۔جب وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوں گے کہ اس کے نظام اقتصاد یات کی برکات سے بھی بہرہ مند اور مستفید ہوں گے اس لئے کہ اسلام کا نظام معیشت اسلام سے الگ کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اسی شجرہ طیبہ کی ایک سرسبز و ثمر بار شاخ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

ابراھیم-25/24

ترجمہ :کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال کیسی بیان فرمائی ہے وہ ایسے ہے کہ جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط یعنی زمین کو پکڑے ہوئے ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔

اور یہ اسلام کے تعلیم کردہ راسخ عقائد ،قرآن حکیم اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اورتعلیم فرمودہ حکیمانہ عبادات اور عظیم ترین اور کامل ترین نظام اخلاق کی سرزمین میں اگلنے والا شجر طیبہ ہے۔اور خون میں پیوست شاخ ہے۔جو ہر طرف سے اور ہر طرح سے محفوظ ہے۔موسموں کے تغیرات اور افراد کی تلون مزاجی اس پر نظر انداز نہیں ہوتی۔

اس اعتبار سے اسلامی نظام معیشت کی بنیاد ی اور اولین خصوصیت تو یہی ہے کہ یہ نظام ربانی ہے جبکہ اس کے مقابلے باقی تمام نظامہائے معیشت (اگر ان کو نظام کہاجاسکے) تو انسانی بلکہ محض شیطانی ہیں۔اس لئے کہ بندہ جب رحمن کا نہیں ہوتا تو شیطان کا ہوتا ہے تیسرا اختیار (Third Option) یہاں پر سرے سے موجود نہیں ،اللہ تعالی کا فرمان ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ

فاطر-6

ترجمہ :وہ اپنے گروہ کے(لوگوں) کو پکارتا ہے تاکہ وہ دوزخ میں جانے والے بن جائیں۔

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ

المجادلة-19

ترجمہ: شیطان نے انکو قابو میں کرلیا ہے اور انہیں اللہ کی یاد بھلا دی ہے یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں اور آگاہ رہو شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے"۔

اسلام اللہ تعالی کا مقرر کردہ اور پسندیدہ فرمودہ نظام حیات ہے تمام انبیاء علیہم السلام اس کی دعوت دیتے رہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

آل عمران-19

ترجمہ :" دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے"۔

لیکن براہین و بینات سے آنکھیں موندنے والے نت نئے عقیدے بناتے اور نظام تراشتے رہے۔اپنے علم یا علوم کے غرلے میں مختلف انسانی گروہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت اور نصیحت کو ٹھکراتے رہے اور اس کے نتیجے میں عذاب پر عذاب چکھتے رہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ

المؤمن-83/82

ترجمہ:"کیا ان لوگوں نے زمین پھر کر دیکھا نہیں کہ انہیں نظر آتا کہ جو لوگ ان سے پہلے اس راستے پر تھے ان کا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ ان سے تعداد میں زیادہ اور طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط تھے اور زمین میں نشانات بنانے میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے تو جو کچھ وہ کرتے رہے ان کے کسی کام نہیں آیا۔اور جب

ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں اور واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا ، نتیجہ جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا "۔

مثال کے طور پر شعیب علیہ السلام کی قوم نے تو مالی معاملات میں ان کی حکیمانہ نصیحت کو"مداخلت بے جا"قرار دیکر اس پر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا۔ارشاد باری تعالی ہے:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ

هود-87/84

ترجمہ:"اور اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کومبعوث کیا انہوں نے (اپنی قوم) سے کہا اے میری قوم ! صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تم کو آسودا حال دیکھتا ہوں اور تمھارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیرے گا۔اور اے میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو ، اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا منافع تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومنوں میں سے ہواور میں تم پر نگران نہیں ۔انہوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز ، تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں یا ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا چھوڑ دیں تم تو بڑے نرم خو اور رست باز ہو "۔

تا آنکہ پیغمبر آخر و اعظم حضرت محمد ﷺ اسلام کی کامل ترین اور واضح ترین صورت یعنی کتاب وسنت پر مشتمل 'حنیفیۃ السمحۃ 'کے ساتھ مبعوث ہوئے۔جس میں رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔اور اللہ تعالی نے

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

المائدۃ-3

فرماکر رہتی دنیا تک کے انسانوں پر حجت قائم اور تمام کردی۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ

الانفال-42

اور واضح طور پر بتادیا کہ دنیا و آخرت کی فلاح اسی نظام کی کامل اتباع و تنفیذ کے ساتھ وابستہ و مشروط ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

الم ﴿١﴾ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾

البقرۃ-5/1

ترجمہ:"الٓمٓ۔یہ قرآن وہی کتاب منتظر ہے (اس کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ، اہل التقوی کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں ، آداب کے ساتھ نماز ادا کرنے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ، ،اور جو کتاب و شریعت (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر نازل کی گئی اور جو کتاب و شریعت تم سے پہلے نازل کی گئی سب پر ایمان لاتے اور اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

تو اسلام کے لائے ہوئے نظام معیشت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ربانی ہے اس کے بعد ایک صاحب ایمان کو کچھ اور جاننے کی ضرورت نہیں رہتی۔تا ہم رسم دنیا نبھانے کے لئے اوراجتماع احباب کے نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ، اس نظام معیشت کے امتیاز ی خصائص پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اس اذعان و یقین کے ساتھ کہ اس کے خصا ئص و امتیازات کا احاطہ حد امکان سے باہر ہے:

وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ

المدثر-31

ترجمہ: اور ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو۔اور اہل کتاب اور ایماندار کسی شک میں نہ رہیں۔

اسلامی نظام معیشت کے چند امتیازی خصائص

(1)حقانیت:

اسلام کا نظام معیشت ہی حقیقت میں ایک نظام ہے۔باقی نظاموں کو نظام صرف اس طرح کہا جاتا ہے جیسے کہ اسلام کے سوا باقی مذاہب کو بھی دین کہہ لیا جاتا ہے ،لیکن جس طرح ہمارا ایمان ہی نہیں ہمارا دعوی ہے کہ لا الہ الا اللہ۔کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اسی طرح ہمارا یقین ہے کہ اسلامی نظام معیشت کے سوا کوئی نظام نہیں بلکہ"نظام "کے خلاف بغاوت سے عبارت ہیں۔

اور تمام " نظام ہائے معیشت " جو اصل میں سارے ایک ہیں۔دنیا کی حقیقت اسی میں انسانیت کی حیثیت کے بارے میں درست معلومات اور عقائد پر مبنی نہیں ہیں اور معلوم ہے کہ

؎خشت اول چوں نہدمعمار کج

تاثر یامی رود دیوار کج

اور اسلام کے نظام معیشت کا قصر رفیع حق اور حقائق کی بنیاد پر استوار ہے اور یہ امر محتاج بیان اور محتاج دلیل نہیں کہ حق تعالی سے بڑھ کر ان اشیاء کی حقیقت کون جانے گا۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

الملك-14

(الملک) وہی بتاتا ہے کہ انسان کو بے مقصد پیدا کیا گیا نہ بے مہار چھوڑا گیا وہ خلافت ارضی کا تاجدار اور اس عظیم امانت کا امانت دار ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

الاحزاب-72

ترجمہ :''ہم نے یہ امانت آسمانوں ، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے او ر انسان نے اسے اٹھا لیا بلاشبہ وہ ظالم اور جاہل تھا''۔

اسی نے بتایا کہ اس نے مال کو زندگی کے قیام کا ذریعہ بنا یا ہے۔ارشاد ربانی ہے :

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا

النساء-5

ترجمہ :اور اپنے مال جسے اللہ نے تمہارے لئے قیام زندگی بنایا ہے بے وقوفوں کے حوالے نہ کرو،ہاں البتہ انہیں اس مال میں سے کھلاؤ ،پلاؤ،پہناؤ ، اوڑھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ

الجمعة-10

ترجمہ :''پھر جب نماز ہوچکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو''۔
اور یہ بھی سمجھا دیا کہ مال و منال ایک ضرورت ہونے کے ساتھ آزمائش ہیں۔جس سے انسان گزرتا ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾

الانفال-28

ترجمہ :''اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد درحقیقت تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں۔(اور اس میں پورا اترنے والوں کے لئے)اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر وثواب ہے''۔

(2)مقصد تخلیق سے ہم آہنگی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے پیدا کیا کہ یہ اس کی عبادت کرے اس کی بندگی بجالائے اور اس کے لئے اپنے پسندیدہ دین میں نظام معیشت بھی ایسا شروع کردیا جو اس کے مقصد تخلیق سے موافقت رکھتا ہے اور مکمل طور پر اس سے ہم آہنگ ہے ۔ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ

البقرة-172

ترجمہ :اے اہل ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر بجالاؤ اگر تم حقیقت میں اسی کی بندگی کرتے ہو۔

یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ انسان کے کردار کا اس کی خوراک سے بہت گہرا تعلق ہے۔تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور قوتیں غذا سے بنتی اور پنپتی ہیں اگر غذا درست ہوگی تو عمل صالح ہوگا۔ارشاد باری تعالی ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

المؤمنون-51

ترجمہ :"اے گروہ رسولاں ! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو ، "۔

اگر جسم کی نشونما کا سبب بننے والی غذا ہی درست اور حلال نہ ہو تو عمل صالح نہیں ہو سکتا اسی حقیقت کو جناب رسو ل اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے یوں بیان فرمایا ہے:

" **لا یربو لحم نبت من سحت الا کانت النار اولی به**"

ترجمہ :"جو گوشت حرام سے پرورش پاکر بڑھتا ہے تا اس کا اصل ٹھکانا آگ ہی ہے "[2]-

(3)اصالت

اسلامی نظام معیشت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مستقل اور سب سے ممتاز نظام ہے۔انسانی تجربات کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا اور نہ یہ کسی قسم کے رد عمل کا ثمر ہے۔باقی تمام نظامہائے معیشت ردعمل کے طور پر وجود میں آئے۔تجربات ہیں یا تجربات سے اخذ کیا ہوا نتیجہ۔جاگیر داری نظام دور غلامی کی کوکھ سے پیدا ہوا اس لئے اس کے تمام خصائص کا حامل تھا۔غلامی میں آقا ایک فرد ہوتا تھا تو نظام جاگیرداری میں پورا نظام، پھر زمانے نے ایک کروٹ لی جاگیر داری نظام نے سرمایہ داری نظام کی شکل اختیار کرلی۔جاگیر دار سرمایہ دار بن گیا اور کاشتکار مزدور ٹھہرا۔اور آزاد معیشت کے نام پر ایسا استبداد مسلط ہوا کہ لوگ دور غلامی اور جاگیرداری کی سختیاں بھول گئے۔اس کے رد عمل میں سوشلزم نے جنم لیا لیکن استحصال کے خاتمے کا دعوی لیکر اٹھنے والی تحریک ریاست کی طاقت سے لیس ہو کر استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی۔اور ترقی پسندی کے نام پر ترقی معکوس کرتے ہوئے انسانیت کو بدترین غلامی کے دور میں پہنچادیا۔یہ انسانی شعور اور معاشی نظریات کے ارتقاء کی مختصر تاریخ ہے۔اس کے مقابل اسلام کا نظام اقتصادیات اللہ ربّ العزۃ

والجلال کے علم وحکمت کا مظہر اور اس کی رحمت کا نشان ہے۔اور تہوز ، انتقام ، طیش وغیرہ رد عمل کے ہر نقص سے مبرا ہے۔

(4)وضاحت:

اسلام کے نظام معیشت میں کوئی پیچیدگی نہیں ،وہ بالکل واضح اور ہر قسم کے ابہام سے پاک ہے قرآن آیات بینات پر مشتمل ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

' 'الحلال بین والحرام بین ' '

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔

اسی طرح اسلامی نظام معیشت میں معاہدہ یا خرید و فروخت کرنے والوں کو بھی یہی حکم ہے کہ صداقت و وضاحت سے کام لیں۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

' 'البیعان بالخیار مالم یتفرقا فان صدقا وبینا بورک لھما فی بیعھما وان کتما و کذبا محقت برکۃ بیعھما "

یعنی سودے کے دونوں فریقوں کو الگ الگ ہونے تک اختیار ہے اگر دونوں صداقت اور وضاحت سے کام لیں گے تو انکے سودے میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ اور فریب سے کام لیں گے تو سودے کی برکت ختم کردی جائے گی "۔]3[

حضور نبی اکرم ﷺ بازار میں تشریف لے گئے ،اناج کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو تری محسوس کی تو دکاندار سے فرمایا: یہ کیا ؟ اس نے کہا حضور رات کو اس پر بارش پڑگئی تھی ،فرمایا: تو گیلا حصہ اوپر کرنا تھا۔

' 'من غش فلیس منا"۔

جس نے ہمیں اندھیرے میں رکھا وہ ہم میں سے نہیں]. 4[

یہی وجہ ہے کہ محاقلہ اور مزابنہ سے منع کردیا گیا ہے) کھیت میں سٹوں اور بالیوں میں موجود اناج کو خشک اناج کی معلوم و معین تعداد کے بدلے فروخت کرنا محاقلہ کہلاتا ہے اور درختوں یا بیلوں میں لگے پھل کو اسی نوع کے خشک پھل کی معلوم

و معین مقدار کے عوض بیچنا مزابنہ کہلاتا ہے(۔بیع سلم میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"من أسلف فی شئی فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم"

' 'اگر کوئی پیشگی ادائیگی کرتا ہے تو اس چیز کاماپ تول اور ادائیگی کی مدت معلوم ہونی چاہئے " ۔[5]

۔ابہام نہیں ہونا چاہئے۔الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ :میں قراض کی تعریف ہی یہ بیان کی گئی ہے:

"ھو ان یدفع الرجل الی رجل نقدا لیتجریہ علی ان الربح بینھما علی مایتشارطانہ"

ترجمہ: یعنی قراض یا مضاربہ اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک شخص اگر دوسرے کو مال مہیا کرے کہ وہ اس میں تجارت کرے گا اورمنافع ان دونوں کے درمیان طے شدہ نسبت کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔[6]

اس کے بعد مشہور لغوی الازہری کے حوالے سے اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے:

' 'لأن لکل واحد منھما فی الربح شئ مقروضا لا یتعداہ' '

اس معاہدے کو قراض اس لئے کہا جاتاہے کہ فریقین میں سے ایک کو منافع میں سے قطعی طور پر طے شدہ ملتا ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔

(5)صداقت و امانت

اسلام اپنے پیروؤں کو اور خاص طور پر رجال معیشت و اقتصاد کو امانت اور صداقت کا حکم دیتا ہے ارشاد باری تعالی ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

النساء-58

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچادو"۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معلم شریعت محسن انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشھداء"

ترجمہ :صداقت شعار اور امانت دار تاجر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔]7[

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا ًروایت ہے کہ:

"ان اللہ تعالی یقول أنا ثالث الشریکین مالم یخن أحدھما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھم"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: " میں شراکت داروں کا تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان میں سے کوئی دوسرے کی خیانت نہ کرے پھر جب کوئی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں"۔]8[

(6)عدالت

یہ کائنات کہ انسان جس کا ایک حصہ ہے اللہ تعالی نے اس کا سارا نظام عدل اصلاح اور توازن پر قائم کیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿٧﴾ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿٨﴾ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ

الرحمٰن-9/7

ترجمہ :"اس نے آسمان کو بلند کیا اور اوپر اٹھایا اور میزان عدل رکھدی تاکہ تم میزان میں خلل اندازی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترزو میں تولتے وقت کمی نہ کرو "۔

کائنات کا سارا نظام عدل پر قائم ہے اس لئے انسان جو اس امانت کاامین ہے ، اس کا فرض ہے کہ اپنے دائرہ اختیار میں عدل قائم کرے اور ہر حقدار تک اس کا حق پہنچائے اگر یہ عدل و توازن قائم نہ رہے تو میزان عالم خلل پذیر ہوتی ہے اور اسی کو قرآن" فساد فی الارض" سے تعبیر کرتا ہے ارشاد بار ی تعالی ہے:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

هود-85/84

ترجمہ: ''اور اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کومبعوث کیا انہوں نے (اپنی قوم) سے کہا اے میری قوم ! صرف اللہ کی موحدانہ عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تم کو آسودا حال دیکھتا ہوں اور تمھارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیرے گا۔اور اے میری قوم کے لوگو !عدل و انصاف کے ساتھ پورا ماپو اور تولو اور لوگوں کی چیزیں کم کرکے نہ دیا کرو ، اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو ''۔

چنانچہ عدل و انصاف کائنات کی سب سے بڑی ضرورت اور انسان کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عدل صرف قانون کی عملداری کا نام نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف کا گلا تو قانون سازی کے نام پر ہی گھونٹا جاتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان عدل کر بھی نہیں سکتا اس کے پاس علم نہیں جھل ہے، عدل نہیں ظلم ہے، خالق کائنات کا بیان واجب الاذعان ہے

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

الاحزاب-72

بلاشبہ انسان بڑا ہی ظالم ، جاہل واقع ہوا ہے۔اس کو علم اللہ تعالی عطا فرماتا ہے

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ

البقرة-255

ترجمہ : اس کہ علم میں سے یہ کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جسے اللہ چاہے ''۔

اور عدل اللہ تعالی اور اس کا رسول ﷺ سکھاتے ہیں

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا

الانعام-115

ترجمہ " اور تیرے رب کا کلام صداقت اور عدل میں کامل ہے"۔

ترجمہ " اور تیرے رب کا کلام صداقت اور عدل میں کامل ہے"۔اس لئے آسمانی ہدایت اور رہنمائی سے بے نیاز ہو کر انسان جو بھی نظام بناتا ہے اس میں علم نہیں ہوتا ،صداقت نہیں ہوتی، عدل نہیں ہوتا۔مزدور یا کسان اگر قانون سازی کا موقع پائے گا تو کار خانہ دار یا زمیندار کے حقوق ملحوظ نہیں رکھ پائے گا بلکہ حقوق کا پلڑا اپنے طبقہ کی طرف جھکالے گا اور اگر سرمایہ دار اور زمیندار قانون سازی کرے گا تو حقوق کا بہاؤ اپنی طرف کرلے گا۔اسی لئے مختلف نظامہائے معیشت عدم توازن اور عدل کے فقدان کے باعث ظلم و عدوان کا دوسرا نام بن کر رہ گئے قرآن حکیم نے اسی لئے فرمایا :

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

المائدۃ-45

ترجمہ: "اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتا تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں"۔

جو اقبال نے اسی معنی کو منظوم کرتے ہوئے کہا ہے۔

عقل خود بیں غافل از بہبود غیر　　سود خود بیند نہ بیند سودِ غیر

وحی حق بینندہ ٔسود ہمہ　　در نگاہش سود و بہبود ہمہ

عدل پر مبنی نظام وہی تشکیل دے سکتا ہے جو تمام فریقوں پر حاکم ہو اوران سے بالا تر بھی۔اس کا مفادان میں سے کسی کے ساتھ وابستہ نہ ہو۔اور یہ آسمانی وحی کے سوا کہیں نہیں ہوسکتا۔ظلم اور ظلمت کا ازالہ اسی نور سے ہوسکتا ہے جو انسانوں کو عدل کا راستہ دکھاتے ہوئے فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا

النساء-135

ترجمہ :" اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے اور اللہ کے لئے سچی گوا ہی دینے والے بنو خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے والدین یا قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر کوئی فقیر ہے یا امیر تو اللہ انکا بہتر کارساز ہے لہٰذا تم اپنی خواہش کے پیچھے لگ کر عدل و انصاف نہ چھوڑو۔اگر پیچیدہ شہادت دو یا شہادت دینے سے گریز کرو تو (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے"۔

(7)دوام و شمول

اسلامی نظام معیشت ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ،وقتی یا موسمی نہیں اور نہ ہی ہر دم متغیر نظریات کی طرح تبدیلی اور ترامیم کا شکار ہوتا ہے۔اس لئے کہ یہ تجربات و حوادث کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا بلکہ علیم و خبیر، خلاق ارض و سماء عالم الغیب و الشھادہ کا نازل فرمودہ دین ہے جو انسان کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

الروم-30

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ کی پیدہ کردہ فطرت کو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے(اختیار کرو)، اللہ کی تخلیق کردہ فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا ، یہی سیدھا دین ہے ، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے "۔

اور یہ نظام تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے اس کے کسی طبقہ کے لئے نہیں، اس میں عرب و عجم کا امتیازہے نہ آجر و مستاجر کا اور نہ زمیندار اور کاشتکار کا بلکہ سب یکساں طور پر اللہ اور اس کے رسولﷺ کے اوامر و نواہی کے مخاطب ہیں ۔ارشاد باری تعالی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

النحل-90

ترجمہ: اللہ عدل ،احسان ،اور رشتہ داروں کو(مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نا معقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم یاد رکھو "۔

اور نبی کریم معلم بشریت مرشد انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لايبيع المرء على بيع أخيه ولا تناجشوا ولا يبع حاضر لباد" '

ترجمہ :کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو اور کوئی شہری کسی بدوی کےلئے سودا نہ کرے "۔[9]

علاوہ ازیں قرآن وسنت کے الفاظ اور ان میں بیان کئے گئے اصول و ضوابط میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے کہ کوئی جز بھی اس سے باہر نہیں رہ جاتا یہی وجہ ہے کہ اختلاف رونما ہونے کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسولﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر کتاب و سنت میں ان اختلافات کا حل نہ ہو اور ان سے نکلنے کا راستہ نہ ہوتو یہ حکم عبث اور بے معنی ہوجاتا ہے۔

و اللہ و رسولہ بریئان منہ۔

ارشاد باری تعالی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

النساء – 59

ترجمہ: اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے اولو الامر ہیں ان کی بھی اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرو یہ بات بہت اچھی ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔

اس بارے میں دو امور ہمیشہ ملحوظ رہنے چاہئیں ان میں سے ایک تو فہم نصوص کا موہبہ الہیہ ہے جس کی طرف خلیفہ ء راشد رابع علی رضی اللہ عنہ نے

"إلا فهم يوتيه الله عز وجل رجلاً في كتاب الله"

فرما کر اشارہ کیا ان سے پوچھا گیا تھا کیا آپ لوگوں (اہل بیت) کے پاس کوئی خاص کتاب ہے ؟تو انہوں نے کہا کہ: نہیں سوائے اللہ کی کتاب کے یا پھر اس فہم کے جو اللہ تعالی کسی شخص کو قرآن کے متعلق عطا فرمائے۔]10[

اور دوسر ے نصوص قرآن حکیم اور سنت نبویہ کی معجزانہ بلاغت ،شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بل الصواب الذي عليه جمهور أئمة المسلمين أن النصوص وافية بجمهور أحكام افعال العباد۔۔۔۔وان أنكر ذلك من أنكره لانه من يفهم معنى النصوص العامة التي هي أقوال الله ورسوله وشمولها لأحكام أفعال العباد وذلك أن الله بعث محمدا صلى الله عليه وسلم بجوامع الكلم فيتكلم بالكلمة الجامعة التي هي قضية كلية وقاعدة عامة تتناول انواعاً كثيرة وتلك الانواع تتناول أعياناً لا تحصى"

ترجمہ: "درست بات وہ ہے جو جمہور ائمۃ المسلین کا موقف ہے کہ نصوص (کتاب و سنت) انسانوں کے تمام افعال کے احکام کے لئے کافی و وافی ہیں۔اس حقیقت کا

انکار جس نے بھی کیا تو اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ عام نصوص یعنی اللہ تعالی اور جناب رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے معانی اور ان کے افعال العباد کے جملہ احکام پر مشتمل ہونے کے وصف کو سمجھنے سے قاصر رہا۔اس لئے کہ اللہ تعالی نے سیدنا محمد ﷺ کو جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے چنانچہ وہ ایسا جامع لفظ بولتےہیں جو کلیہ اور قاعدہ عامہ ہوتا ہے اور جو بہت سی انواع کو شامل ہوتا ہے اور یہ انوع انگنت جزئیات کو حاوی ہوتی ہیں "۔[11]

اس اصول کی وضاحت میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ متعدد مثالیں ذکر کرکے فرماتے ہیں:

"ومن هذاالباب لفظ الربافانه يتناول كل مانهي عنه من الرباالنسأ والفضل والقرض الذى يجر منفعة وغير ذلک"

یعنی اس کی مثالوں میں ربا کا لفظ بھی ہے کہ ربا الفضل (اشیاء کی باہم کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت) ربا النسیئہ (مہلت کے عوض قرض کی رقم میں اضافہ کرنا)اور ہر ایسےقرض کو شامل ہے جس کے ساتھ فائدہ شرط ہو۔[12]

(8)مرونت و ملائمت

غیر متبدل اصول و مبادی پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معیشت کی ایک خصوصیت اس کی مرونت اور ملائمت بھی ہے یہ ہر طرح کے حالات میں مسائل کے حل اور احوال کے ساتھ مناسبت کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اور جناب رسول کریم ﷺ نے جس قدر تاکید حلال کے اکتساب اور حرام سے اجتناب کی کی ہے اسی قدر از خود کسی چیز کو حرام قرار دینے سے گریز کی کی ہے ۔ارشاد باری تعالی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

البقرة۔172

ترجمہ : اے ایمان والو جو پاکیزہ روزی ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اگر صرف اسی کی عبادت کرنے والے ہو تو اس کا شکر بجالاؤ۔

نیز فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ

البقرة-168

ترجمہ :"لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال اور طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

اسی طرح فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ

المائدة – 88/87

ترجمہ :"اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو ، کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اور حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہیں اسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو "۔

اور نبی مکرم رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الحلال ما احل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفا عنه" "

ترجمہ :"حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس سے سکوت اختیار تو وہ ہے جس سے عفو سے کام لیا "۔[13]

اور معاملات میں اصل اباحت (جواز)ہے تا وقتیکہ اس معاملہ میں حرمت یا کراہت پر دلیل قائم ہو جائے۔چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والأصل فی هذا أنه لا یحرم علی الناس من المعاملات التی یحتاجون الیها الا ما دل الکتاب والسنة علی تحریمه کما لا یشرع لهم من العبادات التی یتقربون بها الی الله إلا ما دل الکتاب والسنة علی شرعه إذا الدین ما شرعه الله والحرام ما حرمه الله.

' 'اس بارے میں اصل یہ ہے کہ انسانوں پر معاملات میں سے انہیں جس کی ضرورت رہتی ہے صرف وہی معاملات حرام ہوں گے جن کی حرمت پر کتاب و سنت میں سے دلیل قائم ہو جس طرح کہ عبادات جو ان کے لئے حصول تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں صرف وہ عبادات مشروع ہوں جن کی مشروعیت پر کتاب و سنت سے دلیل قائم ہو۔اس لئے کہ دین وہ ہے جسے اللہ شریعت قرار دے اور حرام وہ ہے جسے اللہ حرام قرار دے''۔]14[

تاہم یہ ایک نازک مقام ہے شریعت میں ملائمت اورمرونت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے موم کی ناک بنا لیا جائے اور باب الحیل چوپٹ کھول دیا جائے۔مولانا و مخدومنا عطاء اللہ الحنیف محدث بھوجیانی رحمہ اللہ کی ایک طویل عبارت بطور تبرک نقل کرنے کو جی چاہتا ہے کہ اس سے بہتر اس مسئلہ کی وضاحت مشکل ہے۔اور یہ ' 'خیر الکلام ما قلّ و دَلّ' '

کی بہترین مثال ہے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

' 'دراصل یہ مسئلہ بڑا ہی نازک ہے بلاشبہ اس کی افادیت بہت زیادہ ہے لیکن مفاد پرست سیاست باز اپنی ہر بے دینی ، عیاشی اور اقتصادی بے راہ روی کے لئے اس کو استعمال بھی کرسکتے ہیں چناچہ اسلامی ممالک کے الحاد پسند نہایت ہوشیاری سے '' صلاح و فلاح ملت '' اور '' روح اسلام '' کے لیبل لگا کر اسی اصول کی روشنی کی آڑ میں مفادی اور ظالمانہ سیاست کے لئے کھاد مہیا کر رہے ہیں۔

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ

المنافقون-4

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس نزاکت کو شدید طور پر محسوس فرمایا اور لکھا ہے:

" هذاموضع مزلة الأقدام مضلة أفهام وهو مقام ضنک فی معترک صعب فرط فیه طائفة فعطلوا الحدود وضیعوا الحقوق وجرأوا أهل الفجور علی الفساد۔۔۔۔۔وافرط فیه طائفة فسوغت منه ماینا قض حکم الله ."

ترجمہ:"یہ ایسا مقام ہے جہاں پاؤں پھسلتے ہیں اور عقلیں گمراہ ہوتی ہیں یہ تنگنائی اورانتہائی دشوار گذار کشمکش ہے کچھ لوگوں نے تفریط سے کام لیا تو حدود کو معطل کرنے، حقوق کے ضیاع کا سبب بنے اور انہوں نے اہل فجور کی حوصلہ افزائی کی ،جبکہ ایک گروہ افراط کا شکار ہوا انہوں نے ایسا تشدد روارکھا جواللہ تعالیٰ کے احکام میں مضمرحکمتوں کے منافی ہے۔][15

اظہر حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں کام صلاح سے قریب اور فساد سے دورہے اگر چہ اس بارے میں رسول اللہ نے کو ئی ہدایت نہیں دی ہے پر کہہ ومہ کا کام نہیں ہےاگر کوئی حکومت نیک نیتی سے عصر حاضر کے تقاضوں کو کتاب و سنت کی روشنی میں پورا کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہ کام ایک ایسی کمیٹی کو سپرد کرنا چاہیے جن کی نظر قرآن حکیم ،حدیث نبوی، قضایا وفتاوی صحابہ، مسالک ائمہ مجتہدین اورفقہی مکاتب فکر پر وسیع اور گہری ہونے کے باوصف موجودہ ضروریات کو خوب سمجھتی ہو اور سب سے بڑھ کریہ کہ یہ بزرگ تعلق باللہ اور تقویٰ وتدین کی صفات سے متصف ہوں۔

اور حق یہ ہے کہ یہ آخری وصف اسلامی نظامِ سیاست وعدالت میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔][16

واقعیت و افادیت

اسلام کا نظام معیشت صرف نظریہ نہیں اورافلاطون کی طرح صرف خیال نہیں بلکہ قرونِ مفضلہ میں کامل طور پر اور اس کے بعد بیشتر طور پر نافذ العمل رہااور یہی وہ زمانہ ہے جب انسان اسلام کے نظامِ عدل کے سایہ سے لطف اندوز ہو رہا

تھا۔ایک زمانہ تھا جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تھا تو نبی رحمت ﷺ اس کے متعلق سوال کرتے کہ:

' 'ھل علیہ من دین' '

اگر اثبات میں جواب ملتا تو

' 'ھل ترک من وفاء' '

قرض کی ادائیگی کا کوئی سامان کیا۔اگر اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی کا سامان ہوتا تو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ کہتے:

' 'صلّوا علی صاحبکم' '

تم خود ہی اس کی نماز جنازہ پڑھ لو"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رزق امت کو وسیع کردیا تو نبی اکرم ﷺ نے اعلان کروادیا:

"من ترك مالا فلورثته، ومن ترك دينا او كلا فإلينا"

' 'جو مال چھوڑ کر مرا تو اس کے وارثوں کے لئے ہےاور اگر کوئی قرض یا عیال چھوڑ کر مرا تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔]"17[

امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی نظام معیشت کے فیوض وبرکات اس طرح عام ہوئے کہ سیدنا معاذبن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات جمع کرنے کیلئے مقرر ہوئےوہاں انہوں نے نبی کرم ﷺ کے ارشاد

"توخذ من أغنياءهم وترد على فقراءهم " '

کہ "زکاۃ ان کے اصحاب ثروت سے وصول کی جائے گی اور ان کے محتاج افراد کی طرف لوٹا دی جائے گی "کی تعمیل کی۔تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کے بعد بھی ایک تہائی مال بچ رہاوہ انہوں نے دربار امارت میں پیش کردیا تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے وصول کرنے سے انکار کردیااور فرمایا:

"لم أبعثك جابياً ولا آخذاً جزية ولكن بعثتك لتأخذ من أغنياء الناس فترد على فقراءهم" '

میں نے تمھیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے نہیں بھیجا تھا میں نے تمھیں اس کام پر مقرر کیا تھا کہ ان کے مالدار لوگوں سے وصول کرو اور ان کے محتاج اورفقیرلوگوں تک پہنچا دو،سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"مابعثت الیک بشیءو أنا أجد أحداًیأخذہ منی"

میں نے یہ مال آپ کی طرف اس وقت بھیجا کہ مجھے یہاں کوئی وصول کرنے والا نہیں ملا۔

اس سے اگلےسال سیدنا معاذبن جبل رضی اللہ عنہ نے صدقات کی مد میں موصول ہونے والے مال کا نصف بیت المال کے لئے ارسال کر دیا تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات کی اور سیدنا معاذبن جبل نے وہی جواب دیاتیسرے سال یہ ہوا کہ سیدنا معاذبن جبل کو یمن میں صدقہ دینے کیلئے کوئی نہ ملااور انہوں نے تمام جمع شدہ مال دارالخلافہ مدینۃالرسول ﷺ کی طرف بھجوا دیا ،خلیفہ ثانی عمرالفاروق رضی اللہ عنہ نے پھرکہا کہ میں نے تمھیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے کے لئے متعین نہیں کیا تھااور سیدنامعاذبن جبل نے وہی جواب دیا]: '18]

' 'ماوجدت أحداًیاخذمني شیئا"

گویا اسلامی نظام معیشت کی برکت سے غربت کی شرح تیزی سے کم ہوتے ہوتےمعدوم ہو گئی،یہی نقشہ بنو امیہ کے دورِ حکومت میں قائم رہا،چنانچہ جناب عمر بن عبدالعزیزرحمہ اللہ(جنہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے) نے عراق میں اپنے والی ''عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو لکھا کہ

"أخرج للناس أعطیاتھم، أخرج للناس أعطیاتھم"

لوگوں کو ان کے مقررہ وظیفے پہنچاؤ۔تو اس نے جواب میں لکھا سب کو ان کے مقررہ وظائف دینے کے بعد بھی بیت المال میں صدقات کا مال باقی ہے تو خلیفہ نے اسے حکم دیا

"أنظر کل من أدان فی غیر سفہ ولا سرف فاقض عنہ' '

جائزہ لو کہ جس شخص نے بھی حماقت پر قرض نہ لیا ہو اور نہ ہی فضو ل خرچی کی بناء پر مقروض ہو گیا ہو اس کا قرض ادا کر دو۔
حاکم عراق عبد الحمید بن عبد الرحمن نے جواب دیا کہ اس طرح کے مقروضوں کا قرض بھی ادا کر دیا گیا ہےتاہم بیت المال میں زائد مال بدستور موجود ہے اس پر خلیفہ نے اسے لکھا
"أنظر كلّ بكر ليس له مال فشاء أن تزوّجه فزوّجه و أصدق عنه"
اچھی طرح دیکھو جو کوئی غیر شادی شدہ چاہتا ہو کہ تم اس کی شادی کرو تو اس کے نکاح کا اہتمام کرو اور اس کا حق مہر بیت المال سے ادا کرو، اس نے جواب دیا
' 'أني قد زوجت من وجدت"
اس طرح کا جو آدمی بھی مجھے ملا اس کانکاح کر چکا ہوں۔تو خلیفہ نے حکم دیا:
انظر من كانت عليه جزية فضعف عن أرضه فاسلفه ما يقوى به على عمل أرضه فانا لا نريدهم لعام و لا عامين
' '

' 'اگر کوئی جزیہ دینے والا اپنی زمین کی آمدن سے جزیہ دینے کے قابل نہیں رہاتو اس کو اتنا قرض دو جس سے وہ اپنی زمین سنوار سکےہم ان سے ایک سال نہیں بلکہ دو سال تک کچھ تقاضا نہیں کریں گے"۔[19]
جس طرح اللہ کے دین ،اسلام کا محاسن اور خصائص کااستقصاءاور احاطہ حد بیان وتقریر سے باہر ہےاسی طرح اس شجرہ طیبہ کی ایک شاخ اس کے نظام معیشت کے امتیازات وخصوصیات شمار کرنا بھی انسانی طاقت سے افزوں تر ہے۔ہم اس موقع پر لوگوں کی آزردگی اورمضمون کی طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالی ہمیں یہ بابرکت نظام اپنی زندگی میں وطن عزیز میں نافذ ہوتا اور اپنی برکات برساتا دکھائی دے۔
وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ أجمعین

[2] جامع ترمذی: کتاب الجمعۃ، باب ما ذکر فی فضل الصلاۃ، حدیث نمبر: 614

[3] متفق علیہ۔ من حدیث حکیم بن حزام

[4] صحیح مسلم، معجم طبرانی، حدیث نمبر: 10234، میں یہ الفاظ زائد ھیں و المکر و الخداع فی النار۔ مکر و فریب آگ میں (لے جانے کا موجب ھے

[5] بخاری: کتاب البیوع، باب اذا بین البیعان... 2079، مسلم: کتاب البیوع، باب السلم 1226

[6] الموسوعۃ الفقھیہ: 112/33

[7] جامع الترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ھے ، لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ھیں۔ الغرض مفھوماً یہ روایت صحیح ھے جس کی تائید شریعت کے دیگر بے شمار دلائل سے ھوتی ھے۔

[8] ابو داود کتاب البیوع باب الشرکۃ: 3383

[9] البخاری: کتاب البیوع، باب لا یبیع علی بیع اخیہ، حدیث نمبر: 214

{FN436}[10] البخاری: کتاب العلم، باب کتابۃ العلم: 111، مسند احمد: 79/1

[11] مجموع الفتاوی الکبری: 280/19

[12] أیضا ص 283

[13] الترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفراء، و ابن ماجۃ: کتاب الأطعمۃ و الحاکم عن سلمان

[14] الفتاوی الکبری 386/28

[15] اعلام: 309/4، و بدائع: 153/3

[16] تعلیق حیات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

[17] صحیح البخاری: باب الصلاۃ علی من ترک دینا 118/3

[18] کتاب الاموال لابی عبید: 596

[19] کتاب الاموال لابی عبید بن سلام: ص 251

(8) بینک گارنٹی کی شرعی حیثیت

عصر حاضر کے جدید مسائل میں سے اقتصادی معاملات کی اہمیت کا انکار کسی ذی عقل کیلئے ممکن نہیں اور اقتصادی معاملات میں ایک اہم ترین معاملہ بینکوں کی طرف سے جاری کردہ ''ضمانت'' کا [1]ہے جس کی حیثیت قانونی، معاشرتی اوربھروسہ کی ہوتی ہے ۔اس نوعیت کی ضمانت کا شرعی جائزہ اس امر کا متقاضی ہے کہ اس ضمانت کامکمل تصوراور مفہوم جاننا بہت ضروری ہے جو اس امر کی وضاحت پر مبنی ہو کہ اس قسم کی ضمانت کی ممکنہ مشتملات وجزئیات کیا ہو سکتی ہیں؟ اس ضمانت کو کن اصولوں کے مطابق جاری کیا جاتا ہے ؟ اس کی میعاد کتنی ہو سکتی ہے ؟ اور کیا اس کی تجدید ممکن ہے؟ اور سب سے اہم ترین امر یہ کہ احکامِ شریعت کی رو سے اس کے مکمل خدوخال کیا ہو سکتے ہیں۔

موضوع کی مناسبت سے بحث کو دو ابواب میں بیان کیا جا رہا ہے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلا باب درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

☆بینک گارنٹی کی تعریف☆مستفید کی نوعیت☆گارنٹی کا مقصد

☆گارنٹی اجراء کا طریقہ کار☆گارنٹی کی انواع واقسام

دوسرا باب :بنک گارنٹی کی شرعی حیثیت

پہلا مبحث : بینک گارنٹی [2]بینک گارنٹی لیٹر کی حقیقت

گارنٹی لیٹر ایک ایسا قطعی وعدہ ہےجو محدود وقت کے لیے ناقابل واپسی ہے اور جو بینک کی جانب سے اس وقت جاری کیا جاتا ہے جب کوئی کاروباری فریق دوسرے فریق کے ساتھ مالی یا لین دین کے معاملات طے کرتے وقت ضمانت طلب کرتا ہے۔ یہ ضمانت کسی ٹینڈر کے حوالے سے ہو یا کسی منصوبہ کے آغاز کے حوالے سےاس

میں دونوں شامل ہیں اور اس کا اصل مقصد مستفید کے لیے معاہدہ کی پابندی کروانا ہے تاکہ اگر کلائنٹ یعنی فریق اول طے شدہ معاہدہ کی پابندی کرنے میں کوتاہی سے کام لے یا منصوبہ کی تکمیل کے حوالے سے قوانین کی پابندی نہ کرے تو ایسی کیفیت میں بینک فریق اول سے اس معاہدہ کی پابندی کرواتا ہے۔

بینک گارنٹی کے ارکان

(1)بینک: جس کی حیثیت ضامن کی ہے۔اور ضامن وہ ہوتا ہے جو کسی غیر کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لے۔

(2)کلائنٹ: وہ فریق جس کی ضمانت دی جا ئے۔

(3)مستفید: وہ فریق جس کو ضمانت دی جائے۔

(4)مالیت ضمانت : وہ مالیت جس کی ضمانت دی جا رہی ہو۔

بینک گارنٹی کی اصطلاح عمومی طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے یہ چار عناصر ہی مرادہوتے ہیں۔

کلائنٹ : جس کی ضمانت دی جا ئے۔

عمومی طور پر کلائنٹ کوئی کمپنی بھی ہو سکتی ہے اورایسا ادارہ بھی جس کی قانونی حیثیت فاؤنڈیشن کی حیثیت سے ہولیکن اس کے معاملات طے کرنے کے لیے کسی منیجرکا ہونا ضروری ہے۔جسے مینجنگ ڈائریکٹربھی کہا جا سکتا ہے۔

مستفید

عمومی طور پر کوئی قابلِ اعتبار شخصیت ہوتی ہے جیسا کہ گورنمنٹ انٹرسٹ ہو فاؤنڈیشن یا کوئی معروف کمپنی ہوشخصی اعتبار سے کوئی فرد شاذونادر ہی ہوتا ہے۔

اہداف و مقاصد

درحقیقت بینک ضمانت اُس فریق کے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے جس نے اسے طلب کیا ہوتا ہے خواہ اس کی حیثیت حکومتی ہو یا کمپنی کی ہو،چونکہ اس کا مقصد منصوبوں پرعمل درآمد کو یقینی بنانا یا خرید کردہ اشیاء

کی کوالٹی ، ورائٹی ،ڈیلیوری ٹائمنگ ، کیلئے انشورنس کرانا ہوتا ہے۔لہٰذا اس میں مستفید کیلئے اس ضمانت کی فراہمی کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ کسی بھی نوعیت کی کمی ، کوتاہی اور ناکامی کی ذمہ داری کلائنٹ یعنی فریق اول پر ہو گی جس کے بارے میں ضمانت دی جا رہی ہے۔اس عمل میں بینک بھی اس وقت تک کسی قسم کی ضمانت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا جب تک اسے مکمل تسلی نہ ہوجائے کہ جس کی وہ ضمانت دے رہا ہے وہ مکمل طور پر مالی اور معنوی حیثیت سے اس معاہدے کی پاسداری کااہل ہے۔لہٰذا بینک گارنٹی کے معاہدے میں ایک اضافی ضمانت بھی فراہم ہوجاتی ہے کہ منصوبوں اور ٹینڈرز میں صرف اور صرف وہی شخص شرکت کرسکتا ہے جو یہ اہلیت رکھتا ہو کہ وہ اپنے ذمہ لئے گئے تمام معاہدات کو پورا کرنے پر قادر ہے۔

بینک ضمانت جاری کرنے کا طریقہ کار

عمومی طور پر بینک ضمانت اس وقت جاری کی جاتی ہے جب کوئی فریق اسے بینک سے طلب کرتا ہے اور وہ فریق اپنی اس طلب میں ضمانت کی رقم اور اس کی مدت کا تعین کرتا ہے اور اس امر کا بھی ذکر کرتا ہے کہ یہ کس مد میں لی جار رہی ہے۔

ضمانت جاری کرنے والے بینک کے لئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ ضمانت دیتے وقت وہ کلائنٹ کے بارے میں مکمل طور پر مطمئن ہو کہ وہ واقعتاً مالی اور معنوی طور پرحسب ضرورت عند الطلب اس کی ادائیگی کرسکتا ہو بلکہ بوقت ضرورت اس کی مدت صلاحیت میں توسیع بھی کر سکتا ہو۔اور جب ضمانت کی رقم بڑی ہو تو اس صورت میں بینک عموما کچھ تامینات یعنی ضمانت کے طور پر کلائنٹ سے چند مالیت والیچیزیں بطور گروی طلب کرتا ہے جیسا کہ کوئی رجسٹرڈ رئیل اسٹیٹ یا مختلف کمپنیوں میں حصص کے پیپرز بینک میں جمع کرائے ، کہ اگر بینک سے کفالت کی رقم طلب کی جائے تو وہ باآسانی گروی شدہ چیزوں کو نقد میں تبدیل کروا سکے۔یہ چیزیں گروی رکھوانے کے ساتھ گروی رکھنے والے کلائنٹ سے اس معاہدے پر دستخط لئے جاتے

ہیں کہ بوقت ضرورت وہ ان چیزوں سے دست بردارہوجائے یا پھر وہ اس پر راضی نہیں تو کسی اورمعروف بینک کی کفالت جمع کرائے۔

بینک گارنٹی میں عمومی طور پر بینک کلائنٹ سے ضمانت کی 25% فیصدنقد رقم بطور انشورنس اپنے پاس جمع کرتا ہے۔بسا اوقات منصوبے کی نوعیت اور کلائنٹ کی مالی ومعنوی پوزیشن دیکھتے ہوئےاس رقم میں کمی و بیشی بھی ممکن ہوتی ہے۔لہٰذا ان تمام ضروری مراحل کے بعد بینک گارنٹی لیٹر کا اجراء کر دیتا ہے۔

بینک ضمانت کی اقسام

اول : ابتدائی ضمانت:(bid bond)یہ ضمانت کسی پروجیکٹ یا ٹینڈر کی بولی میں شرکت کیلئے دی جاتی ہے۔اور اس کی مالیت ٹینڈرز کی طے شدہ مالیت کا ایک فیصدیا اس سے کچھ زیادہ ہوتی ہے ، یہ ضمانت ایک مخصوص مدت کیلئے ہوتی ہے عمومی طور پر اس کی مدت تین ماہ ہوتی ہے۔

یہ بینکنگ معاہدہ کلائنٹ دوسرے فریق کو پیش کرتا ہے جس میں کوئی ذمہ دار حیثیت اس پر ضامن ہوتی ہے۔تاکہ فریق اول کیلئے ٹینڈرز کی بولی میں شریک ہونا ممکن ہوسکے۔لہٰذا ابتدائی ضمانت کی حیثیت ایک طرح سے ابتدائی گروی کی ہے جو اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ کلائنٹ اس ٹینڈر میں شرکت کا اہل ہے۔اور اس لیٹر کو کالعدم کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوتا الاکہ قانونی طور پر مستفید اس کا مطالبہ کرے۔

دوم : نہائی ضمانت : (performance bond)بنک ضمانت کی اس قسم کا تعلق طے شدہ معاہدہ کی عملی تطبیق سے ہے اور اس امر سے بھی کہ دوران معاہدہ منصوبہ یا ٹینڈرز کی کسی بھی طے شدہ شق کی مخالفت نہ ہونے پائے۔اور اس کی مالیت ہمیشہ منصوبہ یا ٹینڈرز کے 5 %فیصد کے برابر ہوتی ہے اور اس کی مدت ایک سال کی ہوتی ہے جس میں اضافہ بھی ممکن ہوتا ہے۔لہٰذا مقررہ شرائط وصفات میں اگر کلائنٹ کی جانب سے کمی پائی گئی تو مستفید مذکورہ ضمانت کی رقم سے اس کی تلافی کرے گا۔لہٰذا اس کی حیثیت بوقت ضرورت گارنٹی کی ہے۔اور یہ کسی بھی

صورت میں ختم یا منسوخ نہیں کی جا سکتی سوائے یہ کہ مستفید یعنی دوسرا فریق اس کا مطالبہ کرے۔

سوم : منصوبے اور ٹینڈر کے اخراجات کے لئے ایک فل مارجن (FULL MARGIN)پر ضمانت لیٹر حاصل کرنا۔

یعنی کلائنٹ بینک کو بطور ایڈوانس موجودہ منصوبہ کی مد میں اتنی مالیت کی ضمانت دیتا ہے جو دوسرے فریق یعنی مستفید کے مالی حقوق کے تحفظ کی خاطر ہو اور اس کا مقصد بھی ضمانت کی سابقہ قسم کی طرح ہی ہے۔

چہارم : ضمانت کالیٹر (Shipping Guarante) بینک گارنٹی کی مذکورہ تین اقسام کے علاوہ ایک چوتھی قسم بھی ہے جو بینک شپنگ کمپنیوں یا اسٹیمرز ایجنسیز (Steamers agencies)کے حوالے سے وضع کرتا ہے۔اس کا اجراء بینک اس وقت کرتا ہے جب درآمد کیا گیا سامان تو معینہ بندرگاہ تک پہنچ جاتا ہے لیکن دستاویزات وقت پر نہیں پہنچ پاتیں جن کا تعلق درآمد شدہ سامان کی مالیت اور قیمت سے ہوتا ہے۔بسا اوقات اس میں یہ خدشہ پایا جاتا ہے کہ یہ سامان اگر اسی طرح بندرگاہ پر کچھ عرصہ پڑا رہا تو خراب یا ضائع ہوجائے گا۔لہٰذا مذکورہ بالا ضمانت میں بینک یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ مال سے متعلق تمام دستاویزات فورا اسٹیمرز کے ایجنٹس کے حوالے کردے گا۔بینک کی ا سضمانت کی بنیاد پر درآمد کرنے والا (شپنگ کمپنی سے) اپنا سامان وصول کرلیتا ہے۔

اس ضمانت کے اجراء کیلئے امپورٹر بینک کو درخواست دیتا ہے اور اس کے ساتھ اس درآمدی ضمانت (Import L/C) کی تمام قیمت بھی ادا کردیتا ہے جو کہ درآمد شدہ سامان کی قیمت کے مطابق ہوتی ہے۔اس کےبعد بینک کلائنٹ کے نام گارنٹی جاری کرد یتا ہے۔اور کلائنٹ جاری کردہ ضمانتی خط کو جہاز راں کمپنیوں کے مخصوص ایجنٹوں کے حوالے کردیتا ہے۔

گارنٹی لیٹر کے اجراء سے بینک کو حاصل ہونے والا فائدہ

یہ وعدہ یا معاہدہ جس کی بناء پر بینک نے کلائنٹ کی ذمہ داری کو اپنے ذمہ لیا ہے کہ وہ کلائنٹ کی طرف سے مستفید کو گارنٹی لیٹر معاہدہ اور اس کی شرائط کی رو سے لاگو ہونے والی رقم کی ادائیگی کرے گا اس تمام عمل کے پیچھے بینک کو حاصل ہونے والا مالی فائدہ کارفرما ہوتا ہے۔یعنی بینک تمام معاملات میں ثالث اور ضامن بننے کیلئے کمیشن وصول کرتا ہے جس کی نسبت عموما 2% یا حسب اتفاق کم زیادہ ہوتی لہذا اس ذمہ داری اور سروس کی ادائیگی پر بینک 2 فیصد کمیشن کا حقدار ٹھہرتا ہے۔

یہاں پہلا باب اختتام پذیر ہوا جس میں بینکوں کی جانب سے جاری ہونے والےان گارنٹی خطوط کا ایک مکمل تصور اور اس کے خدووخال اور طریقہ اجراء کو واضح کیا گیا جو بینک اپنے کلائنٹ کو مستفیدین کیلئے جاری کرتے ہیں۔

باب دوم : بینک ضمانت خط کی حیثیت شریعت اسلامیہ کی رو سے

شریعت کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں ضمانت کا جواز موجود ہے جس کی صورت فقہاء نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

' 'ضم ذمة الضامن إلى ذمة المضمون في التزام الحقوق المستحقة''

واجب الادا حقوق میں ادائیگی کے لئے ضامن کا ذمہ مضمون (جس کیلئے ضمانت دی جارہی ہے) کے ذمہ سے منسلک کرنا۔

یعنی کسی کا قرض کسی دوسرے پر لازم کرنا۔

فقہاء نے اسے عقد ارفاق واحسان میں شامل کیا ہے ، نیز اس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لوگوں کے حقوق کو ضیاع سے بچایا جا سکے ، اور حقوق کی ادائیگی زیادہ مأمون ومحفوظ ہوجائے۔

سابق الذکر بحث میں جو کچھ بیان ہوا اس کا خلاصہ درج ذیل دو اہم فقروں میں محصور ہے:

بینک گارنٹی کی اقسام

اس سروس کی فراہمی پر بینک کی طرف سے حاصل کیا جانے والا کمیشن
جہاں تک سابقہ بیان کردہ چار اقسام کا تعلق ہے تو بظاہر ان میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہو اور اس کی حدود سے تجاوز کرتی ہو اور اس کی شروط کی موجودگی بھی اس امر کے جواز کی متقاضی ہے۔بینک ضامن ہوتا ہےاور اس کی اہلیت ایسی ہے کہ اس کا تبرع جائز ہے کیونکہ اس میں ضامن کی رضامندی شامل ہے اور حق بھی معلوم ہے اور اس کی مدت بھی معلوم ہے یعنی مجہول نہیں ہے۔
البتہ پہلی قسم (ابتدائی ضمانت) میں ایک چیز ہے جو قابل توجہے اور وہ یہ کہ اس کا تعلق اس ضمانت سے ہے جو بعد میں واجب ہوگی اور جو ضمانت ابھی واجب نہیں ہوئی اس کا شمار معلق وعدہ کا ہوگا۔کیونکہ شرعی رو سے ضمانت ایک ایسا معاہدہ ہے جو ایک واجب شدہ چیز کی ادائیگی کا ذمہ لینے کا نام ہے لہذا اس رو سے اسے معلق نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ دوسرے معاہدات میں اس کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لہذا اس کی صورت تو یہ ہوگی کہ ضامن نے ایسی چیز کی ضمانت لی ہے جو ابھی تک مضمون عنہ (یعنی جس کی ضمانت دی جا رہی ہے) اس کے ذمہ بھی ابھی واجب نہیں ہوئی۔لیکن اہل علم اس کے جواز کے قائل ہیں جن میں تینوں امام یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اپنے قدیم مذہب میں جبکہ امام شافعی کے جدید قول میں سابقہ رائے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔
اس معاملے میں جمہور اہل علم کی رائے اصول شریعت سے زیادہ موافق اور قریب تر ہے کہ شرعی اصول کے موجب معاملات اپنی اصل میں حلت پر قائم ہیں تا وقتیکہ ان میں کوئی ایسامانع نہ پیدا ہوجائے جیسا کہ دھوکہ ابہام وغیرہ وغیرہ۔اور اس چیز کی ضمانت اپنے ذمہ لینا جو ابھی واجب نہیں ہوئی اس میں کسی قسم کی غرر

دھوکہ ابہام نہیں پایا جاتا لہٰذا اس کا حکم عموم پر باقی رہے گا اور وہ ہے جواز کا [5]۔واللہ اعلم۔

یہی وجہ ہے کہ حنابلہ نے ضمانت کی تعریف یوں کی ہے :''ضمانت ایک ایسی دستاویز کا نام ہے جس میں مخصوص پابندی جوغیر پر لازم ہوچکی یا مستقبل میں ہوگی کو اپنے ذمہ لینا ساتھ اس کے کہ وہ پابندی اصل فرد پر بہر صورت قائم رہے گی۔یا انسان کا کسی کام یا عمل کے بارے میں ذمہ داری اٹھانا جو حال میں یا مستقبل میں اس پر لازم ہوگی۔] ''6[

ضمانت پر معاوضہ لینا

ضمانت پر اجرت(کرایہ) کا لینا نہ کہ رائلٹی لیناکیونکہ رائلٹی کا مفہوم یہ ہے کہ : ''کوئی بھی صاحب تصرف کوئی معینہ چیز مقرر کردے کہ جو شخص ایک معلوم یا مجہول کام کسی معلوم یا مجہول مدت میں انجام دےگا تو اسے وہ چیز دی جائے گی ، جعالہ میں کام اور مدت کے تعین کی شرط نہیں ہوتی اور نہ ہی بوقت ضرورت کسی عامل کا تعین کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

اس طرح سے اجارہ اور جعالہ(رائلٹی) میں جو بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ اجارہ کی ابتداءا ًعقد لازم کی حیثیت ہے۔جبکہ جعالہ (رائلٹی) عقد لازم نہیں بلکہ عقدِ جائز ہے طرفین اس کو کسی وقت بھی منسوخ کرسکتے ہیں۔

الغرض رائلٹی کامفہوم کرایہ کے مفہوم سے کہیں زیادہ وسیع ہے کیونکہ رائلٹی کے بارے میں آپ نے جیسا کہ سابقہ سطور میں جان لیا ہے کہ اس میں کسی بھی کام کے معلوم ہونے کی شرط نہیں پائی جاتی اور نہ ہی مدت کا تعین ہوتا ہے اور جس امر کا تعین ہی نہ ہو تو اس کاوسیع ہونا بالکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل کرایہ ایک طے شدہ منافع کا نام ہے یا پھر دونوں فریقوں کے مابین طے پائی جانے والی کیفیت کا نام ہے جو دونوں فریقوں میں سے کسی بھی فریق کو اسے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

اسی وجہ سے جمہور اہل علم اس امر کے قائل ہیں کہ ضمانت فراہم کرنے پر کوئی معاوضہ نہ لیا جائے جیسا کہ مختلف کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔جیسے مجمع الضمانات علی مذھب الإمام أبی حنیفۃ للبغدادی ص 282، اور الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی 3/ 404 ، اور الشرح الصغیر 3/ 242 ، اور الفروع لِابن مفلح الحنبلی 4/ 207 ، اور کشاف القناع / 262۔

نیز دیگر کتب میں بھی صراحتاً منع اور عدم جواز کا ذکر ہے۔ضمانت پر معاوضہ نہ لینے کے حوالے سے مندرجہ ذیل دلائل اور توجیہات پیش کی جاتی ہیں:

(1)یہ ایسا قرض ہے جو نفع لانے کا موجب بنتا ہے ، اور اس کہ وجہ یہ ہے کہ جب ضامن اپنے کلائنٹ کی طرف سے دوسرے فریق کو ادائیگی کرتا ہے تو اس پر اگر کمیشن لے گا تو یہ معاوضہ اس ادائیگی کے بدلے میں ہوگا جو کہ کلائنٹ پر بطور قرض واجب الادا تھی۔اور ضمانت کے خط کی بعض کیفیات میں تو یہ صورت میں مضبوط نظر آجاتی ہے کہ یہ قرض پر ہی نفع حاصل کیا جا رہا ہے کیونکہ مستفید براہ راست کلائنٹ سے رابطہ نہیں کرتا کہ وہ ادائیگی کرے بلکہ بینک سے ہی طلب کرتا ہے۔گویا بینک اپنی طرف سے کلائنٹ کا قرضہ ادا کر رہا ہے اور اس قرضے پر معاوضہ وصول کر رہا ہے۔

(2)یہ معاہدہ اور عقد احسان اورنرمی ووسعت پر مبنی ہے لہذا اس پر معاوضہ لینا مقاصد شریعت کےسراسر خلاف ہے۔(3) گارنٹی کی بعض صورتوں میں مستفید کلائنٹ سے براہ راست وصولی کرتا ہے۔لہذا ایسی صورت میں اگر ضامن (یعنی بینک) اپنا کمیشن لے گا تو گویا اس نے ناحق لیا کیونکہ ادائیگی تو کلائنٹ نے خود اپنی طرف سے کی ہے۔پھر ضامن کس چیز کا معاوضہ لے رہا ہے ؟ اور یہ معاوضہ لینا سراسر باطل ہے۔کیفیات میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کے لیے ضمانت دی جا رہی ہو وہ خود جس کی ضمانت دی جا رہی ہو اس سے طلب کرتا ہےپس اس

کیفیت میں توضامن کا اس عمل پر کوئی معاوضہ لینا قطعی صحیح نہیں اور یہ باطل ہے ۔اور یہ طرز عمل لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کے مترادف ہے۔
اور ابتدائی ضمانت اور دستاویزاتی ضمانت خط میں تو مستفید براہ راست کلائنٹ سے مطالبہ کرتا ہے نہ کہ بینک سے۔
تنبیہات : یہاں دو باتیں انتہائی قابل توجہ ہیں
اول: فقہی قواعد میں ایک قاعدہ ہے کہ اجرت اور ضمانت بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔اور یہ قاعدہ اس ضمانت سے متعلق نہیں جوکہ زیرِ بحث ہے۔بلکہ اس ضمانت سے مراد (ضمان المتلفات یعنی تلف ہونے والی چیزوں کی ضمانت) ہے۔
دوم: فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے کہ :"ہر وہ کام جس کا کرنا جائز ہو اس پر معاوضہ لینا جائزنہیں ہوجاتا"۔بلکہ اس میں کچھ کام تو ایسے ہیں جن پر معاوضہ لینا جائز ہوتا ہے جیسا کہ بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے کے لئےکوئی معاوضہ اور رائلٹی مقرر کرنا۔اور کچھ پر معاوضہ لینا جائز نہیں جیسا کہ ضمانت پر یا جائز کھیل کھود پر معاوضہ لینا ، ، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب مجموع الفتاوی (30/ 215–216)میں بیان کیا ہے۔
خلاصہ بحث
اول: کلائنٹ کی جانب سے ضمانت کے لیٹر کے مارجن کے حوالے سے تین صورتیں ہیں:
(1)ضمانت کا وہ لیٹر جو زیرو مارجن (Zero Margin) ہو : اس صورت پر وہی حکم لاگو ہوگا جس کا جمہور اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ضمانت پر معاوضہ لینا جائز نہیں۔لہٰذا اس صورت پر یہی حکم لگے گا۔
(2)ضمانت کا وہ خط جوکلائنٹ کی جانب سے فل مارجن (full Margin)پر حاصل کیا گیا ہو:

اس صورت کے بارے میں واللہ اعلم، ضمانت پر معاوضہ لینے کی ممانعت کا حکم نہیں لگے گا۔کیونکہ یہ معاوضہ کام کی مکمل کاروائی انجام دینے پر خدمات وسروسز کا معاوضہ ہے۔تو اس صورت میں اگر تو بینک مستفید کو ادائیگی کرتا ہے تو وہ کلائنٹ کے پیسے سے ہی کر رہا ہے۔جس پر معاوضہ لیتا ہے اور اگر وہ ادا نہیں کر تا تو وہ کلائنٹ سے اس کے مال کی حفاظت کرنے اور اسے سروسز مہیا کرنے پر کمیشن حاصل کرتا ہے۔(جس میں بظاہر قباحت نہیں)۔

(3)ضمانت کا وہ لیٹر جو فیصد مارجن پر حاصل کیا گیا ہو۔

اس صورت پر سابقہ دونوں صورتوں کے احکامات لاگو ہوں گے۔اس حصے پر معاوضہ جائز ہوگا جس کی ادائیگی ہوچکی ہے۔اور اس حصہ پر نہیں ہوگا جس ک ادائیگی نہیں کی گئی۔واللہ اعلم۔

یہ بحث میں شیخ عمر بن عبد العزیز المترک کی رائے پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی کتاب

الربا و المعاملات المصرفیۃ

میں بیان کی ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

’ ’کہ جو کچھ مجھے صحیح محسوس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ضمانت سے قبل ضمانت کی مکمل رقم مستفید کو ادا کر دی جائے یا پھر وہ فل مارجن پر ہو تو اس پر رائلٹی لینے میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ اس حالت میں وہ کمیشن جو بنک حاصل کرتا ہے وہ مہیا کردہ خدمات کے مقابل ہوتا ہے جیسا کہ وہ چیک کے ذریعے تبادلے کے حوالے سے کمیشن لیتا ہے کیونکہ یہ کیفیت نہ تو قرض ہے اور نہ ہی قرض جیسی ہے۔کیونکہ بینک اپنے مال میں سے کچھ نہیں ادا کرتا بلکہ وہ تو اس مال میں سے ادا کرتا ہے جو کہ کلائنٹ کی رقم کی صورت میں اس کے پاس موجود ہوتا ہے

۔

اور اگر ضمانت کا خط زیرو مارجن پرہے تو اس کیفیت میں رائلٹی لینا جائز نہیں سمجھتا کیونکہ یہ ضمانت قرض کی صورت میں ہو سکتی ہے اور یہ صورت قرض پر نفع حاصل کرنے کی ہوجائے گی جو سود ہے اور سود کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا ۔اور سود ایسی رذیل برائی ہے کہ ضروری ٹھرتا ہے کہ اس کے جراستے روکے جائیں ، اور اس کے سامنے بند باندھا جائے۔

لہٰذا میرے خیال میں ضمانت کے طلب گار پر لازم ہے کہ ضمانت فراہم کرنےوالے کے پاس اتنی مالیت کی رقم رکھوا دے جس سے ادائیگی ممکن ہوسکے۔اور یہ کاروائی ان اصولوں سے بالکل متفق ہے جوکہ بعض بینک لازم قرار دیتے ہیں کہ کلائنٹ ضمانت کے خط کے مساوی رقم جمع کرائے۔اور اسی کیفیت کو فل مارجن کا نام دیا گیا ہے۔تو کلائنٹ کی جانب سے بینک میں رکھوائی گئی یہ رقم بینک کے پاس بطور رھن تصور کی جائے گی۔تاکہ بوقت ضرورت بینک اس رقم سے مستفید کو ادائیگی کر سکے۔][7

اس کاروائی میں بیش بہا فوائد ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(1)ان افراد کا راستہ روکنا جو ٹینڈرز اور منصوبوں میں شامل ہونے کے بعد خود کے ذمہ عائد معاہدات کی پاسداری کرنے کی اہلیت اور استطاعت نہیں رکھتے۔یعنی یہ شرط لاگو کرنے سے ٹینڈرز اور بولیوں میں وہی شخص دلچسپی لے گا اور شریک ہوگا جو اس کی تنفیذ کی بھی اہلیت رکھتا ہو۔

(2)ایسا طریقہ کار اختیار کرنے سے کاموں کا دائرہ پھیلانے کی لا لچ اور حرص کے سامنے بھی بند باندھنا ممکن ہوگا۔کہ انسان کسی ایسے کام میں ہاتھ ہی نہ ڈالے جس کو وہ کر نہیں سکتا۔اور اگر انسان ایسے کام میں داخل ہوا جو وہ کر نہیں سکتا تو وہ اس صورت میں بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا ، اور اس کی معیشت اور مالی حیثیت پر بہت برے اور منفی اثرات مرتب ہوں گے۔کیونکہ بولی دینے والا کبھی کبھار بولی کیلئے بینک کی ضمانت تو جمع کرادیتا ہے لیکن وہ ضمانت اتنی بھاری رقم کی ہوتی

ہے کہ اس کی استطاعت سے باہر ہوتی ہے اور نتیجتاً وہ ایسے سودی چنگل میں پھنس جاتا ہے کہ جس کا مطالبہ بینک اس سے کرتے ہیں اور اس کی پاسداری اس پر لازم بھی ہوتی ہے۔اُ ھ (واللہ اعلم)

[1] بینک ضمانت اور گارنٹی سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی بھی شخص کسی دوسرے ملک سے کوئی چیز درآمد کرنا چاہتا ہے تو اس دوسرے ملک کا تاجر یہ ضمانت چاہتا ہے کہ اگر اس نے مطلوبہ سامان بھیج دیا توکیا اس کی قیمت اسے ادا کی جائے گی یا نہیں ؟ اس لئے وہ اس بات کا اطمینان چاہتا ہے کہ سامان کی ترسیل کے بعد اسے یقینی طور پر قیمت وصول ہو جائے گی۔اس اطمینان دلانے کی صورت بینگ گارنٹی ہے کہ درآمد کنندہ برآمد کنندہ کو اعتماد دلانے کیلئے بینک سے ایک ضمانت نامہ حاصل کرتا ہے جس میں بینک بیچنے والے کو یہ ضمانت دیتا ہے کہ اس کی قیمت کا ذمہ دار میں ہوں۔(البیان)

[2] درج بالا مبحث کی تیاری کے حوالے سے سعودی عرب مانیٹری ایجنسی کے تعارفی نوٹ سے رجوع کیا گیا ہے ، جوکہ اس نے سعودی وزارت عدل کو مؤرخہ 28/ 03 / 1404 ھ ارسال کیا تھا۔نیز اس کے ساتھ کتاب المصارف مصنف غریب جمال ، اور البنک اللاربوي فی الاسلام مصنف محمد باقر الصدر ، اور الربا والمعاملات المصرفیۃ مصنف شیخ عمر المترک رحمہ اللہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔

[3] **دیکھئے: فتح القدیر 402/5، حاشیۃ ابن عابدین 301/5، الشرح الکبیر مع الدسوقي 333/3، اور قوانین ابن جزي، ص: 353، روضۃ الطالبین للنووي 244/4، اور الغایۃ القصوی للبیضاوي 4/ 592، کشف المخدرات للبعلي ص 252، بدایۃ المجتھد 298/2.**

[4] **شرح منتھی الإرادات 110،108/2**

[5] نوٹ : بینک گارنٹی کی بعض صورتوں میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے البتہ مندرجہ بالا مسئلہ کی جملہ صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد جو رائے قریب تر صواب ہے اسے درج ذیل نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

aتمام فقہاء کے نزدیک ضمانت کی اجرت جائز نہیں۔لہٰذا اس بنا پر بینک گارنٹی کی مروجہ صورت صحیح قرار نہیں پاتی۔

کیونکہ : گارنٹی ایک رضاکارانہ عمل ہےجو بغیر معاوضہ کے انجام دیا جاتا ہے۔جبکہ صارف کی طرف سے جو رقم یا کوئی قیمتی چیز بطور گروی رکھوائی جاتی ہے وہ بینک کے پاس بطور قرض ہوتی ہے اور جب قرض پر اجرت کا مطالبہ صحیح نہیں تو اس کی ضمانت پر بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی نے اس کے ناجائز ہونے کی وجہ کی نشاندہی فرمائی کہ " بطور کور (غطاء) جمع کرائی گئی رقم بینک کے پاس رہن کی حیثیت رکھتی ہے۔ضامن (بینک) کا اس سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔(أبحاث هيئة كبار العلماء ج 5 ، ص 283)

(9) عقد استصناع کی اسلامی بینکوں میں رائج صورتیں اور ان کا شرعی حکم

استصناع (Manufacturing Contract)کی صورت:

استصناع سے مراد ’’ آرڈر پر کوئی چیز تیار کروانا‘ ‘

فقہاء کی اصطلاح میں استصناع سے مراد : ایک انسان کسی دوسرے کومخصوص رقم کے عوض معینہ اقسام اور صفات پر مشتمل کسی ایسی چیز بنانے کا آرڈر دے جو ابھی تک تیار نہیں۔

استصناع اور عام بیع میں فرق

عام بیع اور استصناع میں جو بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ اگرچہ استصناع میں بھی خرید وفروخت ہوتی ہے لیکن نوعیت کے لحاظ سے اور شرعی حکم کے لحاظ سے یہ مسئلہ بیع سے قدرے مختلف ہے کیونکہ بیع کی جو بنیادی شرط شریعت نے متعین کی ہے وہ یہ کہ

لا تبع مالیس عندک

جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع ما لیس عندک

ایسی چیز مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں۔استصناع کے مسئلہ کو اگر بیع کی نوعیت سے دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ آرڈر پر مال تیار کرانا جائز نہ ہوا کیونکہ چیز تیار کرنے والا ایسی چیز فروخت کر رہا ہے اور ایسی چیز پر معاہدہ کر رہا ہے جو ابھی کسی کی بھی ملکیت میں نہیں بلکہ سرے سے معدوم ہے۔لیکن شریعتِ مطہرہ چونکہ لوگوں کی آسانی کیلئے نازل ہوئی ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

البقرۃ-185

اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

الحج-87

(اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔

لوگوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کے معاہدات کو عمومی احکام سے چند صورتوں میں الگ کرکے استثنائی طور پر ان کی اجازت مرحمت فرمادی گئی تاکہ لوگ تنگی اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔

وہ ضروریات جن کے پیش نظر عقد استصناع کی اجازت دی گئی

* بیچنے اور بنانے والے کا فائدہ :کہ اس کو بنانے کی قیمت وصو ل ہوتی ہے۔اور چیز بننے سے پہلے ہی اس کا گاہک موجود ہوتا ہے ،اور مینوفیکچرر اگر بیع وشراء کرے گا تو ممکن ہے وہ چیز اس سے بکے گی یا نہیں یا جلدی بک جائے یا دیر سے ۔

پھر اس کی مارکیٹنگ کی ضرورت پڑے گی۔لہذا یہاں شریعت نے صانع کا فائدہ بھی ملحوظ رکھا ہے۔

خریدار کا فائدہ : خریدار اپنی مرضی اور منشا کے مطابق چیز تیار کروا سکتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ جو چیز مارکیٹ میں موجود ہے وہ اس کی ضرورت ٹھیک طرح سے پوری نہ کرتی ہو ، لہذا اس معاہدہ کے ذریعہ وہ اپنی مرضی کی چیز تیار کروا سکتا ہے۔:دیگر اقتصادی فوائد : شیخ مصطفیٰ زرقا نے ان اقتصادی فوائد کی جانب اشارہ فرمایا ہے ، فرماتے ہیں کہ : بہت سے ایسے سامان اور چیزیں ہوتی ہیں جن کا اس وقت تک بنانا ناممکن ہوتا ہے جب تک ان کا کوئی خریدار نہ مل جائے ، جیسے مختلف مواصفات وخصوصیات پر مبنی مخصوص جگہ پر گھر اور عمارت کی تعمیر ہے ، یا مختلف خصوصیا ت کاحامل پل مخصوص مقام پر تعمیر کرانا ، یا پیٹرولیم ریفائنری (Petroleum refinery)لگوانا ، اس کا ناممکن ہونا بسا اوقات قدرتی ہوتا ہے ،جیسے

صفات کی خصوصیات کا اختلاف جوکہ خریداروں کے مزاج کے اختلاف کے سبب ہوتا ہے۔یا پھر اس کے ناممکن ہونے کی وجہ مالیاتی ہوتی ہے کہ بنوائی جانے والی چیز اتنی مہنگی ہوتی ہے کہ اس پر لاگت (Cost) بہت زیادہ آتی ہے اور تیار کرنے والا اسے بغیر آرڈر کے تیار نہیں کرتا کہ اگر کرلیا تو بکے یا نہیں ؟۔۔۔]" 1[

استصناع کے جواز کے دلائل

قرآن مجید سے دلیل:

بعض اہل علم نے قرآن مجید کی آیت :

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا

الکھف۔94

' "کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ کا انتظام کردیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں"۔

سے استصناع کے جواز کی دلیل لی ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت میں لفظ"خَرْجًا"کی تفسیر" أجرا عظیما " یعنی بہت بڑا معاوضہ۔کی گئی ہے۔اس آیت میں قرآن مجید نے اس قسم کے معاہدہ کے صحیح ہونے کی رہنمائی کی ہے۔

حدیث سے دلیل:

* نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھی بنوانے کا حکم دیا۔

* آپ ﷺ کا آرڈر پر منبر بنوانا : حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک انصاری عورت سے کہا کہ "تم اپنے بڑھئی لڑکے کو حکم دو کہ وہ میرے واسطے ایسی لکڑیاں بنادے کہ جب میں لوگوں سے مخاطب ہوں، تو اس پر بیٹھوں، چنانچہ اس عورت نے اس لڑکے کو اس کے بنانے کا حکم دیا]".۔۔۔2[

نیز ان دلائل کے علاوہ زمانہ اول سے لوگ اس طرح کے معاملات کرتے آئے ہیں ، کہ گھر ، چپلیں اور دیگر ضروریات کی اشیاء آرڈر پر بنواتے رہے ہیں۔لہذا اس بنا

پر بعض اہل علم نے عملی طور پر ایسے معاملات کے جواز پر اجماع بھی نقل کیا ہے
۔

استصناع کے معاہدہ کی صحت کیلئے متعین کردہ شرعی شرائط

استصناع پر بالعموم بیع کی عمومی شرائط لاگو ہوتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ چند اہم شرائط ایسی ہیں جو بیع سے ہٹ کر ہیں ان کا استصناع کے معاہدے میں خیال رکھا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط:

جس چیز کا آرڈر دیا جا رہا ہے وہ معاشرہ میں رائج ہو اور لوگ اسے تیار کرواتے ہوں کیونکہ اس معاہدے کو بیع معدوم سے مستثنی ہی اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس کی صورت وماہیت اور خصوصیات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے جس کے سبب جہالت اور غرر کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔

دوسری شرط:

آرڈر پر تیار کرائے جانے والی چیز کی تمام جملہ خصوصیات کا معاہدہ کے وقت مکمل تعین کر لیا جائے۔اور ہر اس شق سے بچا جائے جس سے معاہدہ متنازع ہونے کا خدشہ ہو۔

تیسری شرط:

بعض فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ عقد استصناع کرتے وقت معاہدہ میں وقت کا تعین نہ کیا جائے اگر وقت کا تعین کیا گیا تو وہ چیز استصناع سے نکل کر بیع سلم میں داخل ہوجائے گی اور اس پر سلم کے احکامات لاگو ہوں گے نہ کہ استصناع کے۔

لیکن معاصر محققین کے نزدیک یہ شرط قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ اگر وقت کاتعین نہ کیا گیا تو تنازع کی صورت باقی رہے گی لہٰذا وقت کا تعین ضروری ہے تاکہ تنازعہ سے بچا جا سکے۔

مجمع فقہ اسلامی جدہ کی جانب سے استصناع کے حوالے سے متعین کردہ چند ضابطے:

(1)عقد استصناع کے معاہدہ میں اگر مطلوبہ شرائط ، ارکان ، چیز کا معیار ، اس کی تیاری کی مدت معین ہو تو طرفین یعنی بینک اور صارف کے لئے اس معاہدے کی پاسداری لازم ہو جاتی ہے۔فریقین میں سے کوئی بھی اس سے انحراف نہیں کرسکتا ۔

(2)صارف کیلئے ضروری ہے کہ وہ مطلوبہ چیز کی جنس کا معاہدہ کے وقت تعین کرے اور اس کی سپردگی کا وقت بھی متعین کرے۔

(3)عقد استصناع میں قیمت پیشگی بھی دی جاسکتی ہے اور قسطوں کی صورت میں بھی۔

(4)استصناع کے معاہدہ میں فریقین کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ معاہدے کی شق میں اس شرط کا تذکرہ کردیں کہ تاخیر کی بظاہر صورت کوئی وجہ نہ ہونے کے باوجود اگر بینک نے مقررہ وقت پر چیز تیار کر کے نہ دی تو اس کی کیا سزا ہوگی ؟۔

عقد استصناع میں درج ذیل معاملات جائز ہیں

*عقد استصناع میں قیمت کی پیشگی ادائیگی ضروری نہیں ، بلکہ پیشگی بھی دی جاسکتی ہے اور چیز لیتے وقت یا اس کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہے ، اور اقساط میں ادا کرنا بھی جائز ہے۔

* استصناع میں یہ ضروری نہیں کہ مطلوبہ چیز معاہدہ طے ہونے کے بعد ہی بنائی جائے۔بلکہ اگر کسی کمپنی یا فرد نے کسی سے استصناع کا معاہدہ کیا اور وہ کمپنی یا فرد مطلوبہ کوالٹی اور صفات کی حامل چیز لے آئے تو یہ بھی عقد استصناع ہی ہوگا۔لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ چیز بعینہ ان تمام شرائط پر پوری اترتی ہو جو خریدار نے معاہدہ میں ذکر کی تھیں۔

کیا استصناع کا معاہدہ کرنے والی کمپنی وہ کام کسی اور سے کرو ا سکتی ہے ؟

اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ بطور مثالA نامی کمپنی سے صارف نے معاہدہ کیا کہ میں آپ سے گھر کا فرنیچر جوان ان صفات کا حامل ہو بنوانا چاہتاہوں اس کمپنی نے آرڈر تو لے لیا لیکن وہ کام بعد میں اپنا تھوڑا منافع رکھ کر کسی اور کو دے دیا کہ اس معیار کا حامل فرنیچر تیار کردو۔تو کیا ایسا کرنا اس کمپنی کیلئے جائز ہے۔؟
اس مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے فقہاء نے اس مسئلہ کو اجارہ کے مسئلہ سے تشبیہ دی ہے۔ایک شخص کسی کو اجرت اور مزدوری پر کوئی کام کرنے کو دیتا ہے کہ اتنے پیسے لے لو اور میرا گھر تعمیر کردو یا پھر کسی کو ٹھیکے پر مخصوص صفات کی حامل دیوار بنانے کی ذمہ داری دیتاہے ، تو اس ٹھیکہ دار یا اجیر نے انہی پیسوں میں یا ان سے کچھ زیادہ یا کم میں وہ کام آگے کسی اور کے سپرد کردیا تو فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ تیسرا شخص انہی صفات کی حامل چیز تیار کرے جس کا آرڈر دیا گیا ہے کیونکہ یہاں مطلوب کام ہے نہ کہ فرد لیکن یہاں ذمہ داری اسی ٹھیکہ دار یا اجیر پر ہوگی جس سے صارف نے معاہدہ کیا ہے۔
نوٹ : اس مسئلہ کے جواز سے اہل علم نے دو مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے
پہلا مسئلہ:
اگر صارف معاہدہ میں یہ شرط لگاتا ہے کہ یہ چیز آپ ہی نے بنانی ہے ، یا پھر آپ کے پاس کام کرنے والے فلاں شخص نے تیار کرنی ہے تو یہاں کمپنی کو پاسداری کرنا ضروری ہے کسی اور کو وہ کام نہیں دے سکتی۔
دوسرا مسئلہ:
تیارکنندہ کی شہرت اور اہلیت کو دیکھتے ہوئے آرڈر دیا گیا ہو۔جیسے کسی مشہور ڈیزائنر کو اس کی کام میں مہارت یا کسی مشہور انجینئر کو اس کی اہلیت کے باعث کام دیا جائے اور اسے مارکیٹ ویلیو سے بڑھ کر قیمت بھی ادا کی جائے، کیونکہ اس کی بنائی گئی چیزیں پائیدار ہوتی ہیں ، اور ڈیزائن بہترین ہوتے ہیں۔اس صورت میں بھی

وہ فردیا کمپنی یہ آرڈر کسی اور کو نہیں دے سکتی اسے خود ہی تیار کرنا پڑے گا ورنہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔

عقداستصناع کا معاہدہ کب لازم ہوتا ہے ؟

اس کا مطلب یہ کہ جیسا کہ بیع میں فریقین کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاہدہ کی مجلس میں سودا منسوخ کرنا چاہتے ہیں تو شریعت نے انہیں اختیار دیا ہے کہ وہ معاہدہ منسوخ کر سکتے ہیں جیساکہ آپﷺنےارشاد فرمایا : " بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں ، پھر فرمایا اگر دنوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو دونوں کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر دونوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع کی برکت ختم کردی جائے گی " ۔]3[

اور عام بیع میں خیارالشرط [4]کا ضابطہ بھی لاگو ہو تا ہے ؟۔توکیا عقد استصناع کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اس میں خیار المجلس اور خیار الشرط کا ضابطہ بیع کی طرح ہی لاگو ہوگا یا اس معاہدہ کے لاگو ہونے کی کوئی اور صورت ہے۔؟

عہد عثمانی میں لکھے جانے والے قوانین کے مجموعہ " مجلۃ الأحکام العدلیۃ " میں شق نمبر 392کے تحت لکھا ہے کہ :" استصناع میں فریقین معاہدہ کے وقت یعنی معاہدہ مکمل ہونے کے فوارا بعد سے چیز کے سپرد کرنے تک اس معاہدے کے پابند ہوجاتے ہیں ، اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر یہ معاہدہ ختم نہیں کرسکتا۔لیکن اگر مطلوبہ چیز مطلوبہ آرڈر کے مطابق تیار نہ کی گئی تو اس صورت میں صارف کو اس معاہدہ کی منسوخی کا اختیار ہوگا "۔

مجمع فقہ اسلامی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔کیونکہ معاملات اس کے بغیر سلجھ نہیں سکتے۔بالخصوص عصرِ حاضر میں تو بڑی مہنگی مہنگی چیزیں بحری جہاز ، پل ، ہوائی جہاز ، ٹرینیں وغیرہ آرڈر پر تیار کرائی جاتی ہیں۔اگر چیز کی تیاری تک فریقین کو معاہدہ منسوخی کا اختیار دیا گیا تو اس سے عظیم منفی اثرات جنم لیں گے۔جس کے پیش نظر اس معاہدہ کو وقت انعقاد سے ہی عقد لازم سمجھا جانا ضروری ہے۔لیکن بعض اہل علم

نے ایسی چیزیں جو اتنی بھاری مالیت کی نہیں ہوتیں جیسے جوتے ، کپڑے وغیرہ ہیں تو اس کم قیمت چیزوں میں خیار الرؤیہ(چیز کے دیکھنے تک معاہدہ کو موقوف کرنا) کی شرط کا اعتبار کیا ہے۔

استصناع اور سلم میں بنیادی فرق:

(1)استصناع کا معادہ صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کے تیار کرنے کی ضرورت ہو جبکہ سلم سب چیزوں میں ہوسکتی ہے خواہ انہیں تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

(2)سلم میں قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ استصناع میں قیمت پیشگی بھی ادا کی جاسکتی ہے ، اور قسطوں میں بھی یا بعد میں بھی۔

اسلامی بینکوں میں رائج استصناع

اسلامی بینک استصناع (Manufacturing Contract) کی بنیاد پر دو طرح کے معاہدے کرتے ہیں۔

پہلی صورت

بحیثیت خریدار استصناع کا معاہدہ : جو شخص بینک یا مالیاتی ادارے سے رقم کے حصول کی خواہش رکھتا ہے اور وہ مینوفیکچرر ہے تو بینک یا مالیاتی ادارہ بحیثیت خریدار اس کے ساتھ استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں۔

جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بینک مینوفیکچرر کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ وہ اس کے لئے ان صفات کی حامل چیز تیار کردے۔اس ضمن میں بینک کی جانب سے جو پیشگی رقم دی جاتی ہے اسے پیشگی قیمت تصور کیا جاتا ہے۔مطلوبہ چیز تیار ہونے کے بعد بینک اس کو منافع پر مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے۔

ایک شرعی قباحت

مذکورہ طریقہ کار میں اگر بینک خود فروخت کرنے کی بجائےاسی مینوفیچکرر سے معاہدہ کرلے کہ وہ بینک کا ایجنٹ بن کر اس چیز کومخصوص منافع کے ساتھ فروخت

کرکے رقم بینک کے حوالے کرے تو ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں۔چاہے یہ چیز ضبط تحریر میں لائی گئی ہو یا ذہن میں ہو۔کیونکہ اس صورت میں بینک کا کردار محض ایک مالیاتی ثالثی کا رہ جاتا ہے۔جس کے ذریعہ وہ نفع حاصل کرتا ہے۔اور یہ عمل رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے کے مترادف ہے اور سود سے مشابہ ہے لہذا یہ جائز نہیں۔

دوسری صورت

جن صارفین کو گھر ، آلات ، یا مشینری وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔بینک انہیں طے شدہ صفات کے آلات ، گھر اور مشینری فراہم کرنے کا معاہدہ کرتا ہے۔اور صارف سے قیمت اقساط میں وصول کرتاہے۔

یہاں واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ بینک وہ چیز یا آلات خود ہی تیار کرے بلکہ وہ متوازی استصناع کے معاہدے کے ذریعہ کسی تیسرے فریق سے بھی وہ چیز تیار کرواسکتا ہے۔لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی ربط نہیں ہونا چاہئے۔اور شرعی نقطہ نگاہ سے کلائنٹ کو ایجنٹ مقرر کرنا، یا اسے کام کی نگرانی سونپنا بھی صحیح نہیں۔

علامہ محمد سلیمان الاشقر فرماتے ہیں : " استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں کے باہمی ربط ، یا خریدار کو متوازی استصناع کے معاہدے کا وکیل بنانے ، یا اس پر قبضہ کرنے ، یا تعمیر کی نگرانی کرنے ، یا کوئی ایسا کردار سونپنے جس سے بینک کا کردار سکڑ کر صرف رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہوجائے سے پرہیز کرنا چاہیے] " 5[

اسلامی بینکوں میں مینوفیکچرنگ کا طریقہ کار

(1)صارف بینک کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ بینک اس کے لئے ایک بلڈنگ تیار کرے۔اس ضمن میں وہ بینک کو ایک درخواست بھی پیش کرتا ہے جس میں اس بلڈنگ کی صفات ، خصوصیات اور نقشہ وغیرہ ملحق ہوتے ہیں۔

(2)درخواست کے ساتھ صارف ٹوکن منی کے طور پر کچھ رقم بھی بینک کو جمع کراتا ہے ، ضمانت ، اور ادائیگی کا طریقہ کار (کہ آیا یک مشت کرنی ہے ، یا قسطوں میں) طے کرتا ہے۔نیز اس کے ساتھ فیزیبلٹی رپورٹ بھی جمع کراتا ہے۔

(3)بینک فزیبلٹی رپورٹ کا ماہرین کے ساتھ جائزہ لیتا ہے۔

(4)اگر بینک صارف کی اس پیشکش سے مطمئن ہے تو وہ اس سے فائنانس کے حوالے سے آخری ڈاکومیٹشن پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور ضروری ضمانتیں فراہم کرنے کا کہتا ہے۔

(5)حتمی اتفاق کے بعد صارف اور بینک کے درمیان مینو فیکچرنگ معاہدہ پر دستخط ہوتے ہیں جس میں طرفین کیلئے معاہدے کی ضروی پابندیوں کا ذکر ہوتا ہے۔

معاہدے کے اہم ترین مشتملات مندرجہ ذیل ہیں

بینک کی طرف سے صارف کیلئے تعمیر کی جانے والی بلڈنگ کی قیمت ، سپردگی کا وقت ، ادائیگی کا دورانیہ ، معینہ قسط کی تحدید ، ایڈوانس قیمت کی ادائیگی کی صورت میں رقم کا تعین۔

(6)جب صارف اور بینک کے درمیان استصناع کا معاہدہ طے پاجاتا ہے تو بینک اسٹیٹ ایجنٹ سے اس پروجیکٹ پر عمل درآمدی کا معاہدہ کرتا ہے۔اسے عموما متوازی استصناع کا معاہدہ کہا جا تاہے۔یعنی یہ بلڈنگ کوئی تیسرا فریق تعمیر کرے گا جس کو بینک نے منتخب کیا ہے۔

پاکستان کے اسلامی بینکوں میں بھی عموماًیہی طریقہ کار رائج ہے۔چنانچہ پاکستان کے معروف اسلامی بینک میزان بینک نے استصناع معاہدے میں جو مراحل ذکر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(1) .صارف اور ایم بی ایل (M B L) استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں جس میں ایم بی ایل اپنے کلائنٹ کو آرڈر دیتا ہےکہ وہ ایک مخصوص سامان / چیز بینک کے لئے تیار کرے جس کی اسے کیش یا اقساط میں پیشگی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

(7)سامان کی تیاری کے بعد کلائنٹ بینک کو سامان پہنچا دیتا ہے۔
(8)سامان وصول کرنے کے بعد بینک اسے مارکیٹ میں براہ راست یا کسی ایجنٹ کے ذریعے فروخت کردیتا ہے۔
مذکورہ طریقہ کار کو تصویر میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی بینکوں میں رائج استصناع کے طریقہ کار اور صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد جو بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ کہ اسلامی بینکوں کی یہ پراڈکٹ بھی سقم اور شرعی قباحتوں سے خالی نہیں ہے۔جس کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔
(1)بینک کا تیار کرائی جانے والی چیز کو قبضہ میں نہ لینا۔
(2)صارف کو ہی وکیل مقرر کرنا۔
اس طریقہ سے واضح ہوتا ہے کہ بینک محض ایک مالیاتی ثالثی کے فرائض انجام دیتا ہے حقیقی کاروبار میں حصہ نہیں ڈالتا جس سے بینک کا کردار رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہوجاتا ہے اس لیے یہ جائز نہیں۔
صحیح طریقہ کار
شرعی رو سے اس معاہدہ کو صحیح کرنے کیلئے اسلامی بینکوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ مینوفیچرنگ معاہدوں سے شرعی قباحتوں کو دور کریں۔
(1)چیز کو مارکیٹ میں بیچنے سے پہلے اپنے قبضے میں لیا جائے۔
(2)صارف کو وکیل اور ایجنٹ مقرر نہ کیا جائے۔
(3)استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی ربط نہیں ہونا چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ حنیف کی سربلندی کیلئے کوشاں رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے معاشی نظام کو شرعی خطوط پر استوار کرنے میں ہماری مدد فرمائے۔
انہ ولی التوفیق والعلم عند اللہ وصلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین

[1]الإستصناع ، ص 12

[2] صحیح بخاری : کتاب الصلاۃ ، أبواب اِستقبال القبلۃ.

[3] صحیح بخاري : کتاب البیوع ، باب اِذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا

[4]خیار الشرط یا خیار الرؤیۃ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی خریدار معاہدہ کے وقت فروخت کنندہ سے یہ شرط طے کرلے کہ میں یہ چیز اس شرط پر خریدتاہوں کہ چیز دیکھنے کے بعد اس میں کوئی کمی بیشی پائی گئی تو معاہدہ ختم کردوں گا۔

[5] بحوالہ : دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم از حافظ ذوالفقار علی ص199

(10) سرمایہ دارانہ نظام کے نتائج

الشیخ عثمان صفدر حفظہ اللہ

گزشتہ دو صدیوں سے سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا کو اپنے شکنجہ میں جکڑ رکھا ہے ، یہ وہ نظام ہے جو نہ صرف جسمانی بلکہ مالی اور ذہنی ظلم و استبداد پر مشتمل ہے ، جس کی بنیاد میں غریبوں کا خون اور چوٹی پر ارتکاز دولت ہے ، جس نظام کی نس نس میں لالچ وحرص بھری ہے ، اس نظام کے سرکردہ لوگ اپنے پیٹ کا جہنم لئے پوری دنیا میں دندناتے پھرتے ہیں اور دولت کا ایندھن اس جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے بجائے مزید بھڑکاتا ہے۔دنیا کی تمام بڑی حکومتیں ، بڑی بڑی کمپنیاں اور تمام بینک اس نظام کے آلہ کار ہیں ، اور صد افسوس کہ مزعومہ اسلامی بینک بھی اسی نظام کی انگلی تھام کر چل رہے ہیں۔اس نظام سے پہلے بھی دنیا میں غریب بستے تھے لیکن اب غریب کا جینا بھی محال ہے، دولت مند بھی رہا کرتے تھے لیکن ان کی آنکھوں پر یوں لالچ کی پٹی نہ بندھی ہوا کرتی تھی۔گزشتہ دو صدیوں کی تقریباً تمام جنگیں اسی نظام کی بقا اور اس کے سرکردہ افراد کے مفادات کے تحفظ کی خاطر لڑی گئیں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں افراد ان جنگوں کی بھینٹ چڑھا دئے گئے۔جنگ عظیم اول اور دوم اور حالیہ عراق اور افغانستان کی جنگیں ہمارے لئے نمونہ عبرت ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام کے بھیانک اثرات پوری دنیا میں اپنی خوفناکی کے ساتھ موجود ہیں ، ان میں چند حقائق بطور عبرت کے پیش نظر ہیں:

عالمی غربت کے حوالہ سے چند حقائق

آمدنی میں ظالمانہ تقسیم

(1)دنیا کی نصف آبادی یعنی تقریباً ساڑھے تین ارب افراد کی یومیہ آمدنی 2.50 ڈالر (تقریباً 246 روپے) سے بھی کم ہے۔[2]

(2)دنیا کی 80 فیصد آبادی یعنی تقریبا ساڑھے پانچ ارب افراد کی یومیہ آمدنی 10 ڈالر (تقریباً 984 روپے) ہے یعنی 300 ڈالر (یا 29500) ماہانہ۔]3[

(3) دنیا کے غریب افراد جو کہ عالمی آبادی کا چالیس فیصد ہیں ، عالمی آمدنی میں ان کا حصہ صرف پانچ فیصد ہے، جبکہ دنیا کے امیر افراد جو کہ عالمی آبادی کا صرف بیس فیصد ہیں ، عالمی آمدنی کے تین چوتھائی حصہ پر قابض ہیں۔]4[

بھوک کی ستائی دنیا

(4)دنیا میں روزانہ تقریباً ایک ارب افراد بھوکے سوتے ہیں۔

(5)دنیا میں روزانہ پچیس ہزار افراد بھوک کے سبب موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔]5[

ارتکاز دولت

(1)میں دنیا کی مجموعی GDP (Gross Domestic Product) 2006 48.2ٹریلین ڈالر تھی (تقریباً 482 کھرب ڈالر)، جبکہ دنیا کی آبادی ساڑھے چھ ارب تھی۔

(2)دنیا کے فقط 497 ارب پتی افراد جو کہ عالمی آبادی کا 0.000008 فیصد ہیں ان کی دولت 3.5 ٹریلین ڈالر (35 کھرب ڈالر، یا 3450 کھرب روپے) تھی ، جو کہ عالمی GDP کا 7.26 فیصد ہے۔

(3)کم آمدنی والے ممالک(LIC. Low Income countries)جن کی مجموعی آبادی ڈھائی ارب ہے ان کی مجموعی آمدنی 1.6 ٹریلین ڈالر (16 کھرب ڈالر) ہے۔]6[

امیر اور غریب میں فرق

(1)ایک طویل مدتی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ 1820ء میں امیر اور غریب ممالک کے درمیان فرق کا تناسب 1 = 3 کا تھا۔یہ فرق رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوا اور گلوبلائزیشن کے بعد (تقریباً 1960 ء سے) اس فرق میں بہت تیزی سے اضا فہ ہوا اور یہ فرق1 = 74 ک جاپہنچا۔(یعنی امیر ملک کے ایک شہری کی دولت غریب ملک کے 74 شہریوں کے برابر ہے)۔]7[

(2) عالمی اقتصادیات کا چیمپئن سمجھے جانے والےملک امریکہ اور دیگرکئی ترقی یافتہ ممالک کی اپنی آبادی میں یہ فرق تشویشناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ OECD (Organization of Economics Cooperation & Development)کے مطابق امریکہ میں یہ تناسب 1= 16 کا ہے، یعنی ایک امیر امریکی کی دولت سولہ (16) غریب امریکیوں کے برابر ہے۔]8[

بھوک اور عیاشیاں:

(2)عالمی اخراجات میں عدم توازن کی وجہ سے اخراجات کے رجحان میں بھی بہت فرق ہے، عیاشی اور آسائشات میں خرچ کی جانے والی رقم اس رقم سے کہیں زیادہ ہے جو بنیادی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔]10[

قرض اور سود:

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد دراصل قرض اور اس پر حاصل کردہ سود ہے۔قرض اور سود کےاس عفریت نے پوری دنیا کی معیشت کو بری طرح جکڑ رکھا ہے۔سودی قرض کی ہولناکی کے متعلق چند حقائق درج ذیل ہیں:

(1)پوری دنیا کا مجموعی قرضہ 51 ٹریلین ڈالر (510 کھرب ڈالر) کے قریب ہے۔اور پوری دنیا کی مجموعی آمدنی 69.98 (GDP) ٹریلین ڈالر ہے۔یعنی دنیا کا مجموعی قرضہ پوری دنیا کی مجموعی آمدنی کا 73 فیصد ہے۔

(2)اس قرضہ میں ہر منٹ میں تین ملین ڈالر کا اضافہ ہورہا ہے ، یعنی ہر چھ گھنٹے میں ایک بلین ، ہر روز چار بلین، ماہانہ ایک سو بیس بلین اور سالانہ 1.4 ٹریلین ڈالر کا اضافہ ہورہا ہے۔][11

(3)دنیا کی سپر پاور کی معیشت قرضوں کے دلدل میں بری طرح پھنسی ہے ، اور دنیا میں کسی بھی ملک پر سب سے زیادہ قرضہ امریکہ ہی پر ہے،یعنی تقریباً 14ٹریلین ڈالر، جس کا صرف سود ہی 662 بلین ڈالر ہے ، جوکہ پاکستان کے مجموعی قرضہ (117 بلین ڈالر) سے چھ گنا زیادہ ہے۔

بیروزگاری:

قرض کے جال میں جکڑی معیشت نے ایک اور عفریت کو جنم دیا ہے جسے دنیا بیروزگاری کے نام سے جانتی ہے۔یعنی ایسا شخص جو ہنر مند ہو ، باصلاحیت ہو رزق کمانے کی استطاعت رکھتا ہو ، وہ صرف اس لئے بیکار ہے اور اس کے گھر والے اس لئے غریب ہیں کہ سرمایہ دار زیادہ کمانے کی حرص میں انتہائی محدود افراد کو اجرت پر رکھتا ہے۔اگرچہ بیروزگاری کے اور بہت سے اسباب ہیں لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ ان تمام اسباب نے سرمایہ دارانہ نظام کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔بیروزگاری کے عفریت سے ترقی پذیر ممالک (Developing Countries) سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ممالک (Developed Countries) متاثر ہیں۔][12

نجات کا راستہ:

ان تمام معاشی و اقتصادی مسائل کا صرف ایک ہی حل ہے کہ اسلامی نظام معیشت کا نفاذ کیا جائے۔اسلامی نظام معیشت کوئی خواب نہیں ، ایک حقیقت ہے، یہ نظام رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور سے شروع ہوا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اپنے کمال کو پہنچا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے ثمرات و

نتائج برآمد ہونا شروع ہوئے ، یہی وہ واحد نظام ہے جو پانچ سو سال کے طویل عرصہ تک اپنی مکمل آب وتاب سے دنیا میں موجود رہا، جبکہ کوئی بھی نظام معیشت ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ تک زندہ نہ ر ہ سکا، حتی کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام بھی اپنے تمام تر جدید وسائل ، اثرورسوخ ، پرکشش دعووں کے باوجود ایک صدی کا مکمل عرصہ بھی طے نہ کرپایا اور اپنی موت آپ مرنے لگا ہے۔

یہی وہ نظام تھا جس نے عرب کے بدوؤں کو دنیا کی سپر پاور بنادیا، غربت کا ایسا خاتمہ کیا کہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی غریب نہ ملتا ، جس کا Debt to GDP بالکل صفر تھا ، جس میں Unemployment Rate صفر تھا، اس سنہری دور کی چند مثالیں پیش نظر ہیں:

(1)امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی نظام معیشت کے فیوض وبرکات اس طرح عام ہوئے کہ سیدنا معاذبن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات جمع کرنے کیلئے مقرر ہوئےوہاں انہوں نے بنی اکرم ﷺکے ارشاد:

توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم

کہ زکاۃ ان کے اصحاب ثروت سے وصول کی جائے گی اور ان کے محتاج افراد کی طرف لوٹا دی جائے گی "۔کی تعمیل کی۔تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کے بعد بھی ایک تہائی مال بچ رہاوہ انہوں نے دربار امارت میں پیش کردیا تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے وصول کرنے سے انکار کردیااور فرمایا:

لم أبعثک جابیاً ولا آخذاً جزیه ولٰکن بعثتک لتأخذ من أغنیاء الناس فترد علیٰ فقراءهم

میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے نہیں بھیجا تھا میں نے تمہیں اس کام پر مقرر کیا تھا کہ ان کے مالدار لوگوں سے وصول کرو اور ان محتاج اورفقیرلوگوں تک پہنچا دو۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ما بعثت الیک بشیء و أنا أجد أحداً یأخذه منی

میں نے یہ مال آپ کی طرف اس وقت بھیجا کہ مجھے یہاں کوئی وصول کرنے والا نہیں ملا۔

اس سے اگلے سال سیدنا معاذبن جبل رضی اللہ عنہ نے صدقات کی مد میں موصول ہونے والے مال کا نصف بیت المال کے لئے ارسال کر دیا تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات کی اور سیدنا معاذبن جبل رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیاتیسرے سال یہ ہوا کہ سیدنا معاذبن جبل کو یمن میں صدقہ لینے والا کوئی نہ ملااور انہوں نے تمام جمع شدہ مال دارالخلافہ مدینۃالرسول ﷺ کی طرف بھجوا دیا، خلیفہ ثانی عمرالفاروق رضی اللہ عنہ نے پھرکہا کہ میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے کے لئے متعین نہیں کیا تھااور سیدنامعاذبن جبل نے وہی جواب دیا] :13[

ماوجدت أحداًیاخذمني شیئا

(2)جناب عمر بن عبدالعزیزرحمہ اللہ(جنہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے) نے عراق میں اپنے والی ''عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو لکھا کہ:

أخرج للناس أعطیاتهم، أخرج للناس أعطیاتهم

لوگوں کو ان کے مقررہ وظیفے پہنچاؤ۔تو اس نے جواب میں لکھا سب کو ان کے مقررہ وظائف دینے کے بعد بھی بیت المال میں صدقات کا مال باقی ہے تو خلیفہ نے اسے حکم دیا:

أنظر کل من أدان فی غیر سفه ولا سرف فاقض عنه

جائزہ لو کہ جس شخص نے بھی حماقت پر قرض نہ لیا ہو اور نہ ہی فضو ل خرچی کی بناء پر مقروض ہو گیا ہو اس کا قرض ادا کر دو۔

حاکم عراق عبد الحمید بن عبد الرحمن نے جواب دیا کہ اس طرح کے مقروضوں کا قرض بھی ادا کر دیا گیا ہےتاہم بیت المال میں زائد مال بدستور موجود ہے اس پر خلیفہ نے اسے لکھا:

أنظر كلّ بكر ليس له مال فشاء أن تزوّجه فزوّجه و أصدق عنه

اچھی طرح دیکھو جو کوئی غیر شادی شدہ چاہتا ہو کہ تم اس کی شادی کرو تو اس کے نکاح کا اہتمام کرو اور اس کا حق مہر بیت المال سے ادا کرو، اس نے جواب دیا:

أني قد زوجت من وجدت

اس طرح کا جو آدمی بھی مجھے ملا اس کا نکاح کر چکا ہوں۔تو خلیفہ نے حکم دیا:

انظر من كانت عليه جزية فضعف عن أرضه فاسلفه ما يقوى به على عمل أرضه فانا لا نريدهم لعام ولا عامين

’ ’اگر کوئی جزیہ دینے والا اپنی زمین کی آمدن سے جزیہ دینے کے قابل نہیں رہاتو اس کو اتنا قرض دو جس سے وہ اپنی زمین سنوار سکےہم ان سے ایک سال نہیں بلکہ دو سال تک کچھ تقاضا نہیں کریں گے‘‘۔

اسلامی نظام معیشت کی افادیت سمجھنے کے لئے یہ دو مثالیں ہی کافی ہیں، ہمارا یقین ہے کہ جب ایسے دور میں غربت کا خاتمہ ممکن ہے جب تجارت کے لئے ناکافی وسائل ہوں ، زراعت میں بے پناہ ترقی نہ ہونے کے باوجود تمام افراد کو مناسب غذا مہیا ہو، وسیع پیمانے پر کاروبار نہ ہونے کے باوجود تمام افراد کو روزگار ملے، تو موجودہ دور میں ان تمام وسائل کے ہوتے ہوئے یقیناً ان مقاصد کا حصول بہت ممکن ہے۔

[1]چیئرمین المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2] World Bank Development Indicators

[3] Shaohua Chen and Martin RavallionWorld Bank, August 2008

[4] 2007 Human Development Report (HDR) , United Nations Development Program, November 27, 2007, p.25

[5] Hunger and World Poverty Sources: United Nations World Food Program

[6] World Bank Key Development Data & Statistics, World Bank, accessed March 3, 2008 Luisa Kroll and Allison Fass, 3 The World's Richest People, Forbes, March 3, 20071999 Human Development Report, United Nations Development Programme

[8] OECD 2005

[9] World Bank, August 2008

[10] United Nations Human Development Report 1998, Chapter 1, p.37

[11] The Economist , The Global Debt Clock

[12] World Bank, World Development Indicators – Last updated March 2, 2011

[13] کتاب الاموال لابی عبید :596 2کتاب الاموال لابی عبید بن سلام :ص251

(11) انشورنس اور تکافل میزانِ شریعت میں!

الشیخ عثمان صفدر حفظہ اللہ

تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا، ہمیں بیشما رنعتوں سے نوازا، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے تنہا نہیں چھوڑا، بلکہ ان کے رزق کی ضمانت لی ، ان کے لئے رزق کو پہلے سے لکھ دیا، حصول رزق کے اسباب مہیا کئے ، اور پوری کائنات کو انسانوں کی خدمت کے لئے مسخر کردیا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

ابراھیم: 32-34

ترجمہ: ” اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا۔پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے۔اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیر فرمان کیا تاکہ دریا (اور سمندر) میں اسکے حکم سے چلیں۔اور نہروں کو بھی تمہارے زیرفرمان کیا۔اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں۔اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو۔(مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اور اللہ تعالی کی حکمت کا یہ تقاضہ تھا کہ انسان مختلف آزمائشوں ، مصائب ، خطرات اور پریشانیوں میں مبتلا ہو، اسی لئے اللہ تعا لی کا فرما ن ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

البقرة:155

ترجمہ:" اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنادو"۔

اسی لئے شریعت اسلامی میں اللہ تعالی نے بچاؤ کے اسباب بیان فرمائے ہیں ، تحفظ اور امن وامان کے راستے ذکر کئے ہیں ، کلام الٰہی کی تلاوت کرنے والا جانتا ہے کہ کس طرح رب العالمین نے انسانوں کی امن وامان اور عدل وانصاف کی طرف رہنمائی فرمائی ہے ، اور اسی طرح رحمت دوعالم ﷺ نے اپنی امت کو جان ومال کے تحفظ اور معاشرہ میں امن وامان قائم کرنے کے اسباب ووسائل بیان فرمائے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جان و مال کا تحفظ ان پانچ بنیادی ضروریات میں سے ہے جس کے تحفظ کے لئے شریعت اسلامی کا نزول ہوا ہے۔اور امن وامان ایسی نعمت ہے جسے اللہ تعالی نے قریش مکہ پر کی جانے والی بڑی نعمتوں میں سے ایک قرار دیا ہے ، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ

العنکبوت:67

ترجمہ:" کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے اور لوگ اس کے گرد و نواح سے اچک لئے جاتے ہیں کیا یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں"۔

اسی طرح فرمایا:

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ

قریش: 4/1

ترجمہ:" قریش کے مانوس کرنے کے سبب۔یعنی ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔لوگوں کو چاہئے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا"۔

یقیناً امن وامان اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ خوش حال تھا بدن کے لحاظ سے تندرست تھا اور اس کے پاس اس دن کے لئے روزی موجود تھی تو گویا کہ اس کے لئے دنیا سمیٹ دی گئی"۔]2[

شریعت اسلامی میں امن و امان کو شرک سے پاک ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط قرار دیا گیا ہے ، یعنی ایمان اور عمل صالح ہی معاشرہ میں امن وامان اور جان ومال کے تحفظ کی ضمانت (insurance) ہیں نہ کہ غیر اسلامی اقتصادی و معاشرتی پالیسیاں۔اللہ تعالی کا قرآن مجید میں واضح فرمان ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ

الانعام: 82

ترجمہ: " جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے۔اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعا لی کا فرمان ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

النور : 55

ترجمہ: ” جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بد کردار ہیں“۔

عہد نبوت سے لے کر تقریباً نو سوسال تک عالمی تجارت پر اسلامی اصول تجارت کا رنگ غالب رہا ، اور چونکہ اسلامی معیشت کے قواعد وضوابط خالق کائنات کے مقرر کردہ تھے اس لئے وہ حقیقت پر مبنی معیشت تھی جس میں حیلہ بہانے نہیں تھے ، جس کی بنیادوں میں اخلاق اور ایک دوسرے سے تعاون کا جذبہ تھا نہ کہ لوٹ کھسوٹ اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی حرص،اسی لئے اس دور میں مصنوعی کساد بازاری ، بیروزگاری کا شائبہ تک نہ تھا، مال چند ہاتھوں کی زینت نہیں تھا، غریب اور مالدار میں زیادہ حد بندی نہیں تھی ، جان ومال کے تحفظ کی ضمانت نہیں دینی پڑتی تھی، لیکن مسلمانوں کی اسلامی تعلیمات سے دوری اور مغربیت پرستی نے عالمی تجارت سے اسلامی روح کو ختم کردیا اور پوری عالمی تجارت چند صیہونیت زدہ ذہنوں کے ہاتھوں یرغمال ہوگئی جنہوں نے پوری دنیا میں سود اور دھوکہ بازی کا بازار گرم کر کے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنانے کی پوری کوشش کی اور سود کی صورت میں حاصل ہونے والے بے پناہ منافع کو اپنے اسلام مخالف مذموم مقاصد

میں استعمال کیا۔اسی وجہ سے تجارتی میدان میں ایسے مسائل پیدا ہونا شروع ہوئے جن کا ذکر قدیم فقہاء کی کتابوں میں نہیں ملتا ہے، انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ ''انشورنس'' یعنی بیمہ پالیسی کا بھی ہے۔

انشورنس کے معاملہ میں بنیادی تصور یہ کار فرماہے کہ ایک شخص کسی معاشرہ میں رہ کر تجارت کرنا چاہے ، کوئی کام کرنا چاہے لیکن اسے اپنی جان ومال کے تحفظ کے حوالہ سے خطرات لاحق ہوں یا تجارت میں خسارہ کا اندیشہ ہو تو کوئی دوسرا شخص آ کر اسے جان و مال کے تحفظ ، اور تجارت میں خسارہ نہ ہونے کی ضمانت دے، اور کسی قسم کے نقصان کی صورت میں ایک مخصوص رقم ادا کرے، اور اس ضمانت دینے کے بدلہ معاوضہ طلب کرے۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ انشورنس جدید مسائل میں سے ہے اس لئے متقدمین کی کتابوں میں اس مسئلہ کا حکم مذکور نہیں ، غالباً سب سے پہلے جس عالمِ دین نے اسے اس کی ابتدائی شکل میں تحریر کیا ہے وہ علامہ ابن عابدین ہیں جنھوں نے اپنی کتاب ''حاشیہ رد المختار '' میں ایک مسئلہ ذکر کیا جو کہ انشورنس سے مطابقت رکھتا ہے ، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے دور میں تاجر ایک معاہدہ کرتے تھے جسے ''سوکرہ'' کہا جاتا تھا ، وہ یہ ہے کہ جب مسلمان تاجر دیار کفر سے دیار اسلام کی طرف واپس ہوتے تو ایک کافر سے کشتی کرائے پر لیتے اسے کرایہ ادا کرتے اور مزید رقم بھی دیتے اور اس سے یہ معاہدہ کرتے کہ اگر راستہ میں ان کا مال غرق ہوگیا یا ضائع ہوگیا ، یا چوری ہوگیا تو وہ انہیں ان کے مال کے بقدر قیمت ادا کرے گا، اس کافر کا ایک وکیل دیارِاسلام میں ہوتا تھا جو نقصان کی صورت میں مسلمانوں کو رقم کی ادائیگی کرتا تھا۔اس معاہدہ کے بارے میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :''یہ معاہدہ جائز نہیں ، کیونکہ اس میں ایسی چیز اپنے لئے لازم کرلی گئی ہے جس کا وہ ذمہ دار نہیں ہے''۔[3]

بالکل یہی معاملہ انشورنس کا بھی ہے، پہلے ہم انشورنس کی تعریف سمجھ لیں تاکہ اس کاحکم سمجھنے میں آسانی ہو۔

انشورنس

اس کی کئی اقسام ہیں لیکن جو قسم معروف ہے اور انشورنس کمپنیوں کے ذریعہ جو انشورنس کیا جاتا ہے اسے تجارتی بیمہ پالیسی (commercial insurance) کہتے ہیں، اس کی تعریف کچھ یوں کی جاتی ہے:

" 'ایسا معاہدہ (agreement) جو لین دین (تجارتی) پر مشتمل ہو، اس میں ایک طرف صارف (costumer) ہے جو کہ اقساط (installment) ادا کرتا ہے اور دوسری طرف کوئی ایک شخص یا کوئی کمپنی ہوسکتی ہے، اس معاہدہ میں یہ طے کیا جائے کہ صارف ایک مقررہ مدت تک کچھ خاص رقم قسط کی صورت میں یا ایک ہی دفعہ میں اس کمپنی کو ادا کرے گا ، اس کےبدلہ میں کمپنی اس صارف کواسی مقررہ مدت میں کچھ خاص چیزوں کے بارے میں ضمانت (insurance) دیتی ہے (مثلاً اس کی زندگی ، یا گاڑی، یا کاروبار وغیرہ) کہ اگر اس میں صارف کو کسی قسم کا نقصان اٹھانا پڑا تو یہ کمپنی اس نقصان کی ادائیگی کرے گی ، اور ادائیگی کی رقم پہلے سے طے کر لی جاتی ہے، قسطیں ادا نہ کرسکنے کی صورت میں معاہدہ ختم ہوجاتا ہے ، اسی طرح مقررہ مدت میں کسی قسم کا حادثہ (جو معاہدہ میں طے شدہ ہو) نہ ہونے کی صورت میں مدت ختم ہونے کے بعد مکمل رقم یا کچھ رقم کمپنی رکھ لیتی ہے "۔

یہ انشورنس کی بنیادی تعریف ہے ، تمام تجارتی انشورنس کمپنیوں میں کم وبیش یہی صورت ہوتی ہے ، البتہ معاہدہ کی دیگر شرائط (Terms & conditions) میں فرق ہوسکتا ہے۔

کچھ معاہدوں میں مدت طے نہیں کی جاتی ، بلکہ انشورنس کمپنیاں مدت طے کرنے کے بجائے حادثہ کا وقت طے کرلیتی ہیں ، یعنی اگر زندگی کی انشورنس ہے تو

صارف کی موت تک یہ معاہدہ چلتا رہتا ہے ، اگر گاڑی کی انشورنس ہے تو اس گاڑی کے حادثہ ہوجانے تک ، اسی طرح کاروبار وغیرہ میں۔

اب اس تعریف کو نکات (points) کی صورت میں رکھتے ہیں:

(1)یہ معاہدہ تجارتی (commercial) ہے تعاونی (cooperation) نہیں ہے۔

(2)یہ معاہدہ دونوں طرف سے ہے ، صارف قسط جمع کراتا ہے ، اور کمپنی اس کانقصان ادا کرتی ہے۔

(3)مدت طے نہ ہونے کی صورت میں اس معاہدہ میں احتمال آجاتا ہے کہ نہ جانے یہ معاہدہ کب مکمل ہو۔

کمرشل انشورنس کا حکم

کمرشل انشورنس چاہے کوئی سی بھی ہو یعنی life insurance , goods insurance , third party insurance وہ حرام ہے ،اس کی حرمت کا فتوی سعودی عرب کی علماء کمیٹی اور اسی طرح مجمع الفقھی الاسلامی (Islamic Fiqh Academy)نے بھی دیا ہے۔

انشورنس کے حرام ہونے کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے چند اہم اسباب درج ذیل ہیں:

(1)پہلا سبب

اس میں دھوکہ اور لا علمی ہے، جسے عربی میں ”غرر“ کہتے ہیں ، اور اس قسم کے معاہدہ سے نبیﷺ نے منع فرمایا ہے۔]4[

اس میں دھوکہ اس طرح ہے کہ:

* جس نقصان کی ادئیگی طے کی گئی ہے اس کا ہونے یا نہ ہونے میں احتمال ہے ، وہ نقصان یا حادثہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا۔

*اس میں دھوکہ اس وقت زیادہ ہوجاتا ہے جب ایک مدت مقرر کرنے کے بجائے اس معاہدہ کی تکمیل حادثہ ہوجانے تک رکھی جائے۔

*اور یہ دھوکہ اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے جب ایک مدت مقرر کرلی جائے کہ اس مدت تک صارف اقساط ادا کرتا رہے گا ، اگر اس مدت کے اندر حادثہ ہوگیا تو کمپنی اس کا نقصان پورا کرے گی ، اگر نہیں ہوا اور مدت ختم ہوگئی تو صارف کی ادا کردہ رقم کمپنی اس کو واپس نہیں کرتی، جیسا کہ اکثر goods insurance میں ہوتا ہے۔

*اسی طرح اس معاہدہ میں صارف کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنی رقم ادا کرے گا؟ کب تک ادا کرے گا؟ اگر یہ معلوم ہو بھی جائے تب بھی نقصان کا ہمیں علم نہیں ہے کہ وہ ہوگا بھی کہ نہیں؟۔

(2)دوسرا سبب

اس میں جوا (Gambling) ہے۔جوا کی تعریف علماء یوں کرتے ہیں کہ ”ایسا معاہدہ جس میں دو یا دو سے زائد شریک ہوں ، ایک کو نفع ہو باقی نقصان میں رہیں اور کسی کے علم میں نہ ہو کہ کون نقصان میں رہے گا اور کون نفع میں“ اگر جوا کھیل کے میدان میں ہو تو اسے قمار کہتے ہیں، اگر تجارت میں ہو تو اسے ”میسر“ کہتے ہیں۔اور جوا بالاتفاق حرام ہے ، اس سے اللہ تعالی نے اور نبی ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ

المائدۃ:91

ترجمہ:” اے ایمان والو! شراب اور جُوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ“۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:" بیشک اللہ تعالی نے شراب اور جوا کو حرام قرار دیا ہے"۔][5

اس معاہدہ میں جوا اس طرح ہے کہ:

اس معاہدہ کے دو شریک ہیں، دونوں میں سے ایک کو نفع ہوگا دوسرے کو نقصان۔ صارف کو نفع اس طرح ہوگا کہ اگر معاہدہ ہوتے ہی صارف کا نقصان ہوگیا تواس نے کمپنی کو اتنی رقم ادانہیں کی ہوگی جتنی اس کو حاصل ہو گی، اور اس میں کمپنی کو نقصان ہے۔

کمپنی کو فائدہ اس طرح ہوگا کہ اگر مدت پوری ہوجائے اور حادثہ نہ ہو تو صارف کی ادا کی گئی رقم ضائع ہوجائے گی، اور ساری رقم کمپنی کومل جائے گی جبکہ صارف کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔اور یہی معاملہ جوئے میں ہوتا ہے کہ دو طرف سے رقم لگائی جاتی ہے ایک کو نفع ہوتا ہے اور دوسرے کو نقصان ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس معاہد ہ کو بغور دیکھا جائے تو یہ انشورنس کے بجائے ایک طرح کی شرط(Bet) ہے، کمپنی شرط لگاتی ہے کہ صارف کا نقصان نہیں ہوگا اور اگر نقصان ہوا تو کمپنی شرط ہار نے کی وجہ سے رقم ادا کرتی ہے ، اور صارف کےاس معاہدہ میں کردار سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نقصان کے ہونے کی شرط لگائی تھی اور شرط ہارنے کی صورت میں وہ اپنی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

(3)تیسرا سبب

اس میں سود شامل ہے ، بلکہ یہ سارا معاہدہ سود (interest) پر مشتمل ہے۔سود کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں : (1) قرض کا سود۔(2) تجارت کا سود۔

(1)قرض کا سود یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو ادھار دے کر زیادہ طلب کرے۔

(2)تجارت کا سود: اس کی پھر دو اقسام ہیں:

(1)زیادتی کا سود (ربا الفضل) (2) ادھار کا سود (ربا النسیئۃ)

(1)زیادتی کا سود یہ ہے کہ وہ مخصوص اجناس جنہیں شرعی اصطلاح میں ''سودی اجناس '' کہتے ہیں میں سے ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کردینا، جیسے مثال کے طور پر:

پانچ تولہ سونا (سکہ کی صورت میں)= چار تولہ سونے کا سیٹ۔

(2)ادھار کا سود : سودی اجناس کا آپس میں تبادلہ کرتے وقت ادھار کرلینا ، جیسے مثال کے طور پر:

ایک من گندم = ایک من چاول ایک مہینہ بعد۔

انشورنس میں تینوں اقسام کاسود موجود ہے وہ اس طرح کہ:

جو پیسہ صارف کمپنی کو ادا کرتا ہے وہ یا تو کمپنی پر قرض ہے یا پھر کمپنی صارف سے پیسوں کے بدلہ پیسہ کا تبادلہ کررہی ہے جو کہ فوراً ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ بعد میں طے شدہ موقع پر اسے اس پیسہ کی ادائیگی کرے گی۔

اگر وہ پیسہ قرض ہے تو اس کے بدلہ زیادہ طلب کرنا سود ہے۔

اگر وہ تجارت ہے تو اس میں پیسوں کا تبادلہ ہے ، اور ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کرنا بھی سود ہے ، اسی طرح اس تبادلہ میں جو ایک عرصہ کے بعد ادائیگی کی جاتی ہے وہ ادھار کا سود ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ: انشورنس کا معاملہ سود پر مبنی ہے ، صارف پیسہ ادا کرتا ہے اور اس کے بدلہ اسے پیسہ ہی ملتا ہے ، اور یہ پیسہ اسے یا تو زیادہ ملتا ہے (حادثہ یا خسارہ کی صورت میں) یا کم ملتا ہے (حادثہ یا خسارہ نہ ہونے کی صورت میں) اور اگر جتناا دا کیا ہے اتنا ہی ملے تو بھی وہ ایک مدت کے بعد ہے ، تو اگر پیسوں کا تبادلہ (exchange) ہو تو اس میں بالکل برابر برابر ہونا چاہئے ، کمی یا زیادتی نہیں ہونی چاہئے ؛ کیونکہ کمی یا زیادتی ہی سود کہلاتی ہے ، اور ادھار بھی نہیں ہونا چاہئے ،کیونکہ نبیﷺ کا فرمان ہے : ''سونے کو سونے کے بدلہ ، چاندی

کو چاندی کے بدلہ جب بیچو تو نقد ہو ادھار نہ ہو اور برابر برابر ہو ، کمی یا زیادتی نہ ہو"۔][6

اور پیسہ کا حکم وہی ہے جو سونے کاحکم ہے ، کیونکہ پیسہ سونے کا متبادل ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انشونس ایک قطعی غیر شرعی معاملہ ہے اور اس کی بنیاد سود ، جوا، اور دھوکہ پر رکھی گئی ہے لہذا یہ معاہدہ کرنا حرام ہے۔

انشورنس کے حوالہ سے چند شبہات اور ان کا ازالہ

انشورنس کو حلال اور جائز کہنے والے افراد چند کمزور دلائل کا سہارا لیتے ہیں جو کہ شبہات سے زیادہ کا درجہ نہیں رکھتے ہم ان شبہات میں سے نسبتاً چند شبہات کا جائز ہ لیتے ہیں:

(1)انشورنس کا معاہدہ ، مضاربہ کی طرح ہے، انشورنس کمپنی ، صارف کے پیسوں کو کاروبار میں لگاتی ہے ، اور جب صارف کو کوئی حادثہ یا نقصان ہوتا ہے تو اس کاروبار سے ہونے والے منافع سے اس کا نقصان پورا کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مضاربہ ایک اسلامی معاہدہ ہے اور انشورنس اور مضاربہ میں کسی قسم کی مماثلت نہیں، بلکہ دونوں معاملوں میں کئی فرق ہیں، مثلاً:

مضاربہ میں مال دینے والے شخص کا مال بدستور اس کی ملکیت میں رہتا ہے جبکہ انشورنس میں قسطیں ادا کرنے والے کا مال اس کی ملکیت سے نکل کر کمپنی کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس مال پر صارف کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

vمضاربہ میں جو منافع ہوتا ہے وہ مال دینے والے اور کام کرنے والے دونوں کے درمیان تقسیم ہوتا ہے ، جبکہ انشورنس میں مال کے ذریعہ جو منافع ہوتا ہے وہ صرف کمپنی کا ہوتا ہے ، اور صارف کو اس میں سے اسی وقت مخصوص ادائیگی کی جاتی ہے جب اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچے، اور اگر نقصان نہ ہو تو اسے کسی قسم کا منافع ادا نہیں کیا جاتا۔

(2)انشورنس جدید دور کا مسئلہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ تجارتی معاملات میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں جائز ہیں، لہٰذا شریعت کے اس قانون کے تحت انشورنس کا معاملہ بھی جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کا یقیناً یہی قاعدہ ہے کہ تجارتی معاملات میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں لیکن مکمل قاعدہ یہ ہے کہ وہ اس وقت تک مباح ہیں جب تک ان کی تحریم ثابت نہ ہوجائے، اگر شریعت کے کسی قاعدہ کے تحت وہ حرام ہوں تو انہیں حرام ہی کہا جائے گا، اور انشورنس کی حرمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سود پر مبنی ہے۔

(3)انشورنس کا نظام شریعت میں ''عاقلہ'' کے نظام کی طرح ہے۔

عاقلہ کا نظام یہ ہے کہ جب کسی شخص سے قتل خطا واقع ہوجائے ، یعنی غلطی سے کسی شخص کو قتل کر بیٹھے تو اس کی دیت اس پر واجب ہوجاتی ہے ، اگر وہ شخص تنہا اس دیت کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے والد کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں جنہیں عربی میں عاقلہ کہا جاتا ہے جیسے دادا ، چاچا، بھائی وغیرہ وہ اس دیت کی ادائیگی میں اس کے شریک بنتے ہیں۔

نظام عاقلہ کسی بھی جہت سے انشورنس سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ نظام عاقلہ قطعی طورپر تعاون پر مبنی نظام ہے جس میں کسی قسم کے عوض اور بدل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، جبکہ انشورنس کے نظام میں انشورنس کمپنی اگر صارف کے نقصان کو پور اکرتی ہے ، تو اس کے عوض کا بھی مطالبہ کرتی ہے اور بغیر عوض اور پیسہ کے کوئی کمپنی کسی شخص کا انشورنس نہیں کرتی۔

(4)انشورنس کا معاملہ Provident Fund کی طرح ہے ، جس طرح ایک کمپنی اپنے ورکرز کی تنخواہوں میں سے ایک مخصوص حصہ نکال کر اس فنڈ میں جمع کرتی ہے اور ریٹائرمنٹ پر انہیں مزید پیسے شامل کر کے ادا کرتی ہے، اسی طرح انشورنس کمپنی اپنے صارف سے ماہانہ قسط لے کر جمع کرتی ہے اور حادثہ یا نقصان کے وقت

اسے مزید پیسے شامل کر کے ادا کرتی ہے، اگر پرووڈنٹ فنڈ لینا جائز ہے تو انشورنس بھی حلال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انشورنس اور Provident Fund میں کئی بنیادی فرق ہیں ، جیسے:

پرووڈنٹ فنڈ کمپنی کی طرف سے اپنے ملازمین کے لئے ایک قسم کا تعاون ہے ، جو وہ اپنے ملازمین کی خدمات کے صلہ میں ادا کرتی ہے اور اس کے بدلہ کسی قسم کے عوض کا مطالبہ نہیں کرتی، لہذا اس میں کسی کے نفع یا نقصان میں رہنے کا اندیشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں سود آتا ہے، جبکہ انشورنس مکمل طور پر ایک تجارتی معاہدہ ہے جس میں انشورنس کمپنی اپنی انشورنس کے بدلے معاوضہ کا مطالبہ کرتی ہے اسی وجہ سے اس میں جوا اور سود دونوں ہی شامل ہیں۔

پرووڈنٹ فنڈ میں ملازم کو رقم ملنا حتمی اور یقینی ہے ، چاہے وہ ریٹائرمنٹ کی صورت میں ملازم کو ملے یا موت کی صورت میں اس کے ورثاء کو ملے ، جبکہ انشورنس میں رقم کا حصول یقینی نہیں ہوتا ، اگر نقصان ہوگیا تو رقم مل جائے گی ورنہ صارف خالی ہاتھ رہے گا۔

پرووڈنٹ فنڈ میں رقم پہلے سے طے نہیں ہوتی ، بلکہ جتنی رقم ملازم کی جمع ہوچکی ہوتی ہے اس میں کمپنی ایک خاص تناسب سے اپنا حصہ ڈال کر ملازم کو ادائیگی کردیتی ہے ، جبکہ انشورنس میں رقم پہلے سے طے کرلی جاتی ہے چاہے اس کے بقدر صارف نے رقم جمع کرائی ہو یا نہیں۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ انشورنس اور پرووڈنٹ فنڈ میں کسی قسم کی مماثلت نہیں۔

(5)ایک اہم ترین شبہ جسے شیخ عبداللہ بن احمد بن منیع نے ذکر کیا ہے جو کہ سعودی عرب کی علماء کمیٹی کے ممبر ہیں اور انشورنس کے جواز کے قائل ہیں ، اور خود بھی ایک انشورنس کمپنی کے شرعی ایڈوائزر ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ انشورنس کمپنی

اور صارف کا تعلق قرض لینے اور دینے والے کا نہیں ہے اور نہ ہی اس معاملہ میں پیسوں کا تبادلہ ہے ، بلکہ دراصل انشورنس کمپنی اپنے صارف کو پیسوں کے بدلہ امن کی ضمانت فروخت کرتی ہے ، یعنی اگر گاڑی کا انشورنس ہے تو گاڑی کا حادثہ سے امن میں رہنے کی ضمانت ، اسی طرح کسی اور سامان کا انشورنس ہو تو اس کا کسی نقصان یا حادثہ سے امن میں رہنے کی ضمانت۔ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ ضمانت ایک معنوی چیز ہے مادی نہیں لیکن معنوی چیزیں بھی فروخت ہوتی ہیں اور ان کی مارکیٹ ویلیو ہوتی ہے جیسے کسی کمپنی کا نام ، اس کا لوگو، کسی کتاب کی طباعت کے حقوق وغیرہ فروخت کیئے جاتے ہیں حالانکہ یہ سب معنوی اشیاء ہیں مادی نہیں ہیں۔

اس ضمانت کی وجہ سے صارف مطمئن رہتا ہے کہ میری چیز کو نقصان نہیں ہوگا ، اگر ہوا تو بھی اطمئنان ہے کہ انشورنس کمپنی اس نقصان کو پورا کریگی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ:

یہاں تک تو بات ٹھیک ہے کہ ضمانت ایک معنوی چیز ہونے کے باوجود اسے فروخت کیا جا سکتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انشورنس کمپنی واقعی ضمانت ہی فروخت کرتی ہے؟۔حقیقت یہ ہے کہ انشورنس کے معاہدہ میں کمپنی حادثہ سے امن کی ضمانت نہیں دیتی کہ صارف کی چیز کو حادثہ یا نقصان نہیں ہوگا ، بلکہ حادثہ کی صورت میں تلافی کی ضمانت دیتی ہے یعنی اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ اگر صارف کی انشورنس کردہ چیز کو نقصان ہوا تو کمپنی اس کے لئے مخصوص رقم ادا کرے گی، اور اگر نقصان نہ ہوا تو صارف خالی ہاتھ ہی رہے گا اور کمپنی اس کی ادا کردہ رقم اسے نہیں لوٹائے گی، لہذا اس میں پیسوں کا ہی تبادلہ ہے اور یہ صورت بالکل شرط (Bet) لگانے کی طرح ہے۔

شریعت کا اصول ہے کہ کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیچنے والے کی ملکیت ہو اور اس کے پاس موجود ہو، یا پھر اگر وہ چیز اس کی ملکیت

میں نہ ہو تو بیچنے والا کم از کم اس کے حصول کی طاقت رکھتا ہو تا کہ اسے حاصل کر کے خریدار کے سپرد کر سکے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے : ”جو چیز تمہارے پاس نہیں اسے مت بیچو“۔][7

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ انشورنس کمپنی پیسوں کے بدلے چیز کی ضمانت فروخت کرتی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انشورنس کمپنی والے کیسے کسی چیز کی ضمانت فروخت کر سکتے ہیں جبکہ وہ اس ضمانت کے مالک ہی نہیں ہیں ، نہ ہی اس کے حصول کی استطاعت رکھتے ہیں نہ کوشش کرتے ہیں ؟ کسی چیز کے درست رہنے کی ضمانت تو اس چیز کو بنانے والی کمپنی ہی دیتی ہے ، یا پھر حکومت جو کہ معاشرہ میں امن قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے وہ ہی ضمانت دے سکتی ہے ، انشورنس کمپنی والے تو اپنے دفتر میں بیٹھ کر رقوم کا لین دین کرتے ہیں ، وہ اپنی انشورنس کردہ کسی چیز کی حفاظت کا نہ تو انتظام کرتے ہیں نہ ہی معاشرہ میں قیام امن کے لئے کوئی جدو جہد۔؟؟

اگر ہم یہ بات بھی تسلیم کرلیں کہ انشورنس کمپنی اشیاء کی ضمانت ہی فرخت کرتی ہے اور وہ اس ضمانت کی مالک بھی ہے تو پھر ایک اور سوال ذہن میں آتا ہے کہ نقصان یا حادثہ کی صورت میں کمپنی جو رقم ادا کرتی ہے اس کی کیا حیثیت ہے ؟ کیا صارف نے ضمانت کے ساتھ اس رقم کو بھی خرید لیا ہے یا پھر ضمانت دینے کے باوجود نقصان ہونے کی وجہ سے انشورنس کمپنی بطور عوض کے ادا کرتی ہے۔اگر ہم یہ کہیں کہ صارف نے اس رقم کو خریدا نہیں ہے بلکہ کمپنی صارف کا نقصان ہونے کی وجہ سے ادا کرتی ہے تو پھر وہ رقم اتنی ہی ہونی چاہئے جتنا نقصان ہوا ہے ، پہلے سے ہی طے شدہ رقم کیوں ادا کی جاتی ہے؟ اور اگر ہم یہ کہیں کہ صارف نے ضمانت کے ساتھ ساتھ وہ رقم بھی خریدی ہے تو بات وہیں آجاتی ہے کہ اس میں رقوم کا تبادلہ ہے جس میں اضافہ کرنا سود کے زمرے میں آتا ہے ، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ الگ ہے کہ اگر صارف نے وہ رقم بھی خریدی

ہے تو ہر صارف کو اس کی ادائیگی کیوں نہیں کی جاتی، صرف نقصان ہوجانے پر ہی کیوں ادائیگی کی جاتی ہے؟۔

ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انشورنس میں ضمانت نہیں فروخت کی جاتی بلکہ رقوم کا تبادلہ ہوتا ہے ، جس میں ایک فریق نفع میں اور دوسرا نقصان میں رہتا ہے۔

تکافل

اللہ تعالی کی توفیق سے تین چار دہائیاں قبل سے عالم اسلام میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی ہے اور مسلمانوں نے اپنے معاملات پر نظر ثانی شروع کی ہے ، اس بیداری کے نتیجہ میں جہاں مسلمانوں نے اور میدانوں میں پیش قدمی کی ہے وہیں میدان تجارت میں بھی اسلامی اصول تجارت کودوبارہ زندہ کرنے کی قابل قدر اور قابل تعریف کاوشیں ہوئی ہیں ، اور ان کوششوں میں بحمد اللہ مزید اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے ، اس تحریک کے نتیجہ میں جہاں بینکنگ کے میدان میں بعض علما اور تجار حضرات کی کوششوں سے اسلامی بینکنگ کا آغاز ہوا ہے جس میں ابھی مزید بہت بہتری اور تبدیلی و اصلاح کی گنجائش ہے ، وہیں انشورنس کے حرام ہونے کے باوجود معاشرہ میں اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اس کا اسلامی متبادل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی اور جو بالآخر"تکافل " یا Cooperating Insurance یا Islamic Insuranceکے نام سے ہمارے سامنے آئی۔اس کاوش کو کئی علماء نے سراہا اور اسے حلال بھی قرار دیا۔

ا ن علماء کے نزدیک تکافل یا اسلامی انشورنس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ وہ تعاون پر مبنی ہے ، اس میں صارف سے کسی قسم کا عوض نہیں لیا جاتا ، چونکہ یہ معاملہ تعاون پر مبنی ہے لہذا اس میں اگر سود یا جوا کی شکل ہو بھی تو تکافل حرام نہیں ہے ، کیونکہ شریعت اسلامی کا یہ اصول ہے کہ تعاون میں وہ چیزیں بھی حلال ہوجاتی ہیں جو تجارت میں حرام تھیں ، مثال کے طور پر تجارت میں یہ صورت

حرام ہے کہ ایک شخص ایک لاکھ روپے دے کر دو لاکھ وصول کرے ، یہ سود ہے ، لیکن تعاون میں جائز ہے جیسے کوئی شخص کسی سے دو لاکھ ادھار لے لے اور بعد میں کہے کہ میں مجبور ہوں میں ایک لاکھ روپے تک ہی دینے کی استطاعت رکھتا ہوں اور ادھار دینے والا اس سے ایک لاکھ روپیہ لے لے اور ایک لاکھ چھوڑ دے ، تو گویا مجبور شخص نے ایک لاکھ دے کر دو لاکھ وصول کیئے لیکن چونکہ یہ تعاون کی صورت تھی لہذا یہ جائز ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا تکافل یا اسلامی انشورنس واقعی تعاون پر مبنی ہیں یا نہیں؟۔کیونکہ تکافل میں واضح طور پر سود اور جوا کی وہ صورتیں جو عام انشورنس میں تھیں موجود ہیں۔اگر تکافل واقعی تعاون پر مبنی ہے تو اس میں موجود حرام معاملات کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے ورنہ تکافل میں اور کمرشل انشورنس میں کوئی فرق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تکافل کےا س بنیادی تصور اور صورت کو جو تکافل کمپنیوں اور اسلامی انشورنس کرنے والے اداروں میں رائج ہے بغور دیکھا جائے تو واضح طور پر اس میں عوض و معاوضہ ، اور لین دین نظر آتا ہے جو تعاون کی روح کے منافی ہے اور تکافل کو تعاون کے پردہ سے نکال کر تجارتی معاہدے کی شکل دے دیتا ہے جسے زبردستی اسلامی لبادہ پہنا کر حلال کرلیا گیا ہے۔

تکافل کی تعریف

تکافل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ایک دوسرے کا خیال رکھنا ، ایک دوسرے کی کفالت کرنا۔

موجودہ تکافل کا بنیادی نظریہ کچھ اس طرح ہے کہ چند افراد مل کر رقم جمع کرتے ہیں جسے کسی کاروبار میں انویسٹ کیا جاتا ہے ، تمام افراد اس رقم میں شریک ہوتے ہیں اور شرکت کا تناسب جمع کرائی گئی رقم کو دیکھ کر طے کیا جاتا ہے ، یعنی اگر جمع کی گئی رقم ایک لاکھ ہے تو دس ہزار جمع کرا نے والا دس فیصد کا حصہ دار ہوگا، جمع کی گئی رقم ایک وقف کی شکل اختیار کرلیتی ہے ، اس میں جو

منافع ہوتا ہے اس میں بھی سب شریک ہوتے ہیں، اس رقم کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی شریک کا کوئی نقصان ہوجائے تو اسے اس رقم میں سے پورا کیا جاتا ہے یعنی شریک اپنی رقم اسی شرط پر جمع کراتا ہے کہ اگر اس کا کسی خاص چیز (یعنی جس کی انشورنس کرا رہا ہے) کو نقصان ہوا تو اس کا نقصان پورا کیا جائے گا چاہے اس کے برابر اس نے رقم جمع کرائی ہو یا نہیں ، ہر شریک ایک خاص مدت تک ، ماہانہ بنیادوں پر رقم جمع کراتا رہتا ہے ، جب وہ مدت ختم ہوجاتی ہے اور شریک کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی رقم منافع سمیت واپس لے لے اور چاہے تو مدت میں اضافہ کرلے۔

تکافل کمپنیوں میں تکافل کے حوالہ سے دو طرح کے نظام موجود ہیں:

(1)مضاربہ۔

(2)وکالہ۔

ان دونوں طرح کے نظام میں ایک وقف پول بنایا جاتا ہےجو کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ اپنا ایک الگ قانونی وجود رکھتا ہے جس میں کمپنی کے شئیر ہولڈرز کے ادا کردہ سرمایہ کا ایک حصہ ڈالا جاتا ہے اور ایک حصہ کاروبار میں انویسٹ کیا جاتا ہے ، کمپنی کی پالیسی خریدنے والوں کا سرمایہ وقف پول میں جاتا ہے یا بالفاظ دیگر پالیسی ہولڈر کمپنی کے وقف پول کو ایک مخصوص رقم سالانہ یا ششماہی یا سہ ماہی بنیادوں پر تبرع (ہدیہ ، صدقہ) کرتا ہے، اس وقف پول کی رقم میں سے بھی کچھ رقم کاروبار میں انویسٹ کی جاتی ہے۔

اس کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع میں سے شئیر ہولڈرز کا حصہ الگ کرکے کچھ منافع دوبارہ وقف پول میں ڈال دیا جاتا ہے اور کچھ منافع ان پالیسی ہولڈرز کو جنہوں نے فیملی تکافل (لائف انشورنس) کرایا ہو ان کے لئے الگ کرلیا جاتا ہے۔

مضاربہ ماڈل اور وکالہ ماڈل میں فرق صرف یہ ہے کہ مضاربہ میں تکافل کمپنی خود بھی انویسمنٹ کرتی ہے اور منافع میں حصہ دار بنتی ہے ، جبکہ وکالہ ماڈل میں تکافل

کمپنی وقف پول کا انتظام و انصرام سنبھالنے کے لئے پالیسی ہولڈرز سے فیس وصول کرتی ہے جسے وکالہ فیس کہا جاتا ہے، اگرچہ مضاربہ ماڈل میں بھی تکافل کمپنی کچھ فیس وصول کرتی ہے لیکن وہ وکالہ فیس میں وصول کی جانی والی فیس سے کافی کم ہوتی ہے۔

لیکن ایک بات ان دونوں ماڈل میں مشترک ہے ، وہ یہ کہ تکافل کرانے والا شخص اس بات کی شرط لگاتا ہے کہ تکافل فنڈ میں رقم جمع کروا کر جس چیز کا وہ انشورنس کرارہا ہے اس میں نقصان ہونے پر اس کی تلافی ضرور کی جائے گی، اور یہی شرط تعاون کے منافی ہے۔اس کی وضاحت آگے ہوگی۔

تکافل میں اور عام انشورنس میں کچھ فرق ضرور ہیں جیسے:

تکافل میں انشورنس کرانے والے کی حیثیت صارف کی نہیں ہوتی بلکہ وہ مجموعی رقم میں شریک بن جاتا ہے۔

جمع شدہ رقم پر جو منافع آتا ہے وہ تمام شرکاء میں شراکت کے تناسب سے تقسیم ہوتا ہے، جبکہ انشورنس کمپنیاں اس منافع کو صرف اپنے پاس رکھتی ہیں صارف کو نہیں دیتیں۔

تکافل میں مدت پوری ہونے کے بعد رقم واپس مل سکتی ہے ، جبکہ انشورنس میں مکمل رقم واپس نہیں ہوتی۔

اس کے باوجود بھی یہ کہنا درست نہیں کہ تکافل میں جوا اور سود موجود نہیں ہے ، بلکہ تکافل میں سود اور جوا دونوں موجود ہیں ، اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ:

تکافل میں جو شریک ہے وہ قسطیں ادا کرتا ہے ، اگر اسے نقصان ہوگیا تو تکافل کمپنی کی طرف سے اس کا عوض ادا کیا جائے گا جو یقینا اُس کی ادا کردہ قسطوں سے زیادہ ہوگا، تو یہی چیز سود ہے کہ پیسوں کے تبادلہ کے دوران ایک طرف سے زائد ادائیگی کرنا، یہ ربا الفضل یعنی زیادتی کا سود ہے۔

تکافل میں رقوم جمع کرانے والے تمام افراد شرکاءہیں ، اگر ان شرکاء میں سے کسی ایک کو حادثہ پیش آجاتا ہے تو اسے تکافل کمپنی کی طرف سے ادائیگی کی جاتی ہے جبکہ جس شریک کو حادثہ پیش نہ آئے اسے اس کی رقم ہی واپس ملتی ہے تو یہ اس کے لئے ایک طرح کا نقصا ن ہے ، تو بعض شرکاء نفع میں رہے بعض کو اصل رقم ہی واپس ملی لہذا یہ بالکل واضح جوا ہے۔

تکافل کو جائز کہنے والے افراد کے پاس اس کو جائز کہنے کی ایک ہی دلیل باقی رہ جاتی ہے کہ یہ معاملہ تعاون پر مبنی ہے ، تمام شرکاء ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، ہر شریک جو قسط دیتا ہے وہ اپنے دیگر شرکاء کے ساتھ تعاون کی نیت سے ہی ادا کرتا ہے، لہذا اس میں اگر کچھ معاملات حرام بھی ہیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اب ذرا اس پہلو کا جائز ہ لیتے ہیں کہ کیا تکافل واقعی تعاون پر مبنی ہے ؟ جواب یہ ہے کہ بالکل نہیں۔تکافل مکمل طور پر ایک تجارتی معاہدہ ہے اس میں تعاون کی کوئی شکل نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ:

شریعت اسلامی کا یہ اصول ہے کہ جو شخص بھی تعاون کی نیت سے کوئی ادائیگی کرتا ہے جسے ہم صدقہ یا خیرات یا کوئی اور نام دے دیں ، تعاون کی صورت میں ادائیگی کے بعد وہ مال اس کی ملکیت سے نکل جاتا ہے ، وہ اس مال کا مالک نہیں رہتا ، چہ جائے کہ وہ اس مال کو اپنا مال سمجھ کر اس کی واپسی کا مطالبہ کرے یا اس پر نفع طلب کرے، اور اس کو شریعت میں بہت برا عمل قرار دیا گیا ہے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے : ”اپنے دیئے گئے ہدیہ میں لوٹنے والا (یعنی اس کو واپس طلب کرنے والا) ایسے ہے جیسے ایک کتا ہو جو قے کرے اور پھر اس کو چاٹ لے۔]“8[

جبکہ تکافل میں یہ صورت واضح ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد اور کسی قسم کا نقصان نہ ہونے کی صورت میں تکافل میں اشتراک کرنے والا شخص اپنا مال واپس

لے سکتا ہے ، اس شرط کے ہوتے ہوئے تکافل کو تعاون کہنا کسی صورت صحیح نہیں۔

تعاون ہمیشہ بغیر کسی عوض کے کیا جاتا ہے ، ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی کو ہدیہ دے اور اس کے بدلہ کوئی مطالبہ کرے ، اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ لین دین ہوجائے گا اور اس کا حکم تعاون کا نہیں رہے گا بلکہ وہ تجارت کے حکم میں آئے گا ، امام کاسانی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:"اگر وہ ہدیہ دیتے وقت عوض (بدلہ)کی شرط لگادے یعنی وہ یوں کہے کہ : میں تمھیں یہ چیز تحفہ میں دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے وہ کپڑا دو گے"، تو ایسے معاہدہ کی نوعیت میں اختلاف ہے ، ہمارے تینوں اصحاب) امام ابو حنیفہ ، امام ابو یوسف اور امام محمد (s یہی کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ ہے تو ہدیہ کا لیکن اس کاحکم تجارت کا ہوگا، اور کبھی وہ اس طرح بھی کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ ابتداء میں تو ہدیہ ہے لیکن آخر میں آکر یہ تجارت میں بدل گیا ہے"۔]9[

تکافل کے نظام میں بھی عوض کی شرط موجود ہے ، جب کوئی شخص تکافل میں اشتراک کرتا ہے تو معاہدہ میں یہ شرط موجود ہوتی ہے کہ اس رقم کے بدلہ میں اس کی کسی مخصوص چیز میں نقصان ہونے پر تلافی کی رقم ادا کی جائے گی، عوض ادا کرنے کی یہ شرط تکافل کے معاہدہ کو تجارتی معاہدہ میں بدل دیتی ہے۔

تکافل میں اور کمرشل انشورنس میں کوئی فرق نہیں، دونوں معاہدوں میں بنیادی طور پر پانچ شروط ہوتی ہیں:

(1)انشورنس کرانے والا کون ہے ، اور انشورنس دینے والا کون۔

(2)کس چیز کی انشورنس کی جارہی ہے۔

(3)ماہانہ کتنی قسط ادا کی جائیگی۔

(4)نقصان کی صورت میں کتنی ادائیگی کی جائیگی۔

(5)معاہدہ مکمل ہوتے ہی دونوں فریق پر اسے پورا کرنا لازم ہوگا،جو معاہدہ ختم کرے گا یا اس کی شروط پوری نہیں کرےگا دوسرا فریق اس کی رقم کا حقدار ہوگا۔ ان شروط سے یہ واضح ہورہا ہے کہ تکافل اور کمرشل انشورنس دونوں معاہدے ایک ہی خطوط پر استوار کئے گئے ہیں بس ناموں کے ساتھ ساتھ چند چیزوں کا فرق ہے۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ تکافل میں شریک شخص جو قسطیں ادا کررہا ہے وہ تعاون کے طور پر ادا کررہا ہے۔دین اسلام میں تعاون کرنے والے پر کسی قسم کی زبردستی نہیں ہوتی ، تعاون کرنے والا چاہے تو زیادہ ادا کرے چاہے کم ، چاہے تو منع کردے ، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ شریک شخص اگر قسطیں روک دے ، یا کم ادا کرے تو کیا اس کا تکافل کمپنی سے معاہدہ برقرار رہے گا؟ کیا نقصان کی صورت میں تکافل کمپنی اس کے نقصان کی ادائیگی کرے گی؟، یقیناً اس کا جواب نہیں میں ہوگا ، یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تکافل کا معاملہ تعاون پر مبنی نہیں ہے بلکہ کلی طور پر ایک تجارتی معاہدہ ہے۔

گزشتہ تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تکافل ایک غیر شرعی تجارتی معاہدہ ہے جسے تعاون کا لبادہ پہنا کر اس میں موجود غیر شرعی اور حرام معاملات کو جائز کہنا ، حرام کو حلال کہنے کے مترادف ہے، اور اس کی قرآن و حدیث میں بڑی سخت وعید یں وارد ہیں۔

ایک ضروری وضاحت

تکافل کو جائز کہنے والے افراد کی طرف سے یہ بات بڑی شد ومد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ تکافل کو اکثر علماء نے جائز قرار دیا ہے ، خاص طور پر مالی معاملات میں انتہائی محتاط علما ء کمیٹی یعنی سعودی عرب کی کبار علماء کمیٹی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مال و منافع کی حرص میں آکر علماء اور عوام دونوں کے سامنے غلط بیانی کی گئی ہے ، علماء کے سامنے تکافل کی جو صورت بیان کی گئی وہ موجودہ تکافل سے قطعی مماثلت نہیں رکھتی ، اور صرف نام ایک جیسا رکھ کر عوام کو بیوقوف بنایا جارہا ہے، اس دھوکہ دہی سے خبردار کرتے ہوئے سعودی عرب کی اسی علماء کمیٹی نے اپنے حالیہ فتوی میں موجودہ تکافل کی صورت کو حرام قرار دیا ہے ، مکمل فتوی کا ترجمہ درج ذیل ہے:

' 'حمد وثناء کے بعد : بیشک علماء کمیٹی پہلے کمرشل انشورنس کی حرمت کا فتوی جاری کرچکی ہے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے ، جوا ہے ، اور لوگوں کے اموال کو باطل طریقہ سے ہڑپ کیا جاتا ہے ، اور یہ ایسے معاملات ہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور ان سے سختی سے منع کیا ہے ، اور اسی طرح علماء کمیٹی نے تعاون پر مبنی انشورنس (تکافل) کے جواز کا فتوی بھی دیا تھا جس کی صورت یوں (بیان کی گئی) ہے کہ نیک ومالدار افراد صدقہ خیرات جمع کریں جس سے محتاج و مجبور افراد کی مدد کی جائے ، اور رقم جمع کرانے والوں کو اس رقم سے کچھ بھی واپس نہیں ملے گا ، نہ اصل مال نہ ہی منافع اور نہ ہی کوئی اور بدل، کیونکہ تعاون کرتے ہوئے مال جمع کرانے والے کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ کسی قسم کا دنیاوی فائدہ ، اور یہ تعاون اللہ تعالی کے اس فرمان میں مذکو ر ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

المائدۃ:2

ترجمہ: ''اور تم نیکی کے کاموں اور تقوی پر تعاون کرو ، اور گناہ کے کاموں اور ظلم وزیادتی پر تعاون نہ کرو''۔

اسی طرح نبیﷺ کا فرمان ہے:"اللہ تعالی اس وقت تک اپنے بندہ کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے" اور یہ معاملہ بالکل واضح ہے اس میں کسی قسم کی الجھن نہیں۔

البتہ گزشتہ کچھ عرصہ سے بعض اداروں اور کمپنیوں کی طرف سے لوگوں کے سامنے معاملات کو خلط ملط کرنے اور حقائق کو پلٹنے کا سلسلہ جاری ہے ، ان اداروں نے تجارتی انشورنس کو تعاونی انشورنس (تکافل) کا نام دیا ہوا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور خود کو سہارا دینے کے لئے اس کے جوازکو علماء کمیٹی کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ علماء کمیٹی اس سے مکمل طور پر بری ہے، اور کمیٹی نے پہلے ہی تجارتی انشورنس اور تعاونی انشورنس کے درمیان فرق کو واضح کردیا ہے ، لہذا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ، اسی لئے علماء کمیٹی نے حقائق کو ظاہر کرنے اور عوام کو اس دھوکہ سے خبردار کرنے کے لئے یہ فتوی جاری کیا ہے"۔[10]

اس فتوی میں علماء کمیٹی نے واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ جس تعاون پر مبنی انشورنس کے جواز کا فتوی جاری کیا گیا تھا وہ ایسا تعاونی انشورنس نظام ہے جس میں اشتراک کرنے والا شخص کسی قسم کے عوض کا مطالبہ نہ کرے ،اور یہی تعاون کی روح ہے ، جبکہ تکافل میں اشتراک کرنے والا ہر شخص جب تکافل کمپنی سے معاہدہ کرتا ہے تو اس میں یہ طے ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے ادا کی جانے والی رقم کے بدلہ میں کمپنی اس کے ہونے والے ممکنہ نقصان کی تلافی کرے گی۔

قارئین کرام! اس تمام بحث کے مطالعہ کے بعد آپ یقیناً سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح حقائق کو مسخ کر کے اور بھرپور دھوکہ دہی کے ساتھ مسلمان عوام کو حرام کی طرف مائل کیا جارہا ہے۔اللہ تعالی ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور حق کو سمجھنے اور اس کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

انشورنس کا صحیح اسلامی متبادل

اللہ تعالی کبھی بھی اپنے بندوں کے لئے تنگی نہیں چاہتا بلکہ آسانیاں فراہم کرتا ہے ، اللہ تعالی کا فرمان ہے :

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

البقرۃ:185

ترجمہ:"اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تنگی کرنا نہیں چاہتا"۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تجارتی معاملات جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہےحلال تجارتی معاملات کی نسبت بہت کم ہیں، اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے وہ حلال کردہ اشیاء سے بہت کم ہیں، پھر شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کو حرام کیا جاتا ہے تو اس کا متبادل بھی ضرور دیا جاتا ہے ، جیسے اللہ تعالی نے سود کو حرام کیا تو تجارت کو حلال کردیا ، شراب حرام کی تو اور بہت سے مشروبات پینے کے لئے مہیا کردئے ، زنا حرام کیا تو نکاح جائز کردیا اور اس کی رغبت دلائی غرض یہ کہ ہر حرام کے بدلہ میں ایک متبادل ضرور دیا ہے۔

موجودہ معاشرتی حالات میں انشورنس یقیناً بہت اہمیت کاحامل ہے ، کاروبار کے لئے نامناسب حالات کی وجہ سے ہونے والے خسارہ کے علاوہ بدامنی کی وجہ سے عام آدمی کو جو نقصانات ہورہے ہیں ان کی تلافی ہونی چاہئے کیونکہ شریعت میں پانچ چیزوں کی حفاظت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے ، دین عقل، جان ،مال اور عزت، اور حقیقی اسلامی حکومت ان چیزوں کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھتی ہے،لیکن زوال کا شکار امت مسلمہ میں ایسی حکومت ایک خواب بن چکی ہے ، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انفرادی طور پر ایسے نقصانات کی روک تھام اور تلافی کی کوشش کی جائے ، انشورنس اسی کوشش کا ایک مظہر ہے لیکن مال و دولت کے حریص افراد کے ہاتھوں یہ نظام بھی مجبور و مظلوم افراد کی مدد کی بجائے ایک تجارت بن کر رہ گیا،

اسی طرح تکافل کا نظام بھی جو ابتدائی طور پر خالصتاً تعاون پر مبنی تھا اب تجارت میں ڈھل چکا ہے۔

گزشتہ چند صفحات میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ انشورنس غیر شرعی معاملہ ہے تو شریعت مطہرہ میں یقیناً اس کا متبادل موجود ہوگا ، ضرورت یہ ہے کہ اسے تلاش کیا جائے اور اسے قابلِ عمل بنایا جائے، انشورنس کا حقیقی متبادل جو تکافل اور انشورنس کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے اور اس میں کوئی حرام معاملہ بھی نہیں ہے اور جس کی طرف سعودی عرب کی علماء کمیٹی نے بھی اشارہ کیا ہے وہ ہے ''وقف''۔

وقف کی تعریف

امام ابن قدامہ ؒ فرماتے ہیں:

ھو تحبیس الأصل وتسبیل المنفعۃ

یعنی اصل مال کو روک لینا اور اس کے منافع کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔

وقف کی اصل ہمیں نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں ملتی ہے جس میں آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو زمین وقف کرنے کا مشورہ دیا تھا ، اور اسی حدیث میں ہمیں وقف کے احکام ومسائل کا صحیح علم ہوتا ہے ، حدیث یہ ہے کہ :''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر سے حصہ میں کچھ زمین ملی تو عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس اس زمین کے بارے میں مشورہ کے لئے گئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے خیبر سے کچھ زمین ملی ہے اور اس سے بہتر مال مجھے آج تک نہیں ملا، تو آپ مجھے اس بارے میں کوئی مشورہ دیں '' نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''اگر تم چاہو تو (یوں کروکہ) اس کے اصل کو روک لو اور اس کے منافع کو اللہ تعالی کے راستہ میں صدقہ کردو'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے یوں ہی کیا کہ اسے صدقہ کردیا، اس شرط پر کہ نہ تو اسے بیچا جائے گا ، نہ ہدیہ کیا جائے گا نہ وراثت میں تقسیم ہوگا اور اس زمین

کو فقراء مساکین قریبی رشتہ داروں ، گردن آزاد کرانے میں ، جہاد میں ، مسافر اور مہمان کے لئے صدقہ کردیا، اور یہ بھی کہ جو اس کی دیکھ بھال کرے گا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لیتا رہے لیکن اس سے زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش نہ کرے۔]"11[

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

ایسی چیز وقف کی جائے گی جو ہمیشہ باقی رہے ، جیسے زمین وغیرہ ، اسی وجہ سے بعض علما ء کے نزدیک روپیہ کو وقف کرنا درست نہیں ، لیکن راجح قول یہ ہے کہ روپیہ کو وقف کرنا درست ہے اس شرط پر کہ اس روپیہ سے ایسا کاروبار کیا جائے یا ایسی جگہ لگایا جائے جہاں سے اس کا منافع آتا رہے۔

وقف کو بیچنا یا واپس لینا جائز نہیں کیونکہ وقف ایک طرح کا صدقہ ہے۔

وقف کرنے والا اگر چاہے تو وقف کی جہتیں معین کرسکتا ہے یعنی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا منافع صرف مساکین کے لئے ، یا صرف جہاد کے لئےہے وغیرہ۔

وقف کی دیکھ بھال کرنے والا اس میں سے اپنی اجرت لے سکتا ہے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وقف، انشورنس کا صحیح متبادل ہے ، اور اگر تاریخ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں بے شمار ایسے اوقاف نظر آ ئیں گے جو خصوصاً مصیبت زدہ افراد کے ساتھ تعاون کے لئے بنائے گئے تھے۔

انشورنس کے متبادل کے طور پر وقف کو استعمال کرنے کے لئے اس کا بنیادی ڈھانچہ کچھ یوں بنایا جاسکتا ہے کہ:

چند مخیر حضرات مل کر کچھ رقم وقف کریں۔

اس وقف شدہ رقم کو کسی حلال کاروبار میں لگادیا جائے اور اس کا منافع جمع کیا جاتا رہے۔

اس وقف کے منافع کو چند مخصوص مصائب کے لئے خاص کردیا جائے، مثلاًاس طرح کہ یہ وقف صرف ان افراد کے لئے ہے جن کی گاڑی کو حادثہ پیش آجائے ، یا ان افراد کے لئے جو کینسر میں مبتلا ہوں اور علاج کی طاقت نہ رکھتے ہوں ، یا ان افراد کے لئے جو بیروزگار ہوں اور مالی مشکلات کا شکار ہوں ، یا بیواؤں کے لئے ، یا یتیموں کے لئے ، غرض یہ کہ کسی بھی مصیبت یا مصائب اور حالات کے شکار افراد کو خاص کیا جاسکتا ہے۔

وقف میں رقم دینے والے مخیر حضرات میں سےا گر کوئی اس مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی وقف سے حصہ نکالا جائے گا۔

وقف کی دیکھ بھال کرنے والے افراد یا کمپنی کو اس وقف کی دیکھ بھال کی اجرت یا خرچہ اسی وقف کے منافع سے ادا کیا جائے گا۔

وقف میں حصہ ڈالنے والے مخیر حضرات میں سے کوئی بھی وقف کی اصل رقم اور نہ ہی اس کے منافع کا مطالبہ کرے گا ، کیونکہ یہ وقف خالصتا ًاللہ تعالی کی رضا کے حصول اور مستحقین کی امداد کے لئے قائم کیا جائے گا۔

یہ صرف ایک ابتدائی خاکہ ہے جسے عملی تصویر پہنانے میں یقیناً بہت محنت درکار ہے لیکن اگر اس طرح کہ چند اوقاف بنا لئے جائیں اور انہیں چند مخصوص مصائب میں گرفتا ر افراد کے تعاون کے لئے خاص کردیا جائے تو اس کا معاشرہ پر بہت اچھا اثر پڑے گا ، اس وقف کی رقم کو کاروبار میں لگانے سے نئی ملازمتیں ملیں گی ، اور اس کے منافع سے کئی مستحقین کے ساتھ تعاون بھی ہوگا اور چونکہ یہ ایک اجتماعی عمل ہوگا جو کہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جائے گا اسی لئے اس کے نتائج بھی بہت بہتر اور دوررس نکلیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں آج بھی ایسے اوقاف موجود ہیں جن کی جہتیں متعین ہیں ، کوئی وقف خالصتاً بیواؤں کے لئے ہے ، کوئی یتیموں کے لئے ہے ، کوئی وقف قرض لینے والوں کے لئے خاص ہے اور انہیں بغیر سود کے قرض مہیا

کرتا ہے ، کسی وقف کے تحت ایک ہسپتال ہے جس میں مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے ، ایک بہترین وقف کی زندہ مثال وقف الملک عبدالعزیز ہے جو کہ ایک (72) بہتر منزلہ عمارت ہے اور بیت اللہ کے بالکل سامنے ہے یہ ایک ہوٹل ہے جس کا نام ابراج زمزم (زمزم ٹاور)ہے اس کی ساری آمدنی کو مسجد الحرام کے اخراجات کے لئے وقف کیا گیا ہے۔

اگر ان اوقاف کی جہتوں میں کچھ توسیع کرلی جائے اور ان میں وہ چیزیں بھی شامل کردی جائیں جن کا انشورنس کرایا جاتا ہے تو یہ یقیناً سودی انشورنس اور تکافل کے نظام سے ایک بہت بہتر نظام اور بالاتفاق جائز معاملہ ہوگا۔دشواری صرف اس بات کی ہے کہ تعاون میں بھی تجارت ڈھونڈنے اور دین سے دنیا حاصل کرنے والے افراد کو یقیناً یہ کاوش پسند نہیں آئے گی اور وہ اسے پیسوں کا ضیاع اور کاروباری گھاٹا تسلیم کریں گے۔

دنیا کی نظر میں یقیناً صدقہ کرنے والے کو اس کے صدقہ میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ، لیکن ”دنیا فانی ہے “کے فلسفہ پر یقین رکھنے والے اور اخروی زندگی پر ایمان لانے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمیں حاصل ہی وہ ہوتا ہے جو ہم اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، نبی کریمﷺ کا فرمان ہے : جب آدم کا بیٹا مرتا ہے تو اس کے سارے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں ، سوائے تین اعمال کے ، صدقہ جاریہ، ایسا علم جو نفع پہنچائے، وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے“۔[12]

وقف صدقہ جاریہ کی بہترین عملی تصویر ہے ، وقف کرنے والے یا وقف میں حصہ ڈالنے والے جب تک زندہ ہیں وہ کسی حادثہ کا شکار ہونے کی صورت میں اپنے وقف سے مستفید ہوسکتے ہیں ، اور ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی یہ وقف ان کے لئے اجرو ثواب کا باعث بنا رہے گا۔

واللہ أعلم وصلی اللہ علي نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

[1] **چیئرمین المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی**

[2]سنن الترمذی: کتاب الزھد، باب فی التوکل علی اللہ، ح2268، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہاھے۔

[3]حاشیۃ رد المختار 249/3

[4]صحیح مسلم: کتاب البیوع، باب بطلان بیع الغرر و البیع الذی فیہ غرر، حدیث نمبر 1513

[5]السنن الکبری للبیھقي: کتاب الشھادات، باب ما جاء فی ذم الملاھی من المعازف والمعاذیر..(صحیح لغیرہ)

[6]صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب الربا

[7]سنن ترمذی: کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراھیۃ بیع ما لیس عندک (یہ حدیث صحیح ھے)

[8]صحیح بخاری: کتاب الھبۃ و فضلھا و التعریض علیھا، باب ھبۃ الرجل لأمراتہ و المرأۃ لزوجھا

[9]بدائع الصنائع 132/6

[10]فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: 15/البیوع/فتوی نمبر 19406

(12) قرض اور سود ، L.C تاخیر پر جرمانہ ، اسٹاک ایکسچینج ، متفرقات

سوال نمبر 1 : سود کی بنیادی تعریف کیا ہے ؟نیز تجارت ،اجارہ اور سود میں کیا فرق ہے ؟کیونکہ بظاہر سب میں منافع ہی حاصل ہوتا ہے ؟(محمد وقاص رفیق)

جواب: عربی زبان میں سود کو ربا کہتے ہیں ، ربا کا مطلب ہے بڑھنا ، اضافہ ہونا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ

الحج-5

’ ’پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے“۔

فقہاء کی اصطلاح میں سود سے مراد ہے :”ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے لئے وقت ادائیگی میں مخصوص اضافہ جو بغیر کسی عوض کے ہو“۔

بنیادی طور پر سود کی دو اقسام ہیں:

) ا (قرض کا سود : جس میں قرض دے کر زیادہ طلب کیا جائے یا ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں رقم بڑھادی جائے۔

)۲ (تجارت کا سود : اس کی دو اقسام ہیں : (أ) زیادتی کا سود(ربا الفضل) (ب) ادھار کا سود (رباالنسیئۃ)

(أ) زیادتی کا سود یہ ہے کہ وہ مخصوص اجناس جنہیں شرعی اصطلاح میں ”سودی اجناس “ کہتے ہیں میں سے ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کردینا، جیسے مثال کے طور پر:

پانچ تولہ سونا (سکہ کی صورت میں)= چار تولہ سونے کا سیٹ۔

(ب) ادھار کا سود : سودی اجناس کا آپس میں تبادلہ کرتے وقت ادھار کرلینا ، جیسے مثال کے طور پر:

ایک من گندم = ایک من چاول ایک مہینہ بعد۔

تجارت ، اجارہ ، اور سود میں فرق:

تجارت سے مراد خرید و فروخت کے معاملات ہیں ، جس میں ایک شخص اپنی محنت سے ایک چیز بناتا ہے یا اگاتا ہے یا کہیں سے خرید کر لاتا ہے پھر اسے آگے فروخت کرتا ہے ، اس دوران اسے اس چیز کے تلف ہوجانے ، ضائع ہوجانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، اسے یہ بھی یقین نہیں ہوتا کہ اس کی یہ چیز فروخت ہوگی یا نہیں اور اگر فروخت ہوگی تو کتنی قیمت پر ہوگی ، اسی طرح اجارہ سے مراد کرایہ داری کے معاملات ہیں ، جس میں ایک شخص اپنی محنت سے حاصل کردہ ایک چیز کو کچھ رقم کے عوض استعمال کی غرض سے دوسرے شخص کے حوالہ کرتا ہے ، اور اس چیز کے تلف ہوجانے کی صورت میں وہ کرایہ سے محروم بھی ہوسکتا ہے ، غرض یہ کہ تجارت اور اجارہ میں اگرچہ ایک شخص کو منافع ضرور حاصل ہورہا ہے لیکن اسے نقصان کا اندیشہ بھی ہے ، اور یہ منافع اسے کسی چیز کے بدلہ میں حاصل ہورہا ہے، جبکہ سود میں سود خور کو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا اور جو زائد رقم وہ وصول کر رہا ہے وہ کسی چیز یا محنت کے عوض نہیں ہے ، بلکہ وہ صرف اس رقم کے بدلہ ہے جو اس نے قرضدار کو دی ، اب چاہے قرضدار نے جس مقصد کے لئے بھی رقم لی ، چاہے قرضدار کو منافع ہوا ہو یا نقصان ہوا ہو سود خور کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اسے صرف اپنے قرض اور سود سے غرض ہوتی ہے جو قرضدار کو ہر حالت میں ادا کرنا ہوتا ہےاسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

البقرة-275

’ ’اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے‘‘۔

سوال نمبر 2 : کمپنی کی شرعی حیثیت واضح فرمادیں کیونکہ بیشتر کمپنیاں بھی اپنے کاروبار کے لئے بینک سے قرض لیتی ہیں اور اس پر سود ادا کرتی ہیں ؟

جواب: سود لینا اور سود دینا دونوں کا شمار گناہ کبیرہ میں سے ہوتا ہے ، اور دونوں پر اللہ کی لعنت ہے ، سود کے گناہ میں دونوں برابر کے شریک ہیں ، لیکن جہاں تک معاملہ ہے کاروبار کا یا ایسی کمپنی میں ملازمت کا جو سود پر قرض لیتی ہو تو اس حوالہ سے کمپنیوں کی دو اقسام ہیں:

)۱ (وہ کمپنیاں اور ادارے جن کا کام ہی سودی لین دین ہو ، اور ان کا منافع بھی سود ہی سے حاصل ہوتا ہو ، جیسے بینک، تو ایسی کمپنی کا کاروبار حرام ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی ملازمت بھی حرام ہے۔

)۲ (وہ کمپنیاں اور ادارے جن کا کاروبار سودی نہ ہو اور نہ ہی اس میں کسی اور قسم کے حرام کی آمیزش ہو اور جن کا منافع بھی سود سے حاصل نہ ہوتا ہو بلکہ وہ اپنے منافع سے سود ادا کرتے ہوں ، تو ایسی کمپنی کا کاروبار حلال ہے اور اس میں وہ ملازمت جائز ہے جس کا تعلق سودی لین دین کی لکھت پڑھت یا اعداد وشمار جمع کرنے سے نہ ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود لینے والے کے کاروبار کا خصوصاً تذکرہ کر کے اسے حرام قرار دیا ہے ، فرمان باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ

البقرة-275

’ ’جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنادیا ہو“۔[البقرة: 275]

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سود پر قرض لینا جائز ہے ، بلکہ سود پر قرض لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے ، اور اس لعنت میں کمپنی کا مالک اور وہ ارباب اختیار شامل ہیں جو کمپنی کے مالی معاملات میں تصرف واختیار رکھتے ہیں۔

سوال نمبر 3 : اگر بینکوں کے پاس زیور رکھواکر بلاسود قرضہ لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ (محمد عرفان)

جواب :بینکوں سے کسی قسم کا معاملہ کرنا ناجائز اور حرام ہے ، چاہے وہ معاملہ سودی ہو یا غیر سودی ، کیونکہ یہ گناہ پر تعاون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

المائدة-2

" گناہ اور زیادتی کے معاملہ میں تعاون نہ کرو"۔

جہاں تک بینک کے علاوہ کسی اور کے پاس زیور رکھوا کر قرض لینے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے ، کیونکہ قرض کے بدلہ رہن رکھوانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض معاملات میں رہن رکھنے کی شریعت نے تاکید کی ہے ، فرمان الٰہی ہے:

وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ

البقرة-283

اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز لکھنے والا مل نہ سکے) تو (کوئی چیز) رہن یاقبضہ رکھ کر(قرض لے لو) البتہ زیور بطور رہن کے رکھواتے وقت دو باتیں ذہن نشین ہونی چاہئیں۔

)ا (جو رقم دی جارہی ہو زیور کی قیمت سمجھ کر یا اس کے بدلہ نہ دی جارہی ہو کیونکہ اس صورت میں یہ خرید وفروخت کا معاملہ تصور ہوگا اور ایسی خرید و فروخت جس میں سونا یا چاندی شامل ہوں اسے بیع الصرف کہتے ہیں ، اور بیع الصرف کی شرط یہ ہے کہ معاملہ ہاتھوں ہاتھ نقد ہو اور فریقین میں سے کسی پر کسی قسم کا ادھار یا قرض باقی نہ رہے،حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ سے بیع الصرف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ، وَإِنْ كَانَ نَسَاءً فَلَا يَصْلُحُ"

" اگر وہ ہاتھوں ہاتھ ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ادھار ہے تو جائز نہیں"۔[2]

لہذا اگر ایسی کوئی صورت ہے تو اس کا حکم یہ ہوگا کہ یاتو قرض دینے والے کو زیور کا خریدار سمجھا جائے گا اور قرضدار کو زیور کا فروخت کنندہ اور اس صورت میں کوئی قرض باقی نہیں رہے گا ، یا پھر اس معاملہ کو فاسد سمجھ کر ختم کردیا جائے گا۔

) ۲ (قرض کی واپسی میں کسی زائد رقم کا مطالبہ نہ ہو ، اور نہ ہی تاخیر پر کوئی جرمانہ لگایا جائے۔

سوال نمبر 4 : ایک شخص ہمارے پاس کچھ رقم امانت رکھوانے کے لئے آتا ہے ،ہم اسے یہ مشورہ دیتے ہیں وہ یہ رقم ہمارے پاس بطور قرض حسنہ کے رکھوائے کیونکہ بطور امانت رکھوانے سے چوری کا خدشہ ہے اور اگر وہ یہ رقم ہمیں بطور قرض کے رکھوائیں گے تو ہم اسے کاروبار میں لگائیں گے اور اس سے جو ہمیں منافع ہوگاا سے ہم فلاحی کاموں میں استعمال کریں گے کیاایسا کرنا جائز ہے ؟(محمد رفیق)

جواب :جائز ہے ، بلکہ اس رقم سے ہونے والے منافع کو آپ ذاتی استعمال میں بھی لاسکتے ہیں کیونکہ کاروبار میں نقصان ہونے کی صورت میں بھی بہر حال قرض کی ادائیگی لازم ہے، تو چونکہ نقصان بھی قرضدار نے برداشت کرنا ہے لہذا منافع کا حقدار بھی وہی ہے ، اور دونوں صورتوں میں (یعنی نفع ہو یا نقصان) قرض خواہ کو اتنی ہی رقم لوٹائی جائیگی جتنی اس نے ادا کی تھی ، کسی بھی قسم کی کمی بیشی کرنا جائز نہیں۔

سوال نمبر 5 : لاعلمی کی بنیاد پر جو منافع اور سود حاصل کیا گیا ہے اس کا کیا کیا جائے ؟(راشد علی)

جواب: لا علمی کی بنیاد پر اگر سود مل گیا ہے تو اسے فقراء اور مساکین میں بغیر اجر وثواب کی نیت کے صدقہ کردیا جائے۔

سوال نمبر 6 : ایک شخص اپنی بھینس کسی کو ایک سال کے لئے 30000روپے کے عوض سپرد کردیتا ہے کیا پیسے ادا کرنے والے کے لئے اس کا دودھ فروخت کرنا جائز ہوگا؟(نوید ظفر اقبال)

جواب: اس معاملہ کی مکمل وضاحت مطلوب ہوگی کہ یہ معاملہ اجارہ (کرایہ داری) کا ہے ، یا قرض کے بدلہ رہن رکھوانے کا؟

اگر یہ معاملہ کرایہ کا ہے کہ کرایہ دار نے تیس ہزار روپے کرایہ کے عوض ایک سال کے لئے بھینس حاصل کی ہے تو اس کے لئے اس سے نفع اٹھانا جائز ہے ، وہ اس کا دودھ بیچ کر نفع حاصل کرسکتا ہے ، اور اگر قرض لے کر بھینس کو بطور رہن کے رکھوایا ہے تو قرض خواہ کے لئے اس صورت میں اس کا دودھ بیچنا جائز ہوگا جب اس بھینس کے چارہ پانی کا بندوبست بھی اس کے سپرد ہو۔ نبیﷺ کا فرمان ہے:

" الرھن مرکوب ومحلوب "

رہن (اگر مویشی ہوتو) اس پر سواری بھی کی جاسکتی ہے اور اس کا دودھ بھی نکالا جاسکتا ہے[3]۔

(Latter of Credit(L.Cکی شرعی حیثیت

سوال نمبر 1 L.C: لیٹر آف کریڈٹ کی شرعی حیثیت کی وضاحت کریں ؟(حفیظ الرحمن قدر)

جواب Latter of Credit :جسے اردو میں تجارتی اعتمادی دستاویز کہا جاتا ہے ، اس سے مراد وہ دستاویز ہے جو امپورٹر کا بینک ایکسپورٹر کے بینک کو جاری کرتا ہے اور اس میں ایکسپورٹر کو یہ ضمانت دی جاتی ہے کہ امپورٹر کے پاس اس کا سامان پہنچتے ہی اس کا بل ادا کردیا جائے گا۔ LC میں درج ذیل امور نہ پائےجائیں تو وہ جائز ہے:

LC (1)میں بینک یہ ضمانت لیتا ہے کہ اگر امپورٹر بر وقت ادائیگی نہ کرسکا تو اس کی جگہ بینک ادائیگی کرے گا ، اور اس ضمانت کے بدلہ بینک امپورٹر سے فیس وصول کرتا ہے ، یہ فیس غیر شرعی ہے کیونکہ کسی کی ضمانت یا کفالت لینا ایک تعاون ہے اور اس کی فیس لینا بالاتفاق ناجائزہے۔البتہLCجاری کرتے وقت بینک اپنے اخراجات کی مد میں جو رقم لیتا ہے وہ جائز ہے۔

(2)امپورٹر کے پاس رقم کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کی طرف سے بینک ادائیگی کرتا ہے اور بعد میں امپورٹر سے وہ رقم سود کے ساتھ وصول کرتا ہے جو کہ حرام ہے۔

تاخیر پر جرمانہ

سوال نمبر 1 : اسلامی بینک تاخیر پر اگر جرمانہ نہ لگائے تو پھر کوئی بھی مقررہ وقت پر ادائیگی نہیں کرے گا؟لہذا اس خدشہ کے تحت کیا یہ جرمانہ ٹھیک نہیں ہے ؟ (سلیم معرفانی میمن)

جواب: سوال میں سائل کی عام مسلمانوں کے حوالہ سے صریحاً بد گمانی نظر آتی ہے جو کہ درست نہیں ، نبیﷺ کا فرمان ہے:

" **إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحدِيثِ**"۔

بدگمانی سے بچو، بیشک بد گمانی سب سے جھوٹی بات ہے"[4]۔

جہاں تک تعلق ہے تاخیر پر جرمانہ کرنے کا تو ایسا شخص جو جان بوجھ کر تاخیر کرے شریعت کی نظر میں وہ ظالم ہے ، نبیﷺ کا فرمان ہے:

" **مطل الغني ظلم**"

" مالدار (قرضدار) کا (ادائیگی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے"[5]۔

بلکہ شریعت نے اس حوالہ سے قرض خواہ کی رہنمائی بھی کی ہے کہ وہ اس صورت میں کیا کرے؟ نبیﷺ فرمان ہے:

" لي الواجد يحل عرضه و عقوبته "

’ ’مالدار کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس پر سزا کو حلال کردیتا ہے‘ ‘[6]

لیکن تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ جرمانہ مالی نہیں لگایا جائے گا ، ابن المبارک ؒاس حدیث کی توضیح میں فرماتےہیں : ’’عزت حلال ہونے سے مراد ہے کہ اس پر سختی کی جائے گی اور اس کی سزا سے مراد ہے کہ اسے قید کردیا جائے گا‘‘[7]۔

اسی طرح اس کی حرمت پر اجماع کو ابن المنذرؒنے بھی ذکر کیا ہے ،فرماتے ہیں:

”أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادة أو هدية فأسلف على ذلك: أن أخذ الزيادة على ذلك ربا“

’ ’اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جب قرض دینے والا ، قرض لینےوالے پر یہ شرط لگائے کہ وہ اسے بڑھا کر دے گا ، یا کوئی ہدیہ دے گا اور اس شرط پر وہ اسے قرضہ دے تو اس کا یہ زائد رقم لینا سود ہے‘‘[8]۔

تاخیر کا خدشہ ہر دور میں رہا ، لیکن کسی بھی عالم نے اس جرمانہ کو جائز قرار نہیں دیا۔لہذا مالی جرمانہ کے علاوہ کوئی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر 2 : کیا کوئی بھی اسکول کا ادراہ اپنے طلباء پر تاخیر سے فیس جمع کرانے کی صورت میں جرمانہ عائد کرسکتا ہے جومدرسین کی تنخواہ میں تاخیر کا باعث بنتی ہے ؟ (عبد الرحمن)

سوال نمبر 3 : لیٹ فیس کا اسلام میں کیا حکم ہے اگر یہ حرام ہے تو اس کا کیا بدل ہونا چاہئے؟قرآن و سنت کی روشنی میں بیان فرمائیں ؟(سبحان محمود)

جواب: اسکول اور کالجز میں فیس دو طرح کی ہوتی ہے:

aایک وہ فیس جو طالب علم پر قرض ہوتی ہے ، یعنی اس نے ایک مہینہ اسکول میں پڑھا ، اسکول میں پڑھائی کے اخراجات اس پر قرض ہیں ، جو اس نے فیس کی صورت میں ادا کرنے ہیں۔اس فیس پر مالی جرمانہ نہیں لگایا جاسکتا ، کیونکہ یہ

سود کے زمرہ میں داخل ہے ،البتہ جان بوجھ کر تاخیر کرنے کی صورت میں کوئی اور سزا دی جاسکتی ہے،جیسا کہ پہلے وضاحت ہوچکی ہے۔

bوہ فیس جو طالب علم پر قرض نہیں ، بلکہ جب وہ ادا کرے گا تو اس کے معاملات پورے ہوں گے جیسے امتحانی فارم ، رجسٹریشن فارم وغیرہ کی فیس ، اس میں اگر وہ تاخیر کرتا ہے اور ادارہ اپنے اخراجات اور زائد محنت کو مد نظر رکھتے ہوئے لیٹ فیس وصول کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ قرض پر اضافہ نہیں ہے ،اور اس میں طالب علم مجبور نہیں ہے بلکہ آزاد ہے کہ چاہے وہ فیس ادا کرے یا نہیں۔

متفرقات

سوال نمبر 1 Under invoicing : کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

جواب Under invoicing:سے مراد ہے کہ خریدو فروخت کے بعد Invoice (بل) میں سامان کی اصل قیمت سے کم قیمت درج کی جائے تاکہ ایکسپورٹر زیادہ سیلز ٹیکس سے بچ سکے اور امپورٹر زیادہ Tariff (درآمدی ٹیکس) سے بچ سکے۔یہ معاملہ جائز نہیں کیونکہ یہ جھوٹ اور دھوکہ پر مبنی ہے۔

سوال نمبر 2 : اسلامی بینکنگ میں موجود نقائص پر کسی جامع کتابچہ کی نشاندہی فرمادیں ؟(انور سلیم کمال)

جواب: اس حوالہ سے عربی اور انگریزی میں کافی کتب موجود ہیں ، اردو میں فضیلۃ الشیخ ذوالفقار احمدکی کتاب ”دور حاضر کے مالی معاملات اور ان کا شرعی حکم “ ایک نہایت عمدہ و جامع کتاب ہے ، اسی طرح جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے اشاعت کردہ کتاب ”مروجہ اسلامی بینکا ری “ بھی اس حوالہ سے اہم کتاب ہے۔المدینہ اسلامک سینٹر سے شائع ہونے والا سہ ماہی مجلہ البیان شمارہ نمبر ٦ بھی خاص اسلامی بینکوں کے نقائص اور ان کا صحیح شرعی متبادل کے بیان پر مبنی ہے۔

سوال نمبر 3 :عصر حاضر میں کاروبار کی یہ شکل بھی سامنے آئی ہے کہ چند افراد ملکر ایک کاروباری اسکیم شروع کرتے ہیں جس کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ مثلا وہ چالیس ممبر متعین کرتے ہیں ہر ممبر ہر مہینے دو دو و ہزار روپے ادا کرتا ہے اور ہر ماہ ایک دفعہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے جس میں ایک موٹر سائیکل نکال لی جاتی ہے جس کے نام نکل آئے اس سے بقیہ قسطیں معاف کردی جاتی ہیں یہی سلسلہ ہر ماہ جاری رہتا ہے اور اگر کسی کا نام قرعہ اندازی میں نام نہ نکلے تو موٹر سائیکل کی قیمت کی معینہ قسطیں ادا کرنے کے بعد موٹر سائیکل اس کے حوالے کردی جاتی ہے کیا شرعا کاروبار کی یہ نوعیت جائز ہے ؟(محمدرمضان سندھی)

جواب: یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس میں جوا ہے ، جوا کی تعریف علماء یوں کرتے ہیں کہ ”ایسا معاہدہ جس میں دو یا دو سے زائد شریک ہوں ، ایک کو نفع ہو باقی نقصان میں رہیں اور کسی کے علم میں نہ ہو کہ کون نقصان میں رہے گا اور کون نفع میں“، اس معاملہ میں بالکل یہی صورتحال ہے ، سب سے پہلے جس شخص کا نام نکلے گا وہ سب سے زیادہ منافع میں رہے گا، اور جس کا نام نہ نکلے وہ سب سے زیادہ نقصان میں رہے گا اور جوا کو اللہ رب العزت نے حرام قرار دیا ہے چاہے کھیل میں ہو چاہے خریدو فروخت میں ، فرمان الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

المائدۃ-90

اے ایمان والو! یہ شراب اور یہ جوا ،یہ بت، اورفال نکالنے کے تیر، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو۔

اسے خرید و فروخت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ خریدو فروخت کے لئے شرط ہے کہ چیز کی قیمت متعین ہو ، جبکہ یہاں چیز کی قیمت کا تعین نصیب پر چھوڑ دیا گیا ہے

کہ جب قرعہ اندازی میں نام نکلے گا تو اس وقت تک جتنے پیسے ادا کئے گئے ہوں گے اسی کو قیمت شمار کرلیا جائے گا ، اس طرح چیز کی قیمت نامعلوم ہے اورنامعلوم قیمت پر خریدو فروخت ناجائز ہے۔

اسے خرید و فروخت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ خریدو فروخت کے لئے شرط ہے کہ چیز کی قیمت متعین ہو ، جبکہ یہاں چیز کی قیمت کا تعین نصیب پر چھوڑ دیا گیا ہے

کہ جب قرعہ اندازی میں نام نکلے گا تو اس وقت تک جتنے پیسے ادا کئے گئے ہوں گے اسی کو قیمت شمار کرلیا جائے گا ، اس طرح چیز کی قیمت نامعلوم ہے اورنامعلوم قیمت پر خریدو فروخت ناجائز ہے۔

سوال نمبر 4 : میں ایک ٹریول ایجنسی میں ملازم ہوں ہم ایک ٹکٹ مثال کے طور پر کلاس کے حساب سے 20000روپے کی ہوتی ہے جسے ہم 22000روپے میں فروخت کردیتے ہیں کبھی اسکی قیمت کم بھی ہوجاتی ہے جیسے 17000روپے کی ہوجاتی ہے تو کیا میں اسکو بقایا رقم واپس کرنے کا پابند ہوں یا وہ میرے لئے جائز ہوگی ؟(مدثر محمود)

جواب: سائل کے سوال سے محسوس ہوتا ہے کہ ٹکٹ بیچتے وقت ٹکٹ اس کی ملکیت میں نہیں تھا بعد میں اس کی ملکیت میں آیا، یا پھر ٹکٹ بیچنے کے بعد ٹکٹ خریدار کی ملکیت میں نہیں گیا اسی وجہ سے ٹکٹ کی قیمت کم ہونے کا فائدہ ٹکٹ بیچنے کے بعد بھی ٹکٹ بیچنے والے کو ہی مل رہا ہے۔شریعت کا اصول ہے کہ کوئی چیز بھی اس وقت تک نہ بیچی جائے جب تک کہ وہ بیچنے والے کی ملکیت میں نہ آجائے، نبیﷺ کا فرمان ہے:

" لا تبع ما لیس عندک "

' 'جو چیز تمہارے پاس نہیں اسے مت بیچو"[9]۔

بہرحال اگر سائل کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ٹکٹ ادھار میں خرید کر پھر انہیں آگے بیچتا ہے تو اس صورت میں مذکورہ منافع کا حقدار وہی ہے کیونکہ جس کمپنی نے

اسے ادھار میں بیچا تھا انہوں نے اپنی مرضی سے ٹکٹ کی قیمت کم کی ہے اس سے اگلے خریدار کا تعلق نہیں ہے، اور اگر سائل کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ائیر لائن اور خریدار کے درمیان واسطہ بن رہا ہے اور اس کا کمیشن لے رہا ہے تو ٹکٹ کی قیمت کم ہونے کی صورت میں جو پیسے بچ رہے ہیں وہ انہیں خریدار کو واپس کرنے کا پابند ہے۔واللہ اعلم

سوال نمبر 5 : اگر ہم کسی کمپنی کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں اور اس کمپنی کے ملازم ہمارے ساتھ کام کرنے کے عوض رشوت لیتے ہیں اور اگر ہم اپنا ناقص مال سپلائی کرنے کے لئے رشوت دیں ان دونوں کا شرعی حکم بیان کردیں ؟

جواب: اس سوال کی دو صورتیں ہیں:

(1) سائل اپنا کام بخوبی انجام دیتا ہے اور کام کا حق ادا کرتا ہے لیکن اگر وہ کمپنی کے ملازمین کو رشوت نہ دے تو اس کا حق مارا جاسکتا ہے اور سائل کے لئے کوئی اور راہ نہیں بچتی تو اس صورت میں اپنا حق بچانے کے لئے اگر سائل مجبوراً کچھ رقم ادا کرتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے ، البتہ کمپنی کے ملازمین یا ہر وہ شخص جو اس رشوت خوری میں ملوث ہے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

(2)سائل اپنا کام بخوبی انجام نہیں دیتا ، ناقص مال سپلائی کرتا ہےاور اس کے ساتھ ساتھ کسی حق والے کا حق مارنے کے لئے کمپنی کے ملازمین کو رشوت دیتا ہے تو رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے اور اس صورت میں سائل کی آمدنی بھی حرام شمار ہوگی۔

سوال نمبر 6: ”دارالحرب کا سود“ اس سے کیا مراد ہے اور اسکا حکم بھی بیان کردیں ؟(حیدر علی)

جواب: دار لحرب سے مراد وہ شہر یا ملک ہے جہاں شرعی احکامات نافذ نہ ہوں ، جہاں حکمران کافر ہوں اور مسلمانوں کے پاس قوت و طاقت نہ ہو۔دارالحرب کے سود

سے مراد یہ ہے کہ بعض علماء کے ہاں دارلحرب یا دارالکفر میں سودی لین دین جائز ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ:

لَارِبابَينَ المُسلِمِ وحربي وحربي في دار الحرب

جس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ :"مسلمان اور کافر کے درمیان دار الحرب میں کوئی سود نہیں ہے"[10]، یعنی سودی لین دین جائز ہے۔

راجح بات یہ ہے کہ سودی لین دین کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں چاہے وہ دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور اسے اللہ اور اللہ کے رسولﷺ کے ساتھ کھلا اعلان جنگ قرار دیا ، اور اس میں کسی قسم کا کوئی اسثناء نہیں ہے، جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے ، کیونکہ یہ مرسل ہے ، اسے تابعی مکحول براہ راست نبیﷺ سے بیان کر رہے ہیں ، اور مرسل حدیث کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے ، اور اگر اس حدیث کو صحیح فرض کر بھی لیا جائے تو اس کا وہ معنی نہیں ہے جو ذکر کیا جاتا ہے بلکہ اس کا ترجمہ اس آیت کی طرح ہوگا:

فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوقَ وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ

البقرة–197

' 'تو مباشرت کرنا ، گناہ کرنا جھگڑا کرنا حج میں نہیں ہے' '

یعنی ایسے کام کرنا دوران حج جائز نہیں ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوران حج ایسے کام کر بھی لے تو حرج نہیں ہے، اسی طرح حدیث کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ " مسلمان کے لئے دارالحرب میں کسی کافر سے بھی سودی لین دین جائز نہیں ہے"۔

اسٹاک ایکسچینج

سوال نمبر 1 : کیا کراچی اسٹاک ایکسچینج میں حلال پروڈکٹ کی شئیرز کی لین دین جائز ہے ؟(رفیع احمد)

سوال نمبر 2 : کیا اسٹاک ایکسچینج کا کاروبار جائز ہے یا ناجائزاور کیا ہم اسے مضاربہ سے تشبیہ دے سکتے ہیں؟(عبدالوہاب)

جواب: اسٹاک ایکسچینج میں شئیرز کی لین دین کا کاروبار جائز ہے جب اس میں چند شرائط کو مد نظر رکھا جائے:

(1)صرف شئیرز کی خرید فروخت ہو ، بانڈز کی خریدو فروخت نہ ہو، کیونکہ بانڈز دراصل اس قرض کی دستاویز ہے جس پر سود ادا کیا جاتا ہے۔یہ بانڈز مختلف کمپنیوں کی جانب سے اور حکومت کی جانب سے جاری کئے جاتے ہیں۔ان بانڈز کی خرید وفروخت جائز نہیں کیونکہ یہ بانڈز ایک مخصوص رقم کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کو بیچنا رقم کا رقم کے ساتھ تبادلہ کرنا ہے ، اور رقوم کے تبادلہ میں کمی بیشی سود ہے ، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بانڈز بذات خود ایک سودی لین دین پر مشتمل دستاویز ہے۔

(2)صرف ان کمپنیز کے شئیرز خریدنا اور بیچنا جائز ہے جن کا کاروبار حلال ہو، کیونکہ شئیرز دراصل کمپنی میں شراکت داری کی نمائندگی کرتے ہیں ، اور ایسی کمپنی جو حرام کاروبار کرتی ہو اس میں شراکت داری حرام ہے ، اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

المائدۃ-2

" گناہ اور زیادتی کے کام پر تعاون نہ کرو"۔

(3)شئیرز کی خریدو فروخت ہاتھوں ہاتھ ہو، نقد ہو ، مستقبل کا سودا نہ کیا جائے ، نہ ہی ادھار کیا جائے ، کیونکہ شئیرز کمپنی میں شراکت داری کی نمائندگی کرتے ہیں اور کمپنی کے اثاثوں میں ٹھوس اثاثہ جات (Fixed Assets) بھی ہوتے ہیں اور نقدی (روپے پیسے) بھی شامل ہوتے ہیں اس لئےشئیرز کو ایک الگ جنس تصور کرتے ہوئے بیچتے وقت اس کی اصل قیمت سے زیادہ بھی وصول کیا جاسکتا ہے ،

لیکن اس میں ادھار جائز نہیں ، کیونکہ رقوم کے تبادلہ میں اگر جنس مختلف ہو ، (یعنی مثلًا روپے کے بدلہ ڈالر ، اسی طرح روپے کے بدلہ شئیرز) تو اس میں کمی بیشی تو جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں ، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

الذِّهَبُ بِالذِّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ.

' 'سونے کے بدلہ سونا ، چاندی کے بدلہ چاندی ، جو کے بدلہ جو کھجور کے بدلہ کھجور، نمک کے بدلہ نمک برابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ ہو اور جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو جب یہ ہاتھوں ہاتھ ہوں''۔[11]

لہٰذا شئیرز کی خرید وفروخت میں ادھار درست نہیں ، خاص طور پر اس لئے بھی کہ مستقبل کے سودے کے ذریعہ شئیرز کے لین دین میں جوا بھی کھیلا جاتا ہے، اسی طرح صرف وہی شئیرز بیچے جائیں جن کی ملکیت حاصل ہو ، ایسا نہ کیا جائے کہ پہلے شئیرز کا سودا کرلیا پھر کہیں سے وہ شئیرز لے کر خریدار کو تھمادیئے ، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

" لا تبع ما لیس عندک "

"جس چیز کے تم مالک نہیں ہو وہ مت بیچو "[12]۔

[1]حریر: شعبہ تحقیق و تصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2]صحیح بخاری: کتاب البیوع، 2061

1[3]سنن دار قطنی 2907

[4]صحیح بخاری:5144

[5]صحیح بخاری:2287

[6]سنن أبي داؤد:3628

[7]سنن أبي داؤد:3628

[8]المغني لابن قدامة 354/4

[9]أبو داود: باب ما جاء کراهية بيع ما ليس عندک

[10]معرفةالسننوالآثار:47/7

[11]صحيحمسلم:كتابالمساقاة:باببيعالصرفوبيعالذهببالورقنقدا

[12]أبوداود:3503،والترمذي:1232

(13) قسطوں کے کاروبار کا شرعی حکم

الشیخ حافظ محمد یونس اثری حفظہ اللہ

اہل علم کا قسطوں کے کاروبارکی صحت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اور جو جمہور اہل علم کا مؤقف معلوم ہوتا ہے وہ یہی کہ قسطوں کا کاروبار جائز ہے اور ضرورت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔جس طرح خریدار کو یہ اختیار ہے کہ وہ چیز کی نقد قیمت ادا کرے یا رضامندی سے ایک مقررہ وقت تک اسے مؤخر کر لے۔اسی طرح عمومی دلائل کی بناء پرفروخت کنندہ کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ ایک معقول حد تک وجوہات کی بنا پر قیمت بڑھاسکتا ہے۔البتہ قیمت کا یہ اضافہ مجبوری کا فائدہ اٹھانے اورظلم و زیادتی پر مبنی نہیں ہونی چاہئے۔

قسطوں کے کاروبار کے جواز کے دلائل

1معاملات میں اصل حلال ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ

المائدۃ-01

" اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو"۔

اور قیمت کی زیادتی تاخیر کی وجہ سے ہے لہذا اس معاملے میں تاجر اور خریدار دونوں کی مصلحت ہے، تاجر کی مصلحت قیمت زیادہ لینے میں اورخریدار کی مصلحت اس میں ہے کہ اس کو مطلوبہ چیز ماہانہ اقساط پر دستیاب ہوجاتی ہے۔چنانچہ اس معاملے کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ملتی لہذا اصل کی بنیاد پر اس پر حلال کا حکم لگے گا۔

2شریعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ معاہدوں میں شروط و قیود لگانا جائز ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں ، تو جب فریقین اس شرط پر اتفاق کر لیں کہ قیمت قسطوں میں ادا کی جائے گی تومذکورہ اصول کی بنیاد پر اس کا حکم جواز کا ہے ،جیساکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ

المائدۃ-01

" اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو"۔

3عدل کا تقاضہ بھی یہی ہے اس لئے کہ تاجر کو اس کی چیز کی قیمت اور اس سے حاصل ہونے والا فائدہ بعد میں ملا ، لہٰذا تاخیر کے نقصان کے پیش نظر اس کے لئے قیمت میں اضافہ جائز ہے۔

4.بیع سلم پر قیاس بھی اس امر کے جواز کا متقاضی ہے۔۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون في التمر السنة والسنتين والثلاثة فقال رسول الله ﷺ من أسلف في شيءٍ ففي كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم "

" 'رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں میں بیع سلم کیا کرتے تھے ایک سال، دو سال، تین سال کی مدت کے لئے پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پھلوں میں بیع سلف کرے تو اسے چاہیے کہ متعین پیمانہ، متعین وزن اور متعین مدت کے ساتھ بیع سلف کرے"۔]3[

سلم سے مراد : " یہ کہ قیمت پیشگی ادا کردینا اور چیز ایک مدت کے بعد حاصل کرنا ہے "۔

اس میں عموماً چیز بڑھا کر اد ا کی جاتی ہے کیونکہ سلف کا معاملہ کرنے والا قیمت پیشگی ادا کرتا ہے اور سامان ایک مدت کے بعد لیتا ہے ،اورعام طور پر ان چیزوں کی قیمت سستی ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی بھی زیادہ کی صورت میں ہوتی ہے.بنسبت اس قیمت کے جو بوقت عقد مقرر ہوتی ہے۔

5.بیع کی بنیادہی بڑھوتری پر مبنی ہے جبکہ قرض کی بنیاد تعاون ہے۔اسی لئے قرض میں زیادہ وصول کرنا اسےتعاون کے دائرہ کار سے خارج کر دیتا ہے کہ جس کی بنیاد پر قرض کو جائزکیا گیا ہے۔

تنبیہ:
تاخیر کی بنیاد پرقسطوں کی رقم میں اضافہ کی شرط کا حکم : جب کوئی کہے کہ میں تمھیں یہ گاڑی دس ہزار ریال میں بیچتا ہوں‌اس شرط پرکہ اگر طے شدہ مدت میں ادائیگی نہ کی تو ایک مہینہ کی تاخیرکی صورت میں ایک سو ریال اضافی وصول کروں گا اور دو مہینے کی تاخیر کی صورت میں دو سو ریال ، اور اسی طرح جیسے جیسے تاخیر ہوتی گئی قیمت بڑھتی رہے گی۔یہ معاملہ اور بیع حرام ہے ، جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ(بعینہ) جاہلیت والا سود ہے۔
فقہ اسلامی اکیڈمی کی قسطوں کے کاروبار کے حوالے سے قرار داد
مجلس مجمع الفقہ الاسلامی کاجدہ سعودی عرب میں منعقدہ چھٹے اجلاس جو بمطابق 17 تا 23 شعبان 1410ہجری موافق 14 تا 20 مارچ منعقد ہوا۔اس اجلاس میں قسطوں کے کاروبار کے حوالے سے پیش کردہ مقالہ جات سننے اور ان کا جائزہ لینے کے بعد جو قرارداد طے پائی وہ درج ذیل ہے۔
1نقد کی بنسبت ادھار(قسطوں) کی بیع پر قیمت بڑھانا جائز ہے جس طرح فروخت کی جانے والی چیز کی نقد قیمت بتانا جائزہے اسی طرح معینہ مدت کی اقساط میں ادائیگی کی قیمت بتانا بھی جائز ہے۔البتہ یہ بیع اس وقت صحیح ہو گی جب خریدار اور فروخت کنندہ دونوں یقینی طور پر نقد اور ادھار (میں سے کسی
ایک)کا سودا کرنے میں سنجیدہ ہوں۔اور اگر یہ سودا نقد و ادھار میں تردد کے ساتھ واقع ہو کہ کسی ایک قیمت پر یقینی اتفاق نہیں ہوا تو یہ شرعا جائز نہیں ہے
۔
2مدت سے مربوط کسی بھی قسم کی بیع میں شرعا یہ جائز نہیں کہ اس معاہدے میں حالیہ قیمت سے قسطوں کے منافع کا الگ سے ذکر کیا جائے جوکہ وقت سے مربوط ہو۔چاہے فریقین اس منافع کو فیصدی طور پر اتفاق کریں یا اسے مارکیٹ ریٹ سے مربوط کریں۔]4[

3خریدار اگر قسطوں کی ادائیگی میں طے شدہ وقت سے تاخیر کرے۔تو ایسی صورت میں اس کی قسطوں کی رقم کو کسی صورت بڑھایا نہ جائے گا نہ ہی کسی سابقہ شرط کی صورت میں یا بغیر شرط کے کیونکہ یہ حرام کردہ سود ہے۔

4ایسا مقروض جو ادائیگی کرسکتا ہے اس پر ادائیگی میں سستی کرنا حرام ہے لیکن اس کے باوجود ادائیگی میں تاخیر پر اس پر کوئی مالی جرمانہ نہیں لگایا جائے گا۔

5بائع کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ خریدار کی طرف سے چند اقساط کی تاخیر سے ادائیگی کے سبب دیگر اقساط کی مدت مختصر کردے (یعنی وہ قسطیں مقررہ وقت سے پہلے وصول کرے) بشرطیکہ قرضدار نے بوقت عقد اس شرط پر اتفاق کیا ہو۔

6فروخت کنندہ کو معاہدہ کے بعد ملکیت رکھنے کا حق حاصل نہیں البتہ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مشتری پر سامان کے بطور ضمانت گروی رکھنے کی شرط لگا دے تاکہ اس کی تمام اقساط ادا ہوجائیں۔]5[

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ : جب کسی آدمی کے پاس کوئی سامان ہو اور خریدار اس شخص سے وہ سامان نقد کے بجائے ادھار میں زیادہ قیمت ادا کرکے خریدنا چاہےتو اس کا شرعی حکم کیا ہے ؟

انہوں نے جواب دیا :" اکثر علماء کے نزدیک یہ جائز ہے اس فرمان الہی کی روسے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ

البقرة282

' 'اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقررہ پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے"۔

اللہ تعالی نے یہاں یہ شرط نہیں لگائی کہ یہ قرض کا معاملہ بس موجودہ قیمت ہی کے ساتھ ہو۔

اسی طرح یہ معاملہ آپﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے بھی جائز قرار پاتا ہے کہ جب آپﷺ مدینہ آئے اور مدینہ والے پھلوں میں ایک ، دو سال تک بیع سلم کرتے تھے تو آپﷺ نے فرمایا:

" من أسلف في تمر فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم"

' 'جو شخص پھلوں میں بیع سلف کرے تو اسے چاہیے کہ متعین پیمانہ، متعین وزن اور متعین مدت کے ساتھ بیع سلف کرے"۔][6

اس حدیث میں نبیﷺ نے بھی موجودہ وقت کی قید نہیں لگائی۔نیز امام حاکم اور بیہقی نے اسناد جید سے نقل کیا ہے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے کہ انہیں نبیﷺ نے حکم دیا کہ وہ ایک لشکر کو تیار کریں اس وقت اونٹ کم پڑ گئے۔ نبیﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ خرید لیں صدقہ کے اونٹ آنے تک۔اس معنی میں اور بھی دلائل بہت ہیں اس لئے کہ تجارت کا معاملہ ادھار میں صحیح نہیں رہ سکتا الا یہ کہ تاجر مقررہ قیمت سے زیادہ لے اس لئے کہ وہ سارے نقصانات کا پابند ہوتا ہے اور اس لئے کہ بائع قیمت کی زیادتی کے ذریعے ہی فائدہ حاصل کرتا ہے اورخریدار کو چھوٹ میں اور ادائیگی میں آسانی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک تو یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اپنی ضرورت کی چیز یکمشت خرید لے اگر ادھار میں زیادتی ممنوع ہوتی تو اس سے کئی نقصانات جنم لیتے۔کیونکہ شریعت کاملہ مصالح کے حصول اور ان کی تکمیل کیلئے اور مفاسد کے ازالے اور ان کو کم کرنے کیلئے آئی ہے۔اور میں نہیں جانتا کہ اس مسئلے میں کسی نے اختلاف کیا ہو، بلکہ علماء کے کلام میں اس کا جواز و اباحت معروف ہے۔اور یہ اس وقت ہے جب خرید و فروخت استعمال اور فائدے کے لئے کی جا رہی ہو۔

مگر جب خریدار کوئی چیز اداھار میں اس لئے خریدے تاکہ اس کو نقد میں بیچ کراپنی فوری ضرورت کو پورا کر سکے، جیسے قرض کی ادئیگی ،گھر کی تعمیر ،یا شادی وغیرہ کیلئے،تو اگر یہ معاملہ صرف خریدار کی طرف سے ہے(یعنی ادھار میں بیچنے والا اس معاملہ سے لا تعلق ہو) تو اسکے جواز میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، اور اس کا نام مسئلہ التورق اور بعض نے اس کا نام الوعدۃرکھا ہے۔اس معاملہ میں زیادہ راجح یہی کہ یہ جائز ہے اور یہ فتوی ہم سابقہ عمومی دلائل کی وجہ سے دیتے ہیں، اس لئے کہ معاملات میں اصل جواز و اباحت ہے الا کہ جس کی حرام ہونے کے حوالہ سے کوئی خاص دلیل ہو،اور ضرورت بھی اس کی متقاضی ہے اس لئے کہ ضرورت مندکو بوقت ضرورت کوئی مدد کرنے والا نہیں ملتااور نہ ہی کوئی اسے قرض کے طور پر کچھ دیتا ہے اور اس وقت اس کی ضرورت بھی سخت ہے جو اسی معاملے کا تقاضا کرتی ہے تاکہ وہ اپنی ضرورت بھی پوری کر لے جو اسکے قرض کی ادائیگی کے راستے کھول دے]' ' 7[

وصلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین

[1]استاد :فقہ اسلامی ،مدینہ یونیورسٹی ، مدینہ منورہ

[2]مدرس: معہد السلفی للتعلیم والتربیہ ، کراچی

[3]سنن ابی داؤد :کتاب لبیوع ،باب السلم فی وزن المعلوم (صحیح)

[4]اس شرط کو مثال سے ایسے سمجھا جائے کہ بائع خریدار سے کہے کہ میں فلاں گاڑی تمہیں نقد قیمت پر دس لاکھ میں بیچوں گا اور اگر قسطوں پر لو گے تو ایک سال کیلئے دس پرسنٹ اوپر لوں گا یا مارکیٹ ویلیو کے مطابق لوں گا۔اس کی ممانعت کا سبب قیمت کی لاعلمی ہے۔جوکہ جائز نہیں۔

[5]قرار داد نمبر :51 (6/2) قسطون کے کاروبار کے حوالے سے : مجلۃ المجمع: ع6ج1ص193 اور ع7ج2ص9

[6]ابو داؤد : 68متفق علی صحتہ

[7] فتاوی ابن باز رحمہ اللہ19/98

(14) اسلام کا نظریہ زر اور کاغذی کرنسی کی حقیقت

الشیخ ذوالفقار علی طاہر رحمہ اللہ

چونکہ لوگوں کے ما بین لین دین کے تمام معاملات میں مرکز و محور زر ہی ہوتاہے، اس لئے ہر معاشی نظام میں زر اور اس کے متعلقات کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔زر کی اس اہمیت کے پیش نظر علماے اسلام نے بھی اپنی تحریری کاوشوں میں اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔اسلام کے قرونِ اُولیٰ میں قانونی زر سونے،چاندی کے سکوں (دنانیر و دراہم) کی شکل میں ہوتاتھا مگر دورِ حاضر میں تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس کاغذی کرنسی ہے، سونے چاندی کے سکے پوری دنیا میں کہیں استعمال نہیں ہو تے۔اسلامی نقطہ نظر سے زر کی حقیقت اور مروّجہ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کیاہے؟ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

زرکی حقیقت

زر کوعربی میں نَقْد کہتے ہیں اور مشہور لغت" المعجم الوسیط" میں نقد کا معنی یوں لکھا ہے:

"النقد: (في البيع) خلاف النسيئة ويقال: درهم نقد: جيد لازيف فيه (ج) نقود۔ والعملة من الذهب أو الفضة وغيرهما مما يتعامل به وفن تمييز جيد الكلام من رديئه، وصحيحه من فاسده"۔

' 'خرید و فروخت میں نقد کا معنی ہوتا ہے: وہ شے جو اُدھار نہ ہو ، نیز عمدہ قسم کا درہم جس میں کھوٹ نہ ہو، اس کو"درہم نقد" کہا جاتا ہے۔اس کی جمع نقود آتی ہے۔اور نقد اس کرنسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے لین دین ہوتا ہو، خواہ سونے

کی بنی ہو یا چاندی کی یاان دونوں کے علاوہ کسی دوسری چیز سے۔عمدہ اور ردّی، صحیح اور فاسد کلام کے مابین امتیاز کرنے کے فن کو بھی ''نقد'' کہتے ہیں ''۔

فقہی لٹریچر میں نقد کا لفظ تین معانی کے لئے آتا ہے

–سونے چاندی کی دھاتیں خواہ وہ ڈلی کی شکل میں ہوں یا ڈھلے ہوئے سکوں کی صورت میں۔چنانچہ فقہاء کی عبارات میں سونے چاندی کے لئے''النقدان'' کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔

–سونے چاندی کے سکوں کے لئے چاہے وہ عمدہ ہوں یا غیر عمدہ۔سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات سے بنے ہوئے سکوں کو'' فُلُوس '' کہتے ہیں۔اس معنی کے مطابق فلوس نقد میں شامل نہیں۔

–ہر وہ چیز جو بطورِ آلۂ تبادلہ استعمال ہو، چاہے وہ سونے کی ہو یا چاندی، چمڑے،پیتل اورکاغذ وغیرہ کی شکل میں ، بشرطیکہ اس کوقبولیت ِعامہ حاصل ہو۔عصر حاضر میں نقد کا لفظ اس تیسرے معنی کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔][3

جبکہ اقتصادی ماہرین نقد(زر)کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:

''إن للنقد ثلاث خصائص متى توفرت في مادة مّا، اعتبرت هذه المادة نقدًا:

الأولى: أن يكون وسيطا للتبادل

الثانية: أن يكون مقياسا للقيم

الثالثة: أن يكون مستودعًا للثروة

' 'زرکی تین خصوصیات ہیں جس مادہ میں بھی وہ پائی جائیں ، وہ زر شمار ہو گا :

*ذریعۂ مبادلہ ہو

*قیمتوں کا پیمانہ ہو

*دولت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو۔][4

بلاشبہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں مالیاتی لین دین سونے، چاندی کے سکوں کے ذریعے ہی ہوتا تھا اورسونے ،چاندی کی زر ی صلاحیت بھی مسلّمہ ہے، لیکن شریعت نے زر کے لئے سونے ،چاندی کے سکوں کی شرط نہیں لگائی بلکہ اس معاملے میں بڑی وسعت رکھی ہے۔مشہور مؤرخ احمد بن یحییٰ بلاذری کے بقول سیدنا عمررضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اونٹوں کی کھال سے درہم بنانے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اس خدشے سے اِرادہ ترک کر دیا کہ اس طرح تو اونٹ ہی ختم ہو جائیں گے۔جیسا کہ بلاذری نے ان کا یہ قول نقل کیاہے:

"هممت أن أجعل الدراهم من جلود الإبل فقيل له إذا لا بعير فأمسک"۔

' 'میں نے اونٹوں کے چمڑوں سے درہم بنانے کا ارادہ کیا۔ان سے کہا گیا: تب تو اونٹ ختم ہوجائیں گے تو اس پراُنہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا "۔][5

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتّى تكون لها سكة وعين لكرهتها أن تُباع بالذهب والورق نظرة"

' 'اگر لوگ اپنے درمیان چمڑوں کے ذریعے خرید وفروخت کورائج کر دیں یہاں تک کہ وہ چمڑے ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائیں تو میں سونے چاندی کے بدلے ان چمڑوں کو اُدھار فروخت کرنا پسند نہیں کروں گا "۔][6

یعنی اگر چمڑا بحیثیت زر رائج ہو جائے تو اس پر بھی وہی احکام جاری ہو ں گے جو درہم ودینار پر ہوتے

ہیں۔علامہ ابن نجیم حنفی خراسان کے امیر غطریف بن عطاء کندی کی طرف منسوب" غطارفۃ" نامی دراہم جن میں ملاوٹ زیادہ اورچاندی کم ہوتی تھی، کی بحث میں رقم طراز ہیں:

"وذكر الولوالجي أَن الزكاة تجب في الغطارفة إذا كانت مائتين، لأنها اليوم من دراهم الناس وإن لم تكن من دراهم النّاس في الزّمن الاول وإنما يعتبر في كل زمان عادة أهل ذلک الزمان."

’ ’ولوالجی نے ذکر کیا ہے کہ غطارفہ جب دو سو ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو گی،کیونکہ اگرچہ پہلے زمانے میں یہ لوگوں کے درہم نہیں تھے مگر آج کل یہی ہیں۔ہر دور میں اس زمانے کا رواج معتبر ہوتا ہے‘‘۔][7

اس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ شرعی لحاظ سے زر کے انتخاب میں سونے چاندی کی پابندی نہیں ہے، قیمتوں کو جانچنے کے لئے کسی بھی چیز کو معیار بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ اسے معاشرہ میں قبولیت حاصل ہو۔

زر صرف حکومت جاری کر سکتی ہے

اگرچہ شریعت نے زر کے انتخاب میں کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی، لیکن زر جاری کرنے کا اختیار صرف حکومت کو دیا ہے کیونکہ مالیاتی لین دین کا مکمل نظام زر کی اساس پر ہی رواں دواں ہے اور اگرہرکس و ناکس کو حسب ِمنشا زر جاری کرنے کی اجازت دے دی جائے تو اس سے نہایت خطرناک اقتصادی اور معاشی حالات پیدا ہو جائیں گے۔چنانچہ کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

”ولايجوز لغير الإمام ضرب النقود لأن في ذلك افتياتا عليه ويحق للإمام تعزير من افتات عليه فيما هو من حقوقه،

وسواءً كان ما ضربه مخالفًا لضرب السلطان أو موافقا له في الوزن ونسبة الغش وفي الجودة حتى لو كان من الذهب والفضة الخالصين،

قال الإمام أحمد في رواية جعفر بن محمد: لا يصلح ضرب الدراهم إلا في دار الضرب بإذن السلطان، لأن الناس إن رخص لهم ركبوا العظائم‘ ‘

’ ’امام کے علاوہ کسی کوکرنسی بنانے کی اجازت نہیں ،کیونکہ یہ اس پر ظلم ہے۔اور امام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جو شخص اس کا یہ حق سلب کرے، وہ اسے سزا دے خواہ اس کی بنائی ہوئی کرنسی خالص سونے چاندی کی ہی کیوں نہ ہو۔امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ درہم صرف حاکم وقت کی اجازت سے ٹکسال میں ہی بنائے جا

سکتے ہیں ،کیونکہ اگر لوگوں کو اس کی اجازت دے دی جائے تو وہ بڑے مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے"۔[8]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ویکرہ أیضا لغیر الإمام ضرب الدراھم والدنانیر وإن کانت خالصۃ لأنہ من شأن الإمام ولأنہ لا یؤمن فیہ لغش والافساد"

" 'امام کے علاوہ کسی کو درہم اور دینار بنانے کی اجازت نہیں چاہے وہ خالص ہی ہوں ،کیونکہ یہ امام کا حق ہے اور اس دوسرے کو اس لئے بھی اجازت نہیں کہ اس میں جعل سازی اور بگاڑ کا اندیشہ ہے "۔[9]

ثابت ہوا کہ اسلامی نقطہ نظر سے حکومت ِوقت کے علاوہ کسی کوکرنسی جاری کر نے کا اختیار نہیں ،کیونکہ اس طرح جعلی کرنسی وجود میں آ نے کاخدشہ ہے

جوموجب ِفساد ہے۔

زر کی قدر مستحکم ہونی چاہئے

اسلامی نظامِ معیشت کا مکمل ڈھانچہ عدل پرقائم ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان معاملات کو ممنوع قرار دیاہے جو عدل کے منافی ہیں ، چونکہ تمام مالی معاملات در حقیقت زرہی کے گرد گھومتے ہیں اورکسی مالی معاہدے کے وقوع اور وقت ادائیگی کے درمیان زر کی قوتِ خرید میں غیر معمولی کمی سے صاحب ِحق کا متاثر ہونا یقینی ہے جو تقاضائے عدل کے خلاف ہے، اسی بناپر بعض مسلم مفکرین افراطِ زر کو بخس،تطفیف اورملاوٹ میں شمار کرتے ہیں۔چنانچہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ مناسب حد تک کرنسی کی قدرکو مستحکم رکھے۔چنانچہ الموسوعۃ الفقھیۃ میں مرقوم ہے:

"من المصالح العامۃ للمسلمین التي یجب علی الإمام رعایتھا المحافظۃ علی استقرار أسعار النقود من الانخفاض،

لئلا يحصل بذلک غلاء الأقوات و السلع و ينتشر الفقر و لتحصل الطمأنينة للناس بالتمتع بثبات قيم ما حصلوه من النقود بجهدهم و سعيهم و اكتسابهم، لئلا تذهب هدرا و يقع الخلل و الفساد.''

' 'مسلمانوں کے مفاداتِ عامہ جن کا تحفظ امام کی ذمہ داری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ زر کی قیمتوں میں ثبات پیدا کرے تاکہ اس سے خوراک اور اشیا کی قیمتیں نہ بڑھیں اور غربت میں اضافہ نہ ہو۔اور لوگ اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کئے گے زر سے فائدہ اُٹھانے کے متعلق مطمئن ہوں تاکہ وہ زر رائیگاں نہ جائے اور خلل اور فساد واقع نہ ہو''۔][10

مشہور محدث امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و الثمن هو المعيار الذي به يعرف تقويم الأموال فيجب أن يكون محدودًا مضبوطًا لا يرتفع و لا ينخفض إذ لو كان الثمن يرتفع و ينخفض كالسلع لم يكن لنا ثمن نعتبر به المبيعات بل الجميع سلع و حاجة الناس إلى ثمن يعتبرون به المبيعات حاجة ضرورية عامة و ذلک لا يمكن إلا بسعر تعرف به القيمة و ذلک لا يكون إلا بثمن تقوم به الأشياء و يستمر على حالة واحدة و لا يقوم هو بغيره إذ يصير سلعة يرتفع و ينخفض فتفسد معاملات الناس و يقع الخلف و يشتد الضرر''

' 'زر ہی وہ معیار ہے جس کے ذریعے اموال کی قیمتوں کی پہچان ہوتی ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ متعین اور کنٹرول میں ہو، اس کی مالیت میں اُتار چڑھاؤنہ ہو،کیونکہ اگر سامانِ تجارت کی طرح زر میں بھی اُتار چڑھاؤ ہو تو ہمارے پاس اشیاء کی قیمت لگانے کے لئے کوئی ثمن (زر) نہیں رہے گا بلکہ سب سامان ہی ہو گا، حالانکہ اشیاء کی قیمت لگانے کے لئے لوگ ثمن کے محتاج ہیں۔اور یہ ایسے نرخ کے ذریعے ممکن ہے جس سے قیمت کی معرفت حاصل ہواور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب اشیاء کی قیمت لگانے کے لئے ایک ز ر ہو اور وہ ایک ہی حالت پر رہے۔اور اس کی قیمت کا معیار کوئی دوسری چیز نہ ہو،کیونکہ اس صورت میں وہ خود سامان (Commodity)بن جائے گا جس کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی ہے، نتیجتاً لوگوں کے معاملات خراب ہو جائیں گے، اختلاف پیدا ہوگا اور شدید ضرر لاحق ہو گا''۔][11

یعنی کرنسی ایسی ہونی چاہیے جس کی مالیت میں عام اشیاء کی طرح غیر معمولی کمی واقع نہ ہو بلکہ معقول حد تک مستحکم قدرکی حامل ہو ورنہ لوگ ضرر کا شکار ہوں گے۔

زر کی قدر میں استحکام کیسے لایا جا ئے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کاغذی کرنسی کی قدر میں مسلسل کمی کا رجحان چلا آرہا ہے اور آج کل تو اس کی قدر بہت تیزی سے گر رہی ہے، اس کے برعکس سونے چاندی کی قوتِ خرید خاصی مستحکم ہے، بالخصوص سونے کی قوتِ خرید میں کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، اگر کسی بحران یا سونے کے مقابلہ میں اشیاء وخدمات کی قلت کی بنا پر ایسا ہوا بھی تو کمی کا یہ سلسلہ مستقل جاری نہیں رہا اور اس کے اسباب دور ہونے کے بعد صورت اس کے برعکس ہو گئی۔اگر عہد ِرسالت میں سونے کی قوتِ خرید کااس کی موجودہ قوتِ خرید سے تقابل کیا جائے توکوئی خاص فرق نظر نہیں آئے گا۔بطورِ نمونہ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

قتل کی دیت سو اونٹ ہے، اگر کسی کے پاس اونٹ نہ ہوں تو وہ ان کی قیمت ادا کر دے جو آپ ﷺ کے دور میں آٹھ سو دینار مقرر تھی۔

"کانت قیمۃ الدیۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمان مائۃ دینارٍ"۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار تھی"۔[12]

اس کا مطلب ہے کہ عہد ِرسالت میں ایک اونٹ کی قیمت آٹھ دینار تھی۔جدید تحقیق کے مطابق شرعی دینار کا وزن 25.4گرام ہے۔[13] اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک اونٹ کی قیمت 34گرام سونا بنی، آج بھی اتنے سونے کے عوض ایک اونٹ خریدا جاسکتا ہے۔اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ گراں ہونے پر دیت کی قیمت آٹھ سو سے بڑھا کر ہزار دینار کر دی تھی، مگر آج کل ایک سو اونٹ خریدنے کے لئے آٹھ سو دینار یعنی 3400 گرام سونا کافی ہے۔

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم دِينَارًا يشْتَرِي بِهِ أُضْحِيةً أَوْ شَاةً فَاشْتَرى شَاتَينِ فَبَا عَ إِحْدَاهما بِدِينَارٍ فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ. ' '

' 'نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیا تا کہ وہ اس سے ایک قربانی یا ایک بکری خریدے۔اُنہوں نے دو بکریاں خرید لیں ،پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا اور ایک بکری اور ایک دینار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے"۔][14

یعنی عہد ِرسالت میں 25.4 گرام سونے کے عوض ایک بکری خریدی جا سکتی تھی، آج بھی سونے کی قوتِ خرید یہی ہے۔

ان دو مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہد ِرسالت سے لے کر اب تک سونے کی قدر میں غیر معمولی کمی نہیں ہوئی، اگر کسی دور میں ایسا ہوا بھی تو بعد میں معاملہ اُلٹ ہو گیا۔البتہ اس عرصہ کے دوران سونے کی نسبت چاندی کی قوتِ خرید میں کافی کمی آئی ہے:

عہد ِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دس درہم (تقریباً تیس گرام) چاندی سے ایک بکری خریدی جا سکتی تھی، اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں اونٹوں کی زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہوا ہے:

"مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ، وَلَيسَتْ عِنْده جَذَعَةٌ وَعِنْده حِقَّةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنهُ الْحِقَّةُ وَيجْعَلُ مَعهَا شَاتَينِ إِنِ اسْتَيسَرَ تَا لهُ أَوْ عِشْرِينَ دِرهَما."

' 'جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ میں جذعہ (چار سالہ اونٹ) فرض ہو اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو تو اس سے تین سالہ اونٹ قبول کر لیا جائے گااور وہ ساتھ دو بکریاں اگر آسانی سے میسر ہوں دے گا یا بیس درہم"۔یعنی ایک بکری کے بدلے دس درہم۔][15

لیکن آج کل اتنی چاندی میں ایک بکری نہیں خریدی جاسکتی۔تاہم اس کمی سے اس قسم کے تباہ کن معاشی حالات پیدا نہیں ہوتے رہے جن سے لوگ کاغذی کرنسی کی وجہ سے دوچار ہیں۔اس لئے ماہرینِ معیشت کی رائے میں کاغذی کرنسی کی قدر میں ہوش ربا تغیر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مہنگائی کے طوفانوں کا ایک ہی حل ہے کہ مالیاتی لین دین کی بنیاد سونے ،چاندی کو بنایا جائے۔چنانچہ آج کل پوری دنیا میں مختلف حلقوں کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ دوبارہ سونے،چاندی کے سکوں کا نظام رائج کیاجائے۔

ابن مقریزی کے نزدیک بھی نرخوں میں بے تحاشہ اضافے کا حل یہی ہے کہ ازسرنو ''معیاری قاعدہ زر''(Gold Specie Standard) کا اِجرا کیا جائے۔چنانچہ کویت کے فقہی انسا ئیکلوپیڈیا میں ان کی رائے یوں درج ہے:

' 'نرخوں میں افراتفری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مہنگائی کی موجوں کا علاج صرف یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زر کے استعمال کی طرف لوٹا جائے''۔

ان کے دور میں افراطِ زر کا جو بحران پیدا ہوا تھا، ان کی نظر میں اس کا ایک سبب سونے کی جگہ معدنی سکوں سے لین دین تھاجس سے قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔چنانچہ وہ اس پر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

'' اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے دیں جن کے سپرد اس نے اپنے بندوں کے اُمور کر رکھے ہیں یہاں تک کہ وہ لین دین کو سونے کی طرف لے جائیں اور سامان کی قیمتوں اور اُجرتوں کو دینار اور درہم سے وابستہ کر دیں تو اس سے اُمت کا بھلا اور اُمور کی اِصلاح ہو گی''۔] 16[

جبکہ جدیدماہرینِ معیشت کے نزدیک حکومت کا حقیقی پیداوار کو نظر انداز کرکے نوٹ چھاپنا، اشیاء و خدمات کی طلب و رسد کے درمیان عدمِ توازن،اِسراف و تبذیر،تاجروں میں ناجائز منافع خوری کا رجحان اوراشیاء کی پیداواری لاگت میں اضافہ وہ عوامل ہیں

جو کرنسی کی قدر میں عدمِ استحکام پیدا کرتے ہیں۔ان مسائل کو حل کر کے کرنسی کی قدر میں استحکام پیدا کیا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ سونے ،چاندی کے سکے لازمی شرعی تقاضا نہیں ، علاوہ ازیں سونے، چاندی کے سکوں کی پابندی ریاست کے لئے غیر ضروری زحمت کا موجب بھی بن سکتی ہے، ممکن ہے ریاست کے پاس سکے بنانے کے لئے سونے چاندی کے وسیع ذخائر موجود نہ ہوں۔البتہ جب افراط زر کامسئلہ سنگین صورت اختیار کرجائے تو اس وقت اس کا کوئی معقول حل ہونا چاہئے جیسا کہ علما کی فقہی آراء گزر چکی ہیں۔

زَر : اقسام ، تاریخ اور احکام

زَر کی دو قسمیں ہیں : حقیقی،اعتباری

حقیقی زر کااطلاق سونے،چاندی پر ہوتا ہے۔سونے چاندی کے علاوہ زر کی باقی تمام اقسام خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں ''اعتباری زر'' کہلاتی ہیں۔سونے چاندی کو حقیقی زر اس لئے کہاجاتا ہے کہ ان کی قوتِ خریدفطری ہے، اگر بحیثیت ِزر ان کا رواج ختم بھی ہوجائے تب بھی باعتبارِ جنس ان کی ذاتی مالیت برقرار رہتی ہے۔جبکہ اگر اعتباری زر کی زری حیثیت ختم ہو جا ئے تو سونے چاندی کی طرح اس کی افادیت باقی نہیں رہتی۔سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت کا فلسفہ بھی یہی معلوم ہوتاہے کہ یہ زَر ہیں۔

زر اور کرنسی میں فرق

کرنسی کے مقابلے میں ''زر'' اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے، کیونکہ اس میں کرنسی کے علاوہ دوسری اشیاء بھی شامل ہیں جن کو معاشرے میں آلہ مبادلہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔اس کے برعکس کرنسی کا اطلاق صرف کاغذی زر پر ہوتا ہے۔اسی طرح کرنسی کو ادائیگیوں کے لئے قانونی طور پر قبول کرنا لازم ہوتا ہے جبکہ عام زر میں یہ پابندی نہیں ہوتی۔تاہم اس اعتبار سے دونوں ایک ہیں کہ زر کی طرح کرنسی

بھی آلہ مبادلہ کی حیثیت سے استعمال ہونے کے علاوہ اشیاء کی قیمتوں کا تعین کرتی اور قابل ذخیرہ ہوتی ہے۔

کرنسی کی تاریخ

سونے ،چاندی کے بحیثیت ِزر استعمال ہونے سے قبل دنیامیں ''زرِبضاعتی''یا ''اجناسی زر''(النقود السلعيۃ)کا نظام رائج تھا۔اس سسٹم کے تحت ہرخطے کے لوگوں نے اپنے علاقے میں مقبول اور قیمتی شمار ہونے وا لی اشیاء کو زر کا درجہ دیا۔بعض علاقوں میں چاول بعض میں چمڑااوربعض میں چائے زر کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔چنانچہ معروف سعودی عالم جسٹس ڈاکٹر عبداللہ بن سلیمان منیع لکھتے ہیں:

' 'اس نظام میں یہ طے پایا کہ ایسی اشیا کوزرِ بضاعتی قرار دیا جائے جن میں حسابی وحدت، قیمتوں کی یکسانیت، بحیثیت ِمال جمع کئے جانے کی استعداد اور قوتِ خرید موجود ہو۔یہ اشیاء نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھیں مثلاً ساحلی علاقہ جات میں موتیوں کو بطورِ ثمن (زر)استعمال کیا گیا۔سرد علاقوں میں پشم کو ثمن ٹھہرایا گیا۔جبکہ معتدل موسم کے حامل ممالک میں آباد لوگوں کی خوشحال زندگی اور آسودہ حالی کی بنا پر خوبصورت اشیاء (مثلاً قیمتی پتھروں کے نگینے ،عمدہ لباس، ہاتھی کے دانت اورمچھلیوں وغیرہ)کو کرنسی قرار دیا گیا۔جاپان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں چاول کو بطورِ کرنسی استعمال کیا گیا جبکہ وسط ِایشیا میں چائے، وسطی افریقہ میں نمک کے ڈلوں اور شمالی یورپ میں پوستین کو کرنسی قرار دیاگیا''۔][17

رومی بادشاہ جولیس سیزر (دورِ حکومت 60تا 44ق م)کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی فوج کو تنخواہ نمک کی شکل میں ملتی تھی۔نمک کو لاطینی میں ''سیل''کہتے ہیں ، اسی سے لفظ Salary نکلا ہے جس کامعنی ''تنخواہ'' ہوتا ہے۔

چونکہ اشیاء ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہوتا ہے اور ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی بھی آسان نہیں ہوتی، اس لئے یہ نظام مستقل جاری نہ رہ سکا۔لوگوں نے اس کی جگہ سونے چاندی کا استعمال شروع کردیا۔ابتدا میں سونے چاندی کے وزن کا ہی

اعتبار ہوتا تھا۔سکوں کا رواج بعد میں شروع ہو ا۔سکے کب وجود میں آئے؟اس کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔البتہ قرآنِ مجید سے یہ پتہ چلتاہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے دور میں دراہم موجود تھے، کیونکہ ان کے بھائیوں نے اُنہیں دراہم کے عوض بیچاتھا:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ

یوسف-20

’ ’اُنہوں نے اس کو انتہائی کم قیمت، جو گنتی کے چند درہم تھے، کے عوض فروخت کر دیا۔‘‘

واضح رہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا دور 1910 تا 1800ق م ہے۔

اسی طرح کہتے ہیں کہ سونے کا سکہ سب سے پہلے لیڈیاکے بادشاہ کروسس (دورِ حکومت: 560تا541 ق م) نے متعارف کرایا۔

عہد ِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنسی

بعثت ِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عرب میں لین دین کا ذریعہ درہم و دینار تھے، لیکن گنتی کی بجائے وزن کا اعتبار کیا جاتا۔یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ درہم و دینار عرب کے مقامی سکے نہ تھے بلکہ ہمسایہ اقوام سے یہاں آتے تھے۔ —درہم ساسانی سکہ تھا جو عراق کے راستے عرب پہنچتا اور لوگ اس کی بنیاد پر باہم لین دین کرتے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کوبرقرار رکھا۔یہ دراہم چونکہ مختلف وزن کے ہوتے تھے، اس لئے جب نصابِ زکو ۃ کے لئے درہم کا وزن مقررکرنے کی نوبت آئی تومسلمانوں نے ان میں سے متوسط کو معیار بنایا، چنانچہ اسی کو شرعی درہم سمجھا گیا۔ایک قول کے مطابق یہ کام عمررضی اللہ عنہ کے دور میں جبکہ

دوسرے قول کے مطابق بنواُمیہ کے دور میں ہوا۔جو صورت بھی ہو، تاہم آخر کارجس شرعی درہم پراجماع ہوا وہ وہی ہے جو عبد الملک بن مروان کے دور میں بنایاگیا۔لیکن فقہاء اور مؤرخین نے ثابت کیا ہے کہ یہ درہم اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا تھا بلکہ مختلف شہروں میں اس کے وزن اور معیار میں کافی تبدیلی آتی رہی ہے۔جدید تحقیق کی روشنی میں اس درہم کا وزن975.2 گرام چاندی ہے۔][18

— اسی طرح دینار رومیوں کی کرنسی تھی جو براستہ شام یہاں آئی۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا حتی کہ خلفائے راشدین اور سیدنامعاویہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی رومی دینار کو ہی کرنسی کی حیثیت حاصل رہی۔جب مسند ِخلافت عبدالملک بن مروان کے پاس آئی تو اُنہوں نے زمانۂ جاہلیت کے دینار کے مطابق ایک دینار جاری کیا جس کو ''شرعی دینار'' کہاجاتا ہے، کیونکہ اس کا وزن اس دینار کے برابر تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا تھا۔][19

–معمولی اشیاء کے لین دین میں سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں یعنی تانبے وغیرہ سے بنے سکے جنہیں فُلُوس کہاجاتا ہے، بھی استعمال ہوتے۔جیسا کہ حدیث میں دیوالیہ شخص کے متعلق اَلْمُفْلِس کالفظ آتا ہے۔شارح بخاری حافظ ابن حجر اپنی مایہ ناز تالیف ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

' 'شرعی معنوں میں ''مفلس''وہ شخص ہے جس کے قرضے اس کے پاس موجود مال سے زیادہ ہوجائیں۔اسے مفلس اس لئے کہا جاتا ہے کہ پہلے درہم و دینار کا مالک تھا لیکن اب فلوس پر آگیا ہے۔یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ شخص صرف معمولی مال (فلوس) کا مالک رہ گیا ہے۔یا ایسے شخص کو مفلس اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کو فلوس جیسی معمولی چیز میں ہی تصرف کا حق ہو تا ہے، کیونکہ وہ فلوس کے ذریعے معمولی اشیا کا لین دین ہی کرتے تھے''۔3

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی فُلوس کا تذکرہ موجود ہے:

"فَأَمَرَهاأَنْ تَشْتَرِیَ بِهِ فُلُوسًا"

''اُنہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اس کے بدلے "فلوس" خرید لو"۔
سونے چاندی کے سکے وجود میں آنے کے بعدبھی بعض علاقوں میں مخصوص اشیاء زر کی حیثیت سے استعمال میں رہیں۔مشہور سیاح ابن بطوطہ جب سوڈان گیا تو اس وقت وہاں نمک کے ساتھ ہی لین دین ہوتاتھا،چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''سوڈان میں نمک بطورِ روپیہ کے چلتا ہے اور سونے چاندی کا کام دیتا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور ان کے ذریعے خریدو فروخت ہوتی ہے"۔[20]

پھرمختلف اسباب کی بنا پر آہستہ آہستہ درہم دینار کا رواج ختم ہوتا چلا گیااور ان کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی۔اب صورت حال یہ ہے کہ پوری دنیامیں کرنسی نوٹوں کا ہی دور دورہ ہے کیونکہ یہ آسان ترین ذریعۂ مبادلہ ہے۔

نوٹ کب ایجاد ہوئے؟

کہا جاتاہے کہ اہلِ چین نے 650ء سے 800ء کے درمیان کاغذ کے ڈرافٹ بنانے شروع کئے تھے، انہی ڈرافٹ نے آگے چل کرکرنسی نوٹوں کی اشاعت کا تصور دیا۔ اسی لئے کاغذکی طرح کرنسی نوٹ بھی اہل چین کی ایجاد شمار ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے کرنسی نوٹ910ء میں چین میں ایجادہوئے۔[21]

ابن بطوطہ جو 1324ء سے1355ء کے درمیان چین کی سیاحت پر گیاتھا، چین کے نوٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتاہے:

''اہل چین درہم یادینار کے ذریعہ سے خرید وفروخت نہیں کرتے بلکہ سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کے ڈلے بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے خرید وفروخت کرتے ہیں۔یہ کاغذ کاٹکڑاکفدست(ایک بالشت)کے برابر ہوتاہے اور بادشاہ کے مطبع میں اس پر مہر لگاتے ہیں۔ایسے پچیس کاغذوں کو بالشت کہتے ہیں۔ہمارے ملک میں یہ لفظ دینار کے معنی میں مستعمل ہوتاہے۔جب یہ کاغذ کثرت

استعمال سے یا کسی اور طرح پھٹ جاتاہے تو وہ دارالضرب میں لے جاتے ہیں اور اس کے عوض نیا لے آتے ہیں۔یہ دارالضرب ایک بڑے درجہ کے امیر کی تحویل میں ہے۔جب کوئی شخص بازار میں درہم یا دینار لے کر خرید وفروخت کرنے جاتاہے تو وہ درہم یا دینار نہیں چلتے، لیکن وہ درہم یا دینار کے عو ض یہ کاغذ لے سکتاہے اور ان کے عوض جو چیز چاہے خرید سکتا ہے"۔

مشہورمؤرخ ابن مقریزی جب بغداد گئے تھے تواُنہوں نے بھی وہاں چین کے نوٹوں کا مشاہدہ کیاتھا۔]22[

چین کے بعد جاپان دوسرا ملک ہے جہاں چودھویں صدی عیسوی میں کرنسی نوٹ جاری ہوئے۔یورپ میں پہلا باقاعدہ نوٹ 1661ء کو"سٹاک ہام بینک" آف سویڈن نے جاری کیا۔انگلینڈ نے 1695ء میں کرنسی نوٹ جاری کئے۔ہندوستان میں پہلا نوٹ 5جنوری1825ء کو "بنک آف کلکتہ" نے جاری کیاجس کی مالیت دس روپے تھی۔

آزادی کے بعد پاکستان میں کرنسی نوٹ یکم اکتوبر 1948ء کو جاری کئے گئے۔

ابتداء میں تونوٹ کی پشت پر سو فیصد سونا ہوتا تھا،لیکن بعد میں مختلف معاشی وجوہ کے باعث سونے کی مقدار سے زائد نوٹ جاری کئے جانے لگے اورمختلف اَدوار میں یہ تناسب بتدریج کم ہوتا رہا یہاں تک کہ1971ء سے نوٹ کا سونے سے تعلق بالکل ختم ہو چکا ہے۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت

اب نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس بارے میں علماء کی مختلف آرا ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ نوٹ اصل میں اس بات کا دستاویزی ثبوت ہیں کہ حاملِ نوٹ نے اس نوٹ کےجاری کنندہ سے اتنا سونا یا چاندی وصول پانا ہے۔اس کے حق میں سب سے مضبوط دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ نوٹ پر یہ ا لفاظ تحریر ہوتے ہیں:

" 'حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا"۔

اس رائے کے مطابق نوٹوں کے ساتھ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں ، کیونکہ نوٹ کے ساتھ خریداری کا مطلب حقیقت میں اس سونے یا چاندی کے ساتھ خریداری ہے جو اس نوٹ کی پشت پرہے اور شرعی اعتبار سے سونے کی سونے یا چاندی کی سونے کے ساتھ بیع میں دونوں طرف سے موقع پر قبضہ شرط ہے جو یہاں مفقود ہے، کیونکہ خریدار نے سونے کے بدلے سونا نہیں دیا بلکہ اس کی رسید دی ہے۔چنانچہ تفسیر''اضواء البیان ''کے مصنف علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''وأنها سند بفضة وأن المبيع الفضة التي هي سند بها ومن قرأ المكتوب عليها فَهم صحة ذلك، وعليه فلا يجوز بيعها بذهب ولا فضة ولو يدًا بيد لعدم المناجزة بسبب غيبة الفضة المدفوع سندها''۔

' 'یہ نوٹ چاندی کی رسید ہیں اور بیچی گئی چیز وہ چاندی ہے جس کی یہ رسید ہیں۔جو ان پر لکھی عبارت پڑھے گا وہ اس رائے کا درست ہونا سمجھ جائے گا۔اس رائے کے مطابق نوٹوں کی سونے چاندی کے بدلے بیع چاہے نقد ہوجائز نہیں ، کیونکہ جس چاندی کی رسید دی جاتی ہے وہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے دونوں طرف سے موقع پر قبضہ کی شرط نہیں پائی جاتی''۔[23]

جس طرح اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹوں کے بدلے سونا چاندی خریدنا جائز نہیں ، اسی طرح نوٹوں کے ساتھ مشارکہ یا بیع سلم درست نہیں ، کیونکہ اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹ دَیْن(Debt) کی رسید ہے جبکہ شرعی اعتبار سے شراکت اور سلم میں سرمایہ نقد ہونا ضروری ہے۔علاوہ ازیں یہ رائے اختیار کرکے ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ (منی چینجر کا کاروبار) بھی نہیں ہوسکتا،کیونکہ یہ سونے کے بدلے سونے کی اُدھار اور کمی بیشی کے ساتھ بیع ہو گی جو شرعاًدرست نہیں۔

مگر یہ موقف درست نہیں کیونکہ اب نوٹ قرض کی رسید نہیں رہا جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو ا ہے بلکہ اب یہ خود قانونی زر بن چکا ہے اور ہم پیچھے بیان کر

آئے ہیں کہ حکومت کوئی بھی چیزبطورِ زر اختیار کر سکتی ہے۔اب نوٹ پر لکھی اس عبارت ''حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا''۔کا مطلب صرف یہ ہے کہ حکومت اس کی ظاہری قیمت کی ذمہ دار ہے۔جسٹس علامہ عمر بن عبدالعزیز المترک فرماتے ہیں:

' 'نوٹ رسید نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ گم یا تلف ہو جائے تو اس کا مالک جاری کنندہ سے مطالبہ نہیں کر سکتا خواہ اس کے پاس ہزار گواہ ہوں اور اگر یہ حقیقی رسید ہوتا تو اس کو ضروریہ اختیار ہوتا، کیونکہ قرض مقروض کے ذمے ہوتا ہے، رسید تلف ہونے سے ضائع نہیں ہوتا''۔][24

بعض نامور علما کے نزدیک نوٹ بذاتِ خود سامان(جنس) کی حیثیت رکھتے ہیں۔مشہور مالکی فقیہ علیش مصری کی بھی یہی رائے ہے۔علامہ محمد امین شنقیطی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وممن أفتى بأنها كعروض التجارة العالم المشهور عليش المصري صاحب النوازل، وشرح مختصر خليل، وتبعه في فتواه بذلك كثير من متأخري علماء المالكية''

' 'جن حضرات نے ان کے سامانِ تجارت ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ان میں ''نوازل ''اور ''شرح مختصر خلیل ''کے مصنف مشہور عالم علیش مصری بھی شامل ہیں۔ بعد کے اکثرمالکی علماء نے بھی ان کے فتویٰ کی پیروی کی ہے''۔][25

اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نوٹ قیمت بننے کی صلاحیت سے عاری ہے، کیونکہ یہ نہ سوناہے اور نہ چاندی، یہ تو سامان کی مانندہیں۔اس نظریہ کے مطابق ایک نوٹ کا دو نوٹوں کے ساتھ تبادلہ درست ہے۔اسی طرح اس نظریہ کے مطابق نوٹوں میں زکوٰۃ اسی صورت واجب ہو گی جب ان کو فروخت کر کے نفع کمانا مقصود ہو۔یعنی بذات خود ثمن کی بجائے نوٹ سامانِ تجارت قرار پاسکتاہے۔مزید برآں ا س قول کی بنیاد پر نوٹ سے مضاربہ اور بیع سلم بھی جائز نہیں بنتی، کیونکہ یہ قیمت نہیں ، سامان ہے۔چونکہ یہ نظریہ خطرناک نتائج

کا حامل ہے، اس لئے عصر حاضر کے اہل علم اس کی تائید نہیں کرتے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ نوٹ سونے، چاندی کا متبادل ہیں۔اگراس کے پیچھے سونا ہو تو سونے اور اگر چاندی ہو توچاندی کامتبادل ہو گا۔ڈاکٹر عبداللہ بن سلیمان منیع لکھتے ہیں:

’ ’اس نظریہ کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کے اعتبار سے یہ نوٹ اپنی اس اصل کی طرح ہے جس کے یہ بدل ہیں یعنی سونا اور چاندی، کیونکہ ان کا اصل چاندی یا سونا ان کی پشت پر ان کے زرِ ضمانت کے طور پر موجود ہے اور مقاصد ِشرعیہ کاتعلق تو اصل اور حقائق سے ہے نہ کہ الفاظ اور ان کی بناوٹ سے‘‘۔] 26[

اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹوں کے باہمی لین دین میں سود کے احکام بھی جاری ہوں گے اور جب یہ دو سو درہم چاندی یا بیس دینار سونے کی قیمت کے مساوی ہوں تو سال کے بعد ان پرزکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔اسی طرح ان کے ذریعے بیع سلم بھی درست ہو گی۔

لیکن یہ رائے بھی کمزور ہے، کیونکہ اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ نوٹ کی پشت پر سونا یاچاندی ہے حالانکہ امر واقع میں ایسا نہیں۔چنانچہ جسٹس علامہ عبداللہ بن سلیمان منیع اس کی خود تردید کرتے ہیں:

’ ’یہ نظریہ بھی حقیقت ِواقعہ کے مطابق نہ ہونے کی بنا پر قابل التفات نہیں ،کیونکہ اس کا دارومدار کرنسی نوٹوں کی اصل پر ہے اور اصل جیسا کہ ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ وہ تو کرنسی نوٹوں کی پشت پر ہے نہیں۔بلکہ اکثر ممالک کے نوٹ محض ساکھ کی بنا پر ،زبانی ضمانتوں اور حکومتوں کے جاری کردہ ہونے کی بنا پر رائج اور قابل قبول ہیں ، ورنہ ان کے پیچھے نہ تو سونا ہے نہ چاندی۔بلکہ کچھ ایسے ہیں جنہیں پراپرٹی کی ضمانت حاصل ہے اور کچھ کو محض اقتدار کی ضمانت۔لہٰذا یہ نظریہ خلافِ واقعہ ہونے کی بنا پر بہت کمزور ہے‘‘۔] 27[

نوٹ کی شرعی حیثیت کے متعلق چوتھی رائے یہ ہے کہ نوٹ دھاتی سکوں (فلوس) کی طرح اصطلاحی زر ہیں جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے لکھا ہے:

" الرابع ماهو سلعة بالأصل وثمن بالاصطلاح كالفلوس . . . إلى أن قال إذا علمت هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة بأصله لأنه قرطاس وثمن بالاصطلاح لأنه يعامل به معاملة الأثمان"

' 'مال کی چوتھی قسم وہ ہے جو اصل میں تومال ہے، لیکن اصطلاحی لحاظ سے زر ہے جیسے دھاتی سکے ہیں ...جب یہ معلوم ہوگیا تو، سنو نوٹ کا تعلق چوتھی قسم سے ہے جو حقیقت میں سامان ہے کیونکہ یہ کاغذ ہے اور اصطلاحی طور پر زر ہے، کیونکہ اس سے زر جیسا معاملہ کیاجاتاہے"۔

لیکن یہ رائے بھی قوی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اہل علم کے ہاں دھاتی سکوں میں زر کی بجائے سامان کا پہلو غالب ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء نہ توکمی بیشی کے ساتھ ان کا تبادلہ مکروہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان کو شراکت و مضاربت میں رأس المال بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔نیزان میں زکوٰۃبھی اسی صورت واجب قرار دیتے ہیں جب ان کو فروخت کر کے نفع کمانا مقصود ہو۔جیساکہ الموسوعۃ الفقھیۃمیں ہے:

"الأصح عند الشافعية والصحيح عند الحنابلة وهو قول الشيخين من الحنفية وقول عند المالكية: أنها ليست أثمانا ربوية وأنها كالعروض"

' 'امام ابوحنیفہ ،امام ابو یوسف رحمہم اللہ اورمالکی فقہاء کاقول ،حنابلہ کا صحیح مسلک اور شافعیوں کا صحیح ترین نقطہ نظر یہی ہے کہ دھاتی سکوں میں ربا نہیں ہے بلکہ یہ سامان کی طرح ہیں "۔[29]

"ذهب جمهور الفقهاء: أبو حنيفة وأبو يوسف والمالكية على المشهور والشافعية والحنابلة إلى أن المضاربة لا تصح بالفلوس لأن المضاربة عقد غرر جوز للحاجة فاختص بما يروج غالبًا وتسهل التجارة به وهو الأثمان."

' 'امام ابو حنیفہ ،ابویوسف ، مالکی(مشہور مسلک کے مطابق) شافعی اور حنبلی فقہاء کا خیال ہے کہ دھاتی سکوں کے ذریعے مضاربہ درست نہیں کیونکہ مضاربہ عقد ِغرر

ہے جو ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ یہ انہی چیزوں کے ساتھ خاص رہے گاجو اکثر مروّج ہوں اور ان کے ساتھ تجارت آسان ہو اوروہ نقد میں ہیں "۔یعنی دھاتی سکے زر نہیں۔]30[

"فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الفلوس كالعروض فلا تجب الزكاة فيها إلا إذا عرضت للتجارة"۔

' 'شافعی اور حنبلی فقہاء کی رائے میں دھاتی سکے سامان کی طرح ہیں ، چنانچہ ان میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب یہ تجارت کی غرض سے ہوں "۔]31[

ان فقہاء کے نقطہ نظر کی تائیداس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی حدیث میں دھاتی سکوں کی زکوٰۃکا تذ کرہ نہیں ملتا حالانکہ عہد ِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ موجود تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔اگر یہ زر ہوتے تو سونے چاندی کی طرح ان کی زکوۃ کا بھی ذکر ہوتا۔سیدنا ابو ذرضی اللہ عنہ کی اس روایت کہ انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا: "اس کے فلوس خرید لو"۔سے بھی یہ اشارہ نکلتا ہے کہ صحابہ کے ہاں دھاتی سکے سامان شمار ہوتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فقہائے احناف کے نزدیک دھاتی سکے زر ہیں ، اسی لئے وہ ان میں زکوٰۃ بھی واجب قرار دیتے ہیں ، لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک متعاقدین دھاتی سکوں کو متعین کر کے ان کی زر ی حیثیت ختم کر سکتے ہیں ، اس صورت میں یہ سامان کے حکم میں ہوتے ہیں اوران حضرات کے نزدیک کمی بیشی کے ساتھ ان کا تبادلہ بھی صحیح ہو تا ہے۔

ان شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہاء کی نظر میں دھاتی سکے(فلوس) یا تو زر ہی نہیں یا پھر ناقص زر ہیں ، اسی لئے وہ ان سے زرکاوصف ختم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔جو صورت بھی ہو بہر حال کرنسی نوٹوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا،کیونکہ نہ تودھاتی سکوں کی طرح ان میں سامان کا پہلوغالب ہے۔یہ تو محض کاغذ کے ٹکڑے ہیں، ان کی جو حیثیت بھی ہے، وہ ان کی پشت پر حکومتی ضمانت

کی وجہ سے ہی ہے اور نہ ہی متعاقدین کو ان کی زری حیثیت کالعدم کرنے کااختیار ہے، کیونکہ یہ قانونی زر ہیں۔

اس سلسلہ میں پانچویں اورآخری رائے یہ ہے کہ نوٹ سونے چاندی کی طرح مستقل زر ہے، کیونکہ نوٹوں میں زر کی تما م صفات پائی جاتی ہیں۔قیمتوں کا پیمانہ اور قابل ذخیرہ بھی ہیں اور لوگ ان پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔شرعی اعتبار سے یہی زر کی حقیقت ہے جیسا کہ ہم شروع میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کر آئے ہیں:

’ ’اگر لوگ اپنے درمیان چمڑوں کے ذریعے خرید وفروخت کورائج کر دیں یہاں تک کہ وہ چمڑے ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائیں تو میں سونے چاندی کے بدلے ان چمڑوں کو اُدھار فروخت کرنا پسند نہیں کروں گا‘‘۔

اس کا مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کو خواہ وہ چمڑا ہی کیوں نہ ہو بطور زر اختیار کیا جاسکتا ہے۔اس کی تائید امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ’’مجموع الفتاوی‘‘ میں ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

’’أما الدرهم والدينار فما يعرف له حد طبعي ولا شرعي بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح وذلك لأنه في الأصل لا يتعلق المقصود به بل الغرض أن يكون معيارًا

لما يتعاملون به والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها بل هي وسيلة إلى التعامل بها ولهذا كانت أثمانا بخلاف سائر الأموال فإن المقصود الانتفاع بها نفسها

فلهذا كانت مقدرة بالأمور الطبعية أو الشرعية والوسيلة المحضة التي لا يتعلق بها غرض لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيف ما كانت‘‘۔

’ ’اس کا خلاصہ یہ ہے کہ درہم و دینار کی کوئی ذاتی اور شرعی تعریف نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عرف اور اصطلاح سے ہے، کیونکہ درہم و دینار بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ یہ باہمی لین دین کا ذریعہ ہیں۔اسی لئے یہ قیمت شمار ہوتے ہیں چونکہ باقی اَموال سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہوتا ہے، اس لئےان کی یہ حیثیت نہیں ہے۔

وہ ذریعہ جس کے مادہ اور صورت سے کوئی غرض وابستہ نہ ہو وہ جیسا بھی ہو اس سے مقصود حاصل ہوجاتاہے"۔][32

چونکہ دلائل کے لحاظ سے یہ نقطہ نظر قوی ہے اور اس پر کئے گئے اعتراضات بھی زیادہ وزنی نہیں ، اس لئے دور حاضر کے علماء کی اکثریت وبیشترمفتیانِ کرام کے فتاوی اور اہم فقہی اداروں کی قرار دادیں اسی کے حق میں ہیں۔جسٹس علامہ عبداللہ بن سلیمان منیع کی بھی یہی رائے ہے۔] 33[

سعودی کبار علماء کی مجلس نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔][34

جسٹس علامہ عمر بن عبدالعزیز المترک بھی اسی قول کے حق میں ہیں۔چنانچہ وہ مذکورہ بالا آرا ء اور ان کے دلائل کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

' 'کاغذی زر کے متعلق علما کی آرا ء اور ہر ایک کے نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لینے سے ہمیں ان کا قول راجح معلوم ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نوٹ مستقل کرنسی ہے اور سونے چاندی کی طرح ان میں بھی سود کے اَحکام جاری ہوتے ہیں۔ ربا، سود اور تلف کی صورت میں ضمان کے مسائل میں ان پر مکمل طور پر سونے چاندی کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے"۔][35

دیگر اقوال کی خرابیاں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

' 'دوسرے اقوال یا تو معاملات میں لوگوں کومشکل میں ڈال دیں گے یا لین دین کا دروازہ ہی بند کر دیں گے حالانکہ اس کے بغیر چارہ نہیں یا پھر سود کا دروازہ چوپٹ کھول دیں گے اور نقدین کی زکوٰۃ ضائع کرنے کے حیلوں کا دروازہ کھولیں گے"۔][36

[1]یخ الحدیث ابو ھریرہ اکیڈمی، لاھور

[2]ص944

[3]الموسوعة الفقهية:41173

[4]مجلة البحوث الإسلامية:عدد1، ص

200[5]فتوح البلدان: ج3، ص578
[6]المدونة الكبرى: التأخير في صرف الفلوس
[7]البحر الرائق: باب زكوة المال
1[8]الموسوعة الفقهية: ج41ص179،178
[9]المجموع: ص611
1ص197،41196
[11]اعلام الموقعين: 2:156
[12]سنن أبي داؤد: كتاب الديات، باب الدية كم هي؟ (صحيح لغيره)
[13]ديكهيے: الموسوعة الفقهية: 2129
[14]سنن أبي داؤد: كتاب البيوع، باب في المضارب يخالف، (صحيح)
[15]صحيح بخاري: كتاب الزكوة، باب من بلغت عنده صدقه بنت مخاض و ليست عنده
[16]الموسوعة الفقهية: 49،48
[17]كاغذى كرنسى كى تاريخ، ارتقا اور شرعى حيثيت: ص10
[18]الموسوعة الفقهية: 20249
[19]ايضاً 53:479 مسند احمد بن حنبل: مسند الأنصار، حديث ابى ذر (صحيح)
[20]فرنامه ابن بطوطه: 2/270
[21]الأوراق النقدية في الاقتصاد الإسلامي: ص115
[22]الموسوعة الفقهية 178،41:176
[23]اضواء البيان ج1، ص207
[24]الرباو المعاملات المصرفية في نظر الشريعة الإسلامية ص321
[25]اضواء البيان: ج1ص720
[26]كاغذى كرنسى كى تاريخ: ارتقا اور شرعى حيثيت: ص
[27]أيضاً: ص61
[28]كفل الفقيه الفاهم فى أحكام قرطاس الدراهم: ص33
[29]32:205
[30]الموسوعة الفقهية: 47،3846

[31]ایضا:32،205
19:251[32]،252
[33]کاغذی کرنسی کی تاریخ،ارتقاءاور شرعی حیثیت:ص90
[34]مجلةالبحوث الإسلامية: ع1:ص221
[35]الرباو المعاملات المصرفية في نظر الشريعة الإسلامية ص339
[36]حوالہ مذکورہ

(15)بروکری کی اسلام میں شرعی حیثیت

الشیخ خالد حسین گورایہ حفظہ اللہ

الحمدللّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن والاہ۔ وبعد!

جیسے جیسے دنیا بدلی ہے لوگوں کا طرز تعامل وطریقہ ہائے تجارت بھی بدل گئے ہیں ہر آئے دن نت نئی شکلوں اور صورتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔اور لوگ اس امر کے محتاج ہوتے ہیں کہ انہیں ان پیش آمدہ مسائل کی بابت شرعی حکم سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اپنی تجارت کو دائرہ حلال تک محدود رکھیں اور حتی الامکان دائرہ حرام سے بچ کر رہیں۔

بروکری کا پیشہ یوں تو ایک قدیم پیشہ ہے لیکن فی زمانہ کاروبار کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔اور اس کی بہت سی نئی صورتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ پراپرٹی کے کاروبار سبزی منڈی فروٹ منڈی کی خرید وفروخت اور سٹاک مارکیٹ اور کموڈیٹی ایکسچینج میں بروکر کے بغیر خرید وفروخت کا تصور بھی محال ہے۔ لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ بروکری سے متعلقہ جملہ مسائل کا جائزہ لیکر ان کی شرعی حیثیت کو بیان کیا جائے تاکہ نبی پاک ﷺ کے اس فرمان کے تابع ہو کر زندگی گذاری جاسکے کہ:

إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

بیشک حلال واضح ھے اور حرام بھی واضح ھے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو کسی دوسرے کی چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے، تو قریب ہے کہ جانور اس چراگاہ میں سے بھی چر لیں خبردار رہو ہر بادشاہ کے لئے چراگاہ کی حد ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ کی حد اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں آگاہ رہو جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ سنور گیا تو سارا بدن سنور گیا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا ہی بدن بگڑ گیا آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔1

تو باب متشابہات کی معرفت بہت ضروری ہے کہ اس سے بچا جائے تاکہ حرام میں ملوث ہونے سے بچا جا سکے۔

بروکری کیا ہے؟

بروکری کو عربی زبان میں ''السمسرۃ'' کہا جاتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں الموسوعہ الفقہیہ کے مطابق بروکری کی یہ تعریف منقول ہے:

هي التوسط بين البائع والمشتري، والسمسار هو: الذي يدخل بين البائع والمشتري متوسطاً لإمضاء البيعِ، وهو المسمى الدلال، لأنه يدل المشتري على السلع، ويدل البائع على الأثمان

خریدار اور فروخت کنندہ کے مابین واسطہ بننا بروکری کہلاتا ہے۔ سمسار وہ ہے جو خریدار اور بیچنے والے کے درمیان واسطہ بنتے ہوئے سودا مکمل کرواتا ہے، اسے عرف عام میں ''دلال '' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ خریدار کی سودے کیلئے اور بیچنے والے کی قیمت کے حوالے سے رہنمائی کرتا ہے۔2

مختلف شعبہ ہائے کاروبار میں بروکری کیلئے استعمال کئے جانے والے نام:

آڑھتی (سبزی فروٹ اور غلہ منڈی کے بروکر)

دلال (مویشی منڈی کے بروکر)

ڈیلر (پراپرٹی کاروبار میں)

جبکہ بروکر سٹاک اور کموڈیٹی ایکسچینج میں واسطہ بننے والے کو کہا جاتا ہے۔3

بروکری کا شرعی حکم

بنیادی طور پر دین اسلام میں بروکری اور کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرنے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ متعدد نصوص سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔چنانچہ سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے قیس بن ابی غرزۃ فرماتے ہیں:

كنّا نسمّى في عَهدِ رسولِ اللّهِ صلّى اللّه عليْهِ وسلّمَ السّماسِرةَ فمرّ بنا رسولُ اللّهِ ﷺ فسمّانا باسمٍ هوَ أحسنُ منْهُ فقالَ يامعشرَ التّجّارِ إنّ البيعَ يحضرُهُ الحلِفُ واللّغوُ فشوبوهُ بالصّدقةِ

’’عہد رسالت میں ہم لوگوں (سوداگروں) کو سماسرہ (یعنی دلال) کہا جاتا تھا۔ پھر رسول اللہ (ﷺ) ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے ہمارا پہلے سے بہتر نام تجویز فرمایا۔(آپ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) اے تاجرو! تجارت میں بیکار باتیں اور قسما قسمی ہوتی ہے لہٰذا اپنی تجارت کو صدقہ کے ساتھ ملاؤ۔‘‘4

اور صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ وَلَا يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ قُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَا قَوْلُهُ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ قَالَ لَايَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا

’’رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا قافلہ والوں سے آگے جاکر نہ ملو اور شہری دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے، طاؤس کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا، شہری دیہاتی کے لئے نہ بیچے، اس کا کیا مطلب ہے، انہوں نے جواب دیا کہ دلالی نہ کرے‘‘۔5

فقیہ امت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر کمیشن کے جواز کا عنوان قائم کیا ہے اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اس کو جائز نہیں سمجھتے۔6

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فان مفهومه: أنه يجوز أن يكون سمسارا في بيع الحاضر للحاضر

’’اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شہری شخص کسی دوسرے شہری کا ایجنٹ اور دلال بن سکتا ہے‘‘ ۔7

یہاں مراد یہ ہے کہ امام بخاری حافظ ابن حجر و دیگر فقہاء کرام اس حدیث سے یہ استدلال لیتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کمیشن پر لین دین کی صرف ایک خاص صورت سے روکا ہے۔اور وہ یہ کہ شہری صحراء نشینوں کو کمیشن پر خرید وفروخت کرائے۔کیونکہ اس طرح کے لوگ انتہائی ضرورت کے تحت اور محدود پیمانے پر خرید وفروخت کرتے ہیں

جس سے ایسے لوگوں سے کمیشن وصول کرنے میں ظلم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اسی بنا پر شرعاً شہری لوگوں کو ایسے دیہاتیوں اور صحراء نشینوں کو کمیشن پر لین دینے کرنے سے روکا ہے۔

البتہ جو بعض تابعین سے کمیشن پر خرید وفروخت کے حوالے سے کراہت منقول ہے وہ کمیشن کی چند مخصوص صورتیں ہیں جن میں فقہاء کرام کے ہاں اختلاف ہے۔ان روایات میں سے ایک روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں حماد کے حوالے سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں :''وہ کمیشن کی اجرت کو مکروہ سمجھتے تھے الاکہ اس کی مدت معلوم ہو''۔8

تو حماد کا کمیشن کی اجرت کو مکروہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ ایسا کمیشن جس کی مدت مجہول ہو وہ مکروہ ہے نہ کہ وہ اصل کمیشن کی اجرت کو مکروہ سمجھتے تھے۔اسی معنیٰ ومفہوم میں امام سفیان سے کراہت منقول ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں سفیان سے منقول ہے کہ '' کمیشن ایجنٹ کے کام کو مکروہ جانتے تھے''۔9

امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے بھی ایک اثر منقول ہے کہ '' آپ دلال کی اجرت کو مکروہ جانتے تھے''۔10 جبکہ صحیح بخاری میں ابن سیرین سے کمیشن کی اجرت کا جواز منقول ہے۔

الغرض جن تابعین سے کمیشن ایجنٹ کی اجرت کی کراہیت کے آثار منقول ہیں اس کی دو ہی وجوہات ہیں وجہ اول کا بیان اوپر گذر چکا جبکہ دوسری وجہ اس سے مراد کراہت تنزیہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ کمیشن کے کاروبار میں لغو اور قسم کا استعمال بکثرت ہونا ہے۔(عین ممکن ہے اسی باعث وہ اس کی کراہت تنزیہ کے قائل ہوں)۔11

امام مالک رحمہ اللہ سے سمسار کی اجرت کا پوچھا گیا تو آپ فرمانے لگے:

لا بأس بذلک

المدونۃ: 3/466

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں انہوں نے صحابہ وتابعین سے تعلیقا آثار نقل کئے ہیں کہ بروکری کا پیشہ اور اس کی اجرت جائز ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

باب اجر السّمسرة، ولم یر ابن سیرین وعطاء وإبراهیم والُحسن بأجر السِمسار باسًا۔ وقال ابن عباس: لا باس ان یقول: بع هذا الثوب فما زاد علی کذا و کذا فهو لك

وقال ابن سیرین: إذا قال بعه بکذا فما کان من ربحٍ فهو لك، أو بیني وبینك فلا باس به، وقال النبِي ﷺ: (المسلمون عند شروطهم

فتح الباري: 4/415

ابن سیرین، عطاء ابراہیم اور حسن نے بروکری کی اجرت کے بارے میں کہا کہ کوئی حرج نہیں۔
اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی کسی کو کہے کہ: " یہ کپڑا بیچ دو اتنے سے زیادہ میں بکا تو اس سے جو بھی زیادہ رقم ہے وہ تمہارے لیے ہے"۔
اور ابن سیرین فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ اسے اتنے میں بیچ دیں اس سے زائد جو بھی منافع ہو وہ آپ کا ہے یا اس میں ہم دونوں شریک ہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
اور نبی ﷺ فرماتے ہیں : " مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہوتے ہیں۔"
فقہی قاعدے سے استدلال
جواز کے دلائل میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ " معاملات میں اصل جواز اور اباحت ہے اور حرمت کیلئے دلیل درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن وحدیث میں کہیں بھی کمیشن پر اجرت کی ممانعت ثابت نہیں اس بنا پر یہ معاملہ جائز ہوا۔
سعودی عرب کی مستقل فتویٰ کمیٹی سے سوال کیا گیا کہ " ایک شخص ہے جس کا کمرشل آفس ہے وہ بعض کمپنیوں کی پروڈکٹ کی مارکیٹنگ کے لئے بحیثیت بروکر کام سرانجام دیتے ہیں۔ وہ کمپنیاں اپنی تیار کردہ پروڈکٹ اسے ارسال کرتی ہیں وہ اسے بازار میں تاجروں کے سامنے پیش کرتا ہے اور انہیں کمپنی کی قیمت پر چیز فروخت کر دیتا ہے کمپنی اسے اس کے عوض طے کردہ کمیشن دیتی ہے، کیا ایسا کرنے میں کوئی گناہ ہے؟
فتویٰ کمیٹی نے جواب دیتے ہوئے لکھا:
إذا كان الواقع كما ذكر جاز لك أخذ تلك العمولة، ولا إثم عليك
اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سوال میں بیان کیا ہے تو آپ کیلئے یہ کمیشن لینا جائز ہے اس میں آپ پر کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں "۔12

حاجت وضرورت کا قاعدہ:
کمیشن کا کاروبار اس وجہ سے بھی جائز ہے کہ لوگوں کو اس کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو خرید وفروخت کے گر نہیں جانتے، سودے بازی اور بھاؤ تاؤ کے طریقوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس تجارت وکاروبار کیلئے فرصت نہیں ایسے حالات میں بروکری انسان کیلئے انتہائی سود مند ثابت ہوتی ہے۔ جس سے بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں مستفید ہو سکتے ہیں علاوہ ازیں دیکھا گیا ہے آبادی کی وسعت کے باعث بیچنے والا یا خریدار اسی طرح کرائے پر مکان یا دوکان کے حصول کا خواہشمند شخص اصل مالک تک رسائی حاصل نہیں

کر سکتا جس کی وجہ اس سے شناسائی نہ ہونا اور یہ معلوم نہ ہونا کہ آیا کوئی اس علاقے میں اپنی جائیداد فروخت کرنے یا کرائے پر دینے کا خواہشمند بھی ہے یا نہیں لہٰذا ان ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے لازم ہو جاتا ہے کہ ایک دلال یا بروکر علاقے میں موجود ہو جہاں بائع اور مشتری دونوں رابطہ کر کے اپنی چیز بیچ اور خرید سکیں اور اپنی ضرورت کی جگہ کرائے وغیرہ پر حاصل کر سکیں۔ لہٰذا اگر محض اس ضرورت کو ہی مد نظر رکھ لیا جائے تو کمیشن کی اجرت کے جواز کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ معاملات کے باب میں شریعت سماحت اور نرمی و آسانی کو ملحوظ رکھتی ہے کہ جہاں لوگوں کی زندگی میں کسی معاملے کی وجہ سے حرج آرہا ہو تو شریعت اس میں استثناء اور جواز کی گنجائش پیدا کرتی ہے جیسا کہ بیع سلم، عقد استصناع، بیع عرایا وغیرہ میں بخوبی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ انہی دلائل کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ بروکری کرنا یا دلال بننا اور کمیشن ایجنٹ کی حیثیت سے اجرت لینے ہیں کوئی ممانعت نہیں اور شرعاً ایک جائز پیشہ ہے۔ شریعت کے عمومی نصوص اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

البتہ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ جس طرح مسلمانوں میں دیگر معاملات میں بہت سی کمزوریاں اور بے راہ رویاں آچکی ہیں اسی طرح یہ پیشہ بھی ایک لحاظ سے مافیاز کے ہاتھوں یرغمال بن چکا ہے۔ جہاں حلال و حرام کے ضابطوں کی تمیز کیے بغیر محض متاع دنیا اور نفع عاجل کو مطمع نظر بناتے ہوئے شرعی حدود و قیود کو پامال کیا جاتا ہے۔ اور اس پیشے میں بھی کئی نئی ناجائز صورتیں در آئی ہیں جن کی ہم اللہ کی توفیق سے آئندہ سطور میں نشاندہی کریں گے۔ ان شاء اللہ

۔

بروکری کا کام کرنے والوں کیلئے شرعی اصول وہدایات

جو بھی شخص کمیشن ایجنٹ اور بروکر کی حیثیت سے کام کرتا ہے اس کیلئے درج ذیل امور کا شرعاً لحاظ رکھنا لازمی ہے:

اول: جس معاملے میں وہ ایجنٹ کی حیثیت میں کام کر رہا ہے اسے اس کام کا ماہر اور تمام داؤ پیچ کا عالم ہونا چاہئے یہ نہ ہو کہ فریقین میں سے کسی ایک کو اس کی لاعلمی اور عدم مہارت کے باعث نقصان اٹھانا پڑے۔

دوم: بروکر صادق اور امین ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ ایک فریق سے زیادہ منافع اینٹھ کر دوسرے فریق کی کسی لحاظ سے طرفداری کرے یا اسے اضافی مالی فائدہ پہنچائے۔ بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ چیز کی خامیاں و خوبیاں مکمل طور پر واضح کر کے بیان کر دے۔

سوم: ہر قسم کی دھوکہ دہی سے چاہے وہ بائع کے ساتھ ہو یا خریدار کے اجتناب کرے۔

چہارم: کمیشن ایجنٹ اپنے کام سے قبل بائع یا مشتری جس کے لئے وہ بطور ایجنٹ کام کر رہا ہے اپنی اجرت طے کر لے کہ وہ کتنی ہو گی اور کس صورت میں ہو گی، تاکہ تنازعات سے بچا جا سکے۔ اور اپنی من مانی سے رقم لینے کی صورت میں وہ ایک دوسرے مسلمان بھائی کی رقم ناحق کھانے والا ہو گا جو کہ شریعت میں حرام عمل ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

البقرۃ-188

" اور تم اپنے مال آپس میں باطل طریقوں سے ہڑپ نہ کرو" ۔

پنجم: کسی بھی ایسے معاملے میں ایجنٹ نہ بنے جو کہ حرام ہو یا اس سے کسی حرام کام میں اعانت ہو رہی ہو۔ جیسے بینکوں کے کاروبار ہوں، سود پر مشتمل سودے ہوں، یا شراب، جوا، موسیقی کے آلات وغیرہ کے سودے ہوں۔ لہٰذا جہاں بھی ایجنٹ کو پتہ چل جائے کہ وہ جو سودا کروا رہا ہے اس کا مقصد حرام اور وہ ظلم پر مبنی ہے تو ایسے کام میں کسی بھی طرح کی معاونت و سہولت کاری انجام نہ دے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

المائدۃ-2

" نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ ظلم زیادتی میں مدد نہ کرو"

ششم: کسی بھی بروکر کیلئے یہ روا نہیں کہ وہ خود غرض لالچی ہو جو محض اپنے مفاد کو سامنے رکھے۔ بلکہ اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے۔ کمیشن لینے میں، سودا کرانے میں عدل و اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ جہاں کچھ نرمی اور آسانی کا تقاضا ہو وہاں نرمی اور آسانی کا معاملہ کرے۔"

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

رحم اللّٰہ رجلاً سمحاً إذا باع وإذا اشتری وإذا اقتضی

" اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو فیاض ہو جب کہ بیچے اور جب خریدے اور جب اپنے حق کا تقاضا کرے"۔13

حافظ ذوالفقار اپنی کتاب معیشت و تجارت کے اسلامی احکام میں لکھتے ہیں: " کمیشن ایجنٹ کے لئے یہ از حد ضروری ہے کہ وہ قابل اعتماد اور صادق و امین ہونے کے ساتھ ساتھ اس شعبہ میں مکمل مہارت بھی رکھتا ہو کیونکہ

لوگ انہی اوصاف کو مد نظر رکھ کر اپنی گراں قدر جائیدادوں کی خرید وفروخت کیلئے ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں لہٰذا خریدار کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا اور چیز کو اس کی مارکیٹ قیمت پر بیچنا کمیشن ایجنٹ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ علاوہ ازیں حکومت وقت کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسا ضابطہ اخلاق وضع کرے جس کی پابندی ہر کمیشن ایجنٹ پر لازم ہو اور ملک کے تمام کمیشن ایجنٹس کا پورا ریکارڈ حکومت کے پاس موجود ہو تاکہ جائیداد کی خرید وفروخت کے معاملات میں دھوکہ دہی کا سدباب کیا جاسکے اور فراڈ کی صورت میں ایجنٹ کو بھی قانون کی گرفت میں لایا جاسکے۔"14

بروکری کی کچھ ناجائز صورتیں:

کمشین ایجنٹ کا کام اگرچہ شرعاً ایک جائز اور حلال پیشہ ہے لیکن فی زمانہ حلال و حرام سے ناواقفیت، خود غرضی اور لالچ جیسی صفاتِ مذمومہ کے نفوس میں استحکام کے بعد اس پیشے میں بھی متعدد ایسی صورتیں در آئی ہیں جو سراسر ناجائز اور غلط ہیں۔ ان امور میں جو شرائط ہم نے گزشتہ سطور میں ذکر کی ہیں ان میں اگر کسی شرط کے منافی عمل کیا جائے گا تو یقیناوہ غیر شرعی صورت ہو گی لہٰذا ان شرائط کی پابندی کا لحاظ کیا جائے۔ البتہ کچھ مزید صورتیں ہیں جن سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

بیعانہ ضبط کرنا یا ڈبل کر کے واپس کرنا۔

پراپرٹی و دیگر کاروبار میں لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہے، خریدار بیچنے والے کو بیعانہ ادا کرتا ہے اور بقیہ قیمت دینے کیلئے وقت لیتا ہے۔ اب اگر وہ مقررہ وقت پر قیمت ادا نہیں کر سکتا بائع اس کا بیعانہ ضبط کر لیتا ہے۔ اور اگر بائع اپنی چیز نہ بیچنا چاہ رہا ہو یا اسے کہیں سے اس سے اچھی قیمت مل رہی ہو تو وہ سودا منسوخ کر کے لیے ہوئے بیعانے کی رقم کو ڈبل کر کے خریدار کو واپس کر دیتا ہے۔

یہاں مسئلہ مذکورہ کی دو صورتیں ہیں:

اول: کیا بائع خریدار کے سودے سے پیچھے ہٹنے کی صورت میں اس کا دیا ہوا بیعانہ ضبط کر سکتا ہے یا نہیں۔؟ یہ صورت اہل علم کے ہاں مختلف فیہ رہی ہے۔ جمہور علماء کرام اس کے عدم جواز کے قائل ہیں جبکہ امام احمد و دیگر فقہائے حنابلہ امام ابن سیرین امام سعید بن مسیب اور عصر حاضر کے محقق علماء کرام اس کے جواز کے قائل ہیں جن میں علامہ ابن باز علامہ ابن عثیمین وغیرہ شامل ہیں۔

دوم: بائع کا خریدار کو بیعانہ ڈبل کر کے واپس دینا۔

یہ بات محل نظر ہے اور اکثر اہل علم اس کے عدم جواز کے قائل ہیں البتہ بعض علماء کرام نے حالات کے پیش نظر انتہائی محدود پیمانے پر اس کا بھی جواز دیا ہے۔اس حوالے سے علامہ عبدالستا حماد صاحب کا تفصیلی فتویٰ فتاویٰ اصحاب الحدیث میں منقول ہے قارئین کے فائدے کے لئے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں۔

سوال:السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خرید وفروخت کرتے وقت جب سودا طے کر لیا جاتا ہے تو خریدار، فروخت کنندہ کو کچھ رقم موقع پر ادا کر دیتا ہے تاکہ فروخت کنندہ اس چیز کو آگے فروخت نہ کرے،اس وقت فریقین یہ شرط طے کرتے ہیں کہ اگر خریدار نے بقیہ رقم ادا کر کے یہ چیز اپنے قبضہ میں نہ لی تو اس کی پیشگی ادا کردہ رقم ضبط کر لی جائے گی اور اگر فروخت کنندہ اس سے منحرف ہوا تو اسے پیشگی رقم کا دوگنا ادا کرنا ہوگا،اس طرح جو رقم پہلے ادا کی جاتی ہے اسے بیعانہ کہتے ہیں،اس خرید وفروخت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب:الجواب بعون الوھاب بشرط صحۃ السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللّٰه وبرکاته!

الحمد للّٰه، والصلاة والسلام علىٰ رسول اللّٰه، أما بعد!

اس شرط پر خرید وفروخت کرنا کہ اگر بقیہ رقم ادا کر کے چیز کو اپنے قبضہ میں نہ لیا گیا تو پیشگی دیا ہوا بیعانہ مار لیا جائے گا، جائز نہیں ہے۔اس قسم کی خرید وفروخت کو شرع نے حرام قرار دیا ہے،چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔حدیث میں بیع عربان کی وضاحت بایں طور کی گئی ہے کہ آدمی کسی چیز کا سودا کرے اور فروخت کنندہ کو کچھ رقم پیشگی ادا کر کے کہے ''اگر میں نے یہ چیز لے لی تو ٹھیک بصورت دیگر ادا کردہ پیشگی رقم تیری ہوگی۔'' اس قسم کی خرید وفروخت کے متعلق اگرچہ فقہا کا اختلاف ہے تاہم ہمارا رجحان یہ ہے کہ ناجائز شرط اور دھوکے کی وجہ سے اس قسم کی خرید وفروخت ناجائز اور حرام ہے اور یہ کسی کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے میں شامل ہے۔نیز بیع فسخ ہونے کی صورت میں بیچنے والا جو رقم ضبط کرتا ہے اس کے عوض وہ خریدار کو کوئی مال یا فائدہ مہیا نہیں کرتا اور بغیر معاوضے کے کسی کا مال لینا جائز نہیں۔علاوہ ازیں کسی معقول وجہ کی بنیاد پر بیع واپس لینا ثواب کا کام ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:''جو شخص کسی مسلمان کی بیع واپس کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔'' اس حدیث کی سند کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

لیکن بیعانہ کی شرط اس لیے عائد کی جاتی ہے کہ خریدار، خریدی ہوئی چیز واپس نہ کر دے،اگر ایسا کرتا ہے تو اس کی پیشگی ادا کردہ رقم ضبط کر لی جاتی ہے،ایسا کرنا نیکی سے پہلو تہی ہے جسے کسی بھی صورت میں اچھا نہیں کہا جا سکتا، لیکن

یہ بھلے وقتوں کی بات ہے جب لوگ سادہ مزاج اور امانت دار تھے، اب ہمارے اس پُر فتن دور میں جھوٹ، فریب، دغا بازی، ہوشیاری اور چالاکی لوگوں کے رگ و ریشہ میں رچی بسی ہے، اکثر طور پر اس سلسلہ میں درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

رحمہ اللہ ایک آدمی کسی سے تین ماہ تک رقم کی ادائیگی پر کوئی چیز خرید لیتا ہے اور فروخت کنندہ کو زربیعانہ بھی ادا کر دیتا ہے تاکہ وہ اس چیز کو آگے فروخت نہ کرے لیکن ایک ماہ بعد اس چیز کا بھاؤ چڑھ جاتا ہے، اتفاق سے اسے کوئی گاہک بھی میسر آ جاتا ہے، وہ اپنے پہلے وعدے سے منحرف ہو کر دوسرے گاہک کو چیز فروخت کر دیتا ہے اور زربیعانہ دوگنا کر کے پہلے شخص کو ادا کر دیتا ہے، اس کے باوجود اسے بچت ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی تیسرا آدمی خریدار کو خراب کرنا چاہتا ہے، وہ فروخت کنندہ کے پاس آ کر کہتا ہے کہ تم اتنی قیمت میں وہ چیز مجھے دے دو، میں تمہیں پہلے خریدار کا زربیعانہ بھی ادا کر دیتا ہوں حالانکہ پہلے خریدار کو وہی چیز اس سے ارزاں نرخ پر ملتی تھی لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم ہے، اس طرح خریدار کو نقصان ہوتا ہے۔

ایک آدمی نے کسی دوسرے شخص کو کوئی چیز فروخت کی، دو تین ماہ تک اس کی قیمت وصول کرنے کی شرط کر لیتا ہے اور خریدار سے کچھ زربیعانہ بھی وصول کر لیتا ہے، اس دوران خریدار کو وہی چیز کسی دوسرے سے ارزاں قیمت پر مل جاتی ہے تو وہ اپنے زربیعانہ کی پروا کیے بغیر اپنے وعدے سے منحرف ہو کر کسی دوسرے شخص سے وہ چیز خرید لیتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی تیسرا آدمی فروخت کار کو خراب کرنا چاہتا ہے، وہ خریدار کے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں تجھے وہی چیز اس سے ارزاں قیمت پر مہیا کرتا ہوں، تم اپنا زربیعانہ میرے کھاتے میں ڈال کر مجھ سے وہ چیز خرید لو، اس طرح وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو جاتا ہے حالانکہ فروخت کنندہ کو اس دوران فروخت کردہ چیز کی زیادہ قیمت ملتی تھی، لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم رہا، اس طرح فروخت کنندہ کو نقصان ہوتا ہے۔

ایسے حالات میں کیا کیا جائے؟ آیا خریدار یا فرخت کار کو اس طرح دھوکہ، فراڈ اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جائے یا ان کا کوئی باعزت حل نکالا جائے تاکہ مظلوم اور ستم زدہ انسان کے نقصان کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو۔ حالات کے تبدیل ہونے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، ہمارے رجحان کے مطابق ایسے حالات میں جب ایک دوسرے پر ظلم ہو رہا ہو، خریدار کا بیعانہ ضبط ہونا چاہیے، اسی طرح فروخت کنندہ سے دوگنا زربیعانہ وصول کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے سودا فسخ کرنا پڑے تو فریقین کو فراخدلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو فروخت کرتے وقت نرمی کرتا ہے، خریدتے وقت

نرمی کرتا ہے اور جب تقاضا کرتا ہے تو بھی نرمی کرتا ہے۔" فروخت کار کی نرمی یہ ہے کہ اگر خریدار اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے سودا فسخ کرنا چاہے تو وہ اس کا زر بیعانہ فراخ دلی کے ساتھ واپس کر دے۔،"بحق نقصان" ضبط نہ کرے، اسی طرح خریدار کی طرف سے نرمی یہ ہے کہ اگر حالات سے مجبور ہو کر فروخت کنندہ اس بیع کو ختم کرنا چاہے تو فراخدلی کے ساتھ اس سودے کو ختم کر دے اور اس سے دوگنا زر بیعانہ کا مطالبہ نہ کرے بلکہ صرف اپنی دی ہوئی رقم ہی واپس لے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کاروباری معاملات صحیح طریقہ سے چلانے کی توفیق دے۔ آمین 15

ایجنٹ کا بیعانہ ادا کرے فائل کو آگے بیچ دینا۔

عصر حاضر میں رئیل اسٹیٹ میں یہ صورت بھی عام نظر آتی ہے کہ اسٹیٹ ایجنٹ بائع کو بیعانہ کی رقم دے کر دو تین ماہ کا وقت لے لیتا ہے اس وقت کے دوران وہ اس فائل کو آگے کسی تیسرے فریق کو بیچ کر اس سے ایک ماہ کا ٹائم دیتا ہے جب اس سے رقم ملتی ہے تو وہ منافع رکھ کر بقیہ قیمت اصل مالک کو ادا کر دیتا ہے۔ ایسا کرنا بھی جائز نہیں۔

رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کے کاروبار میں رائج ایسی ہی قباحتوں کے حوالے سے مجلس التحقیق الاسلامی کے تحت قائم کردہ محدث فورم پر ایک فتویٰ شائع ہوا جو کہ انتہائی مفید ہے بالخصوص پراپرٹی ایجنٹ جو اس کاروبار میں کرتے ہیں ان کی جملہ صورتیں سوال میں ذکر کر کے مدلل جواب دیا گیا ہے افادہ عام کیلئے یہ فتویٰ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

عنوان: کمیشن ایجنٹ کی کمائی کا حکم

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ رئیل اسٹیٹ بزنس سے متعلق چند فتاویٰ درکار ہیں۔ اگر آپ برادران کے لئے ممکن ہو کہ محدث فتویٰ فورم سے وابستہ علمائے کرام سے ترجیحی بنیادوں پر درج ذیل جوابات فراہم کر سکیں تو احقر ممنون ہو گا۔ پہلے چار سوال تو رئیل اسٹیٹ بزنس میں معمول کے ہیں جبکہ اسی سے متعلق پانچواں سوال اس وقت کراچی کے لاکھوں لوگوں سے متعلق ہے۔ عام روٹ سے ہٹ کر آپ منتظمین کی معرفت سوال کرنے کا مقصد یہی ہے کہ جواب فوری طور پر مل سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو یہ کام فوری طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

رحمت اللہ رئیل اسٹیٹ بزنس میں ایجنٹ "مڈل مین" کا کردار ادا کرتا ہے۔ یعنی جائیداد کا مالک (فروخت کنندہ) کوئی اور ہوتا ہے اور خریدار کوئی اور۔ اس بزنس میں ایجنٹ دونوں پارٹیوں کے درمیان سودا طے کرواتا ہے اور سودا ہو جانے کی صورت میں ہر فریق سے سودے کی مالیت کا دو فیصد کمیشن لیتا ہے۔ کیا اس طرح کا بزنس جائز ہے کیونکہ احادیث میں مالک اور خریدار کے درمیان "بروکری" کو ناپسند کیا گیا ہے۔

سودا طے پاجانے کی صورت میں خریدار مالک کو سودے کی مالیت کا چند فیصد بطور زر بیعانہ فوری طور پر ادا کرتا ہے اور یہ اقرار کرتا ہے کہ فلاں تاریخ تک بقیہ رقم ادا کر کے جائیداد خرید لے گا۔ اگر کسی وجہ سے معینہ تاریخ تک خریدار بقیہ رقم ادا نہیں کرتا تو سودا از خود منسوخ سمجھا جاتا ہے اور مالک زر بیعانہ ضبط کر لیتا ہے۔ اسی طرح اگر بیعانہ لینے کے بعد جائیداد کا مالک کسی بھی وجہ سے یہ سودا منسوخ کر دیتا ہے تو اُسے خریدار کو وصول شدہ زر بیعانہ اور اس کے مساوی اضافی رقم ادا کرنی ہوتی ہے۔ کیا اس طرح زر بیعانہ ضبط کرنا یا دگنا زر بیعانہ واپس کرنا جائز ہے۔ واضح رہے کہ یہ عمل اس بزنس کا معمول ہے اور سب کے علم میں ہے۔

اکثر و بیشتر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایجنٹ مالک سے پوچھتا ہے کہ آپ اپنی جائیداد کتنی رقم میں بیچنا چاہتے ہیں۔ مالک جائیداد کی مطلوبہ قیمت بتلا دیتا ہے۔ اب اگر ایجنٹ کو کوئی ایسا خریدار مل جاتا ہے جو مالک کی مطلوبہ ڈیمانڈ سے زائد قیمت میں جائیداد خریدنے کو تیار ہو تو ایجنٹ اس بات سے مالک کو آگاہ کئے بغیر سودا کروا دیتا ہے اور مالک کی مطلوبہ قیمت سے زائد رقم خود رکھ لیتا ہے۔ ایجنٹ دونوں سے اپنا کمیشن الگ لیتا ہے۔ کیا مالک کی مطلوبہ قیمت سے زائد ملنے والی رقم ایجنٹ کے لئے جائز ہے۔ (1) اگر اس نے اس بات یہ بات مالک سے چھپائی ہو (2) اگر اس نے یہ بات مالک کو پیشگی بتلا دی ہو کہ آپ کی ڈیمانڈ سے زائد ملنے والی رقم میری ہو گی۔ واضح رہے کہ عموماً ایجنٹ یہ بات مالک کو نہیں بتلاتا البتہ اس بزنس میں اس بات سے سب ہی واقف ہیں کہ ڈیمانڈ سے زیادہ قیمت پر اگر کوئی ایجنٹ سودا کرواتا ہے تو اضافی رقم ایجنٹ ہی لے گا۔ اور یہ ایک عام چلن ہے۔

اکثر ایجنٹ یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر کہیں اُسے کوئی جائیداد نسبتاً سستی مل رہی ہو تو وہ اسے ''خریدنے کا سودا'' کر کے مالک کو زر بیعانہ اپنی جانب سے ادا کر دیتا ہے اور مقررہ تاریخ تک ''بقیہ رقم'' ادا کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے۔ اس کے بعد ایجنٹ کوئی حقیقی خریدار یا دوسرا ایجنٹ تلاش کرتا ہے جو یہی سودا زیادہ قیمت پر خریدنے پر رضامند ہو۔ پھر پہلا ایجنٹ خریدار یا دوسرے ایجنٹ سے یہ ''اضافی رقم'' بطور زر بیعانہ وصول کر کے اُسے بقیہ رقم معینہ مدت تک ادا کرنے کو کہتا ہے۔ بعض صورتوں میں یہ سلسلہ ایجنٹ در ایجنٹ چلتا ہے۔ کیا کسی ایجنٹ کے لئے اس طرح کی ''اضافی آمدنی'' جائز ہے۔ واضح رہے کہ رئیل اسٹیٹ بزنس میں یہ ایک عام معمول ہے اور مالک جائیداد اور حقیقی خریدار بھی اس ''مارکیٹ ٹرینڈ'' سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ تاہم ایجنٹ کسی بھی ڈیلنگ کے دوران مالک یا خریدار کو بطور خاص یہ نہیں بتلاتا کہ ہم آپ کے کیس میں بھی ایسا کر رہے ہیں۔ گو اس طرح مالک کو اپنی ڈیمانڈ کے مطابق رقم مل جاتی ہے اور خریدار کو اپنی پسند کی قیمت پر جائیداد مل جاتی ہے لیکن اگر انہیں ایجنٹ کی اس ''انڈر دی ٹیبل کاروائی''

کا پتہ چل جائے تو شاید مالک اضافی رقم بھی مانگنے لگے یا خریدار ایجنٹ کی زیادہ ڈیمانڈ کی بجائے اصل مالک کی کم ڈیمانڈ والی رقم ہی دینے پر راضی ہو۔

سوال: پاکستان کی معروف ہاؤسنگ سوسائٹی ''بحریہ ٹاؤن'' نے حال ہی میں کراچی میں اپنی ہاؤسنگ اسکیم لانچ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ پہلے مرحلہ میں سوسائٹی نے '' کراچی بحریہ ٹاؤن کی ممبر شپ'' کا آغاز کیا ہے۔ یہ ''ممبر شپ'' مبلغ پندرہ ہزار روپے میں جاری کی گئی ہے۔ مستقبل قریب میں جب ''بحریہ ٹاؤن کراچی'' میں پلاٹس برائے فروخت کے لئے پیش کئے جائیں گے تو صرف ''ممبر شپ'' حاصل کرنے والے افراد ہی پلاٹ خریدنے کے لئے فارم جمع کرانے کے ''اہل'' ہوں گے۔ چونکہ ممبر شپ حاصل کرنے والے افراد کی تعداد لاکھوں میں ہیں، لہٰذا پلاٹ قرعہ اندازی کے ذریعہ الاٹ ہوں گے۔ قرعہ اندازی میں پلاٹ حاصل نہ کر سکنے والے اپنی ممبر شپ کی فیس میں سے دس ہزار واپس لینے کے اہل ہوں گے جبکہ پانچ ہزار روپے پیشگی اعلان کے مطابق ناقابل واپسی ہو گی۔؟

الجواب بعون الوھاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته!

الحمد للّٰہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللّٰہ، أما بعد!

آپ کا سوال متعدد پہلوؤں پر مشتمل ہے، جن کا ترتیب وار جواب درج ذیل ہے۔ رحمہ اللہ مڈل مین کو عربی میں سمسار کہا جاتا ہے، جو خریدار اور بائع کے درمیان واسطے کا کام کرتا ہے۔ جمہور فقہاء کرام نے مڈل مین کے کام اور اس کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اجرت پہلے طے کر لی جائے، اور مجہول نہ رکھی جائے، اور بائع و مشتری کے ساتھ سودے یا قیمت کے حوالے سے کوئی جھوٹ نہ بولا جائے، یہ بھی مزدوری ہی کی ایک قسم ہے۔ عبداللہ بن عباس سے ایسا ہی مروی ہے، ابن جریر، عطاء، نخعی، ابو ثور، ابن منذر کا قول بھی یہی ہے اور یہی مسلک شوافع اور حضرات موالک و دیگر کا بھی ہے 16

مشروعیت کے دلائل:

ارشاد باری تعالی ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

المائدة-2

وجہ استدلال: دو افراد اگر کوئی معاملہ کرتے ہیں اور وہ معاملہ غیر شرعی نہیں ہے۔اب کوئی دلال ان کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے لیے واسطے کا کام کرے۔تو واسطے کا یہ عمل جائز منفعت میں شمار ہو گا،اور اس کا یہ عمل تعاون علی البر بھی کہلائے گا۔

سیدنا قیس بن ابو غرزہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كُنَّا نَبْتَاعُ الْأَوْسَاقَ بِالْمَدِينَةِ، وَكُنَّا نُسَمِّى السَّمَاسِرَةَ، قَالَ: فَأَتَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ أَحْسَنُ مِمَّا كُنَّا نُسَمِّي بِهِ أَنْفُسَنَا، فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ إِنَّ هَذَا الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ، وَالْحَلِفُ، فَشُوبُوهُ بِالصَّدَقَةِ

"کہ ہم لوگ مدینے میں پیمانے (اوساق) خرید رہے تھے اور خود کو "سماسرہ" بولتے تھے کہ رسول گرامی ﷺ ہمارے پاس آئے اور ہمیں اس سے اچھے نام سے یاد کیا، فرمایا: اے تاجروں کی جماعت: فروختگی میں لغو باتیں اور قسم (کیا کچھ نہیں) شامل ہو جاتا، اس لیے تم اسے صدقہ سے ملالو، (یعنی اس گناہ کو صدقہ سے مٹاؤ)۔"17

وجہ استدلال: حدیث کی عبارت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے "سماسرہ" کا کام درست سمجھا البتہ (بغیر انکار کئے) ایک دوسرا نام پسند فرمایا اور انہیں "تجار" کے لقب سے یاد کیا۔امام خطابی نے تو باقاعدہ "سمسار" کو "تاجر" سے بدل دینے کی خوبی پر بھی گفتگو کی ہے ان کا کہنا ہے کہ "سمسار" عجمی لفظ ہے اور ان میں اکثر خرید و فروخت کرنے والے عجمی تھے یہ نام انہی عجمیوں سے اخذ کردہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے "تاجر" سے بدل دیا ہے اور یہ ایک عربی نام ہے۔

عموما لوگوں کو دلالی کی سخت ضرورت ہوتی ہے کیونکہ بہت سارے ایسے ہیں جو خرید و فروخت کے بارے میں نہیں جانتے، سودے بازی اور مول بھاؤ سے وہ بھلی بھانت واقف نہیں ہوتے۔ کتنے ایسے ہیں کہ انہیں کچھ خریدنا پڑ جائے تو اشیاء کی پرکھ اور چیزوں کے عیوب جاننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ کچھ ایسے بھی ملیں گے جنہیں خرید و فروخت کی فرصت ہی نہیں ہوتی ان حالات میں دلالی ایک نفع بخش عمل کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ جس سے خریدنے والے، بیچنے والے اور دلال سب ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اس لیے دلالی کرنا اور اس پر اجرت لینا غیر مشروع نہیں۔

وقت پر ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ واپس نہ کرنا، یا سودا منسوخ کر کے ڈبل بیعانہ واپس کرنا، دونوں ہی حرام ہیں، کسی کو کسی کا مال حرام طریقے سے کھانے کی اجازت نہیں ہے،۔ارشاد باری تعالی ہے۔:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ

البقرۃ-188

’’اور تم اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاو۔‘‘

اگر تو بائع کے ساتھ اتفاق ہو جائے کہ اتنی قیمت سے زیادہ کی رقم میری ہو گی تو تب جائز ہے، امام بخاری نے سیدنا ابن عباس کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے:

لابأس أن یقول: بع هذا الثوب، فمازاد علی کذا و کذا، فهو لك

آپ یہ کپڑا فروخت کریں اور جو اس قیمت سے زیادہ رقم ہو گی وہ تیری ہے۔ تو یہ سودا درست ہے۔18

لیکن اگر طے نہ ہو تو خاموشی سے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے۔ یہ حرام اور چوری کے زمرے میں شمار ہو گا، اگرچہ پہلے سے معروف ہی کیوں نہ ہو۔

بیعانے پر آگے فروخت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ آپ نے اسے قبضے میں نہیں لیا اور کوئی بھی چیز قبضہ میں لئے بغیر اسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کچھ سامان خریدتا ہوں تو اس میں میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ آپ نے فرمایا:

إِذَا اشْتَرَيْتَ بَيْعًا فَلَا تَبِعْهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ

رواہ احمد و البیھقی و ابن حبان باسناد حسن

جب تم کوئی چیز خریدو تو اس کو نہ بیچو یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لو۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

وَ كُنَّا نَشْتَرِي الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ جِزَافًا فَنَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه و سلم أَنْ نَبِيعَهُ حَتَّى نَنْقُلَهُ مِنْ مَكَانِهِ

اور ہم تاجروں سے غلے کو اٹکل سے خریدتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کو بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ ہم اسے اس کی جگہ سے منتقل کر دیں۔19

اور علامہ سید سابق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولیس هذا خاصا بالطعام بل یشتمل الطعام وغیره

یہ صرف غلے کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ غلہ اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو بھی شامل ہے۔20

معلوم ہوا کہ کسی بھی سامان کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا درست نہیں ہے۔

بحریہ ٹاون کی ممبر شپ ایک جوا ہے، جس کے ذریعے پلاٹ حاصل کرنے کی لوگ کوشش کر رہے ہیں،اب بعض تو اس کو حاصل کر لیں گے اور بعض اس سے محروم رہ جائیں گے،اور یہ صورت جوا میں ہی ہوتی ہے۔پھر ان کا صرف دس ہزار روپے واپس کرنا،اور باقی واپس نہ کرنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے،وہ لوگوں کا مال ناجائز اور حرام طریقے سے کھا رہے ہیں۔(اگر وہ لوگوں کو فری ممبر شپ دیتے تو جائز تھا۔)اسی طرح پلاٹ کے لئے ممبر شب کی شرط لگانا ایک بیع میں دو بیعوں کی شکل ہے، جو شرعا حرام ہے۔

ھذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب

1۔صحیح البخاری، حدیث:52، صحیح مسلم:1599

2۔الموسوعة الفقهية:151/10

3۔معیشت و تجارت کے اسلامی احکام ملخصاً ص۔115

4۔سنن ابي داؤد: كتاب البيوع، باب في التجارة يخالطها الحلف واللغو

5۔صحيح البخاري: كتاب الإجارات، باب أجر السمسرة

6۔معیشت و تجارت کے اسلامی احکام از حافظ ذوالفقار طاہر علی: ص 119

7۔فتح الباري):452/4(

8۔مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع والأقضية، باب أجر السمسار)2105(

9۔مصنف ابن ابی شیبہ کتاب البیوع والأقضية، باب أجر السمسار:2109

10۔مصنف ابن ابی شیبہ کتاب البیوع والأقضية، باب اجر الدلال:3276

11۔الوساطة التجاريه فی المعاملات المالية ص 69

12۔فتاوی اللجنة الدائمة:125/13

13۔صحیح البخاری کتاب البیوع، باب السهولة والسماحة فی الشراء والبیع

14۔معیشت و تجارت کے اسلامی احکام ص 118

15۔فتاویٰ اصحاب الحدیث ج4 ص 247

16۔البحر الرائق:72/7، التاج والاکلیل:573/6، المجموع:91/9، المغنی:72/5

17۔مسند احمد:16135

18۔صحیح البخاری:باب فی أجر السمسرة

19۔صحيح البخاري:747/2، صحیح مسلم:1160/3

20_فقه السنة: 3/240

فہرست

مختصر تعارف 4

تالیفات 6

(1)مروّجہ اسلامی بینکاری اور مرابحہ (Murabaha) 9

(2)اسلامی اقتصادی نظام 24

(3) اسلامی بینکاری ایک تاریخی اور شرعی جائزہ 33

(4)معاشی استحصال کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں 50

(5)دینِ اسلام میں خرید و فروخت کے بنیادی اصول وضوابط 64

(6)سود کے احکام آج کے حالات میں کیسے لاگو ہوسکتے ہیں؟ 90

(7)اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات 128

(8)بینک گارنٹی کی شرعی حیثیت 156

(9)عقد استصناع کی اسلامی بینکوں میں رائج صورتیں اور ان کا شرعی حکم 170

(10)سرمایہ دارانہ نظام کے نتائج 182

(11)انشورنس اور تکافل میزانِ شریعت میں! 190

(12)قرض اور سود، L.C تاخیر پر جرمانہ، اسٹاک ایکسچینج، متفرقات 220

(13)قسطوں کے کاروبار کا شرعی حکم 236

(14)اسلام کا نظریہ زر اور کاغذی کرنسی کی حقیقت 242

(15)بروکری کی اسلام میں شرعی حیثیت 265

مؤلف کی دیگر کتب کے لئے
Peaceofmindna.com
وزٹ کریں۔